سُلطان زنگی کی بیوہ

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

منشورات



سلطان زنگی کی بیوہ

سلطان زنگی کی بیوہ

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

منشورات

نام کتاب : سلطان زنگی کی بیوہ
مصنف : ڈاکٹر اختر حسین عزمی
طبع اول : نومبر ۲۰۱۴ء
تعداد : ۱۱۰۰

ناشر منشورات

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790
042-35419520-24 - 35434909
0092 42 - 35432194 - 35434907
manshurat@gmail.com / @hotmail.com / @yahoo.com
SMS Your Address: 0332-003 4909, 0320-543 4909

مطبع :
کوڈ : 04246
ISBN : 978-969-633-280-0
قیمت : ۲۶۰ روپے

فہرست



مزاحمت کی علامت

قرآن کے مطابق بہت تھوڑے لوگ ہیں جو عقل وشعور اور سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہیں، عبرت پکڑتے ہیں، اپنے کردار کی غلطیوں کا محاسبہ کرتے اور شکر گزاری کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

عقل وشعور اور شکر گزاری کے رویّے کی حامل قلیل تعداد اگر خود کو حقیر نہ سمجھے تو یہ تاریخ میں بہت بڑے کارنامے سرانجام دیتی ہے، زوال پذیر اقوام کی سربلندی کا ذریعہ بنتی ہے، مایوس کن حالات میں امید کی کرن بن جاتی ہے، اور ظالموں اور خدا کے باغیوں کے نرغے میں پھنسی ہوئی قوم کو غیرت وحمیت اور آزادی وحریت کی راہ پر گامزان کردیتی ہے۔

۱۰۹۹ء میں قبلہ اوّل بیت المقدس پر صلیبی طاقتوں کا قبضہ مسلمانوں کی کمزوری کے باقاعدہ اظہار کا ایک نقطۂ آغاز تھا، لیکن ان کا زوال اور بگاڑ تو اس سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اتنا بڑا سانحہ اس وقت وقوع پذیر ہوا تھا جب مسلمان امرا ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے صلیبیوں کے مددگار بن گئے تھے۔ قبلہ اوّل کی طرف پیش قدمی کرنے والے صلیبیوں کو بہت سی ریاستوں کے مسلمان امرا نے اپنی اپنی ریاستوں سے گزرنے کے لیے نہ صرف راہداری دی تھی بلکہ رسد، جسے آج کے زمانے میں لاجسٹک سپورٹ کہتے ہیں وہ بھی فراہم کی تھی۔ مسلم معاشروں میں مسلمان امرا کو اتنی لاتعلقی اور بے غیرتی کی جسارت اس وقت پیدا ہوئی جب مسلم معاشروں میں منافقت، بے مقصدیت اور بے حسی کی معاشرت پروان چڑھ چکی تھی۔

ایسے میں شام کی ایک چھوٹی سی ریاست کا حکمران عمادالدین زنگی، اس احساسِ زیاں کی

علامت بن کر ابھرا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نورالدین زنگی نے نہ صرف اپنی سلطنت کو توسیع و استحکام بخشا بلکہ وہ احیائے اسلام کے لیے مضطرب روحوں کا مرکزِ توجہ بن گیا۔ اس کی وفات کے بعد بظاہر حالات وہیں پہنچ گئے تھے جہاں سے نورالدین زنگی کے باپ نے آغاز کیا تھا۔ نورالدین زنگی کا کمسن بیٹا مفاد پرست امرا کے ہاتھ میں کھلونا بن گیا تو قدرتِ حق نے صلاح الدین ایوبی کو سلطان زنگی کے مشن کا وارث بنا کر کھڑا کر دیا۔ عظمت اسلام کے مشن سے منحرف سلطان زنگی مرحوم کے بیٹے کے مقابلے میں خود اس کی ماں...... یعنی سلطان زنگی کی بیوہ...... نے جس طرح اندرونی محاذ پر مزاحمت کر کے دمشق کی سلطنت کے بگڑتے ہوئے تشخص کو پھر سے بحال کر دیا، یہ ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

نورالدین زنگی کی بیوہ ایک ایسا کردار ہے جو اپنے دائرہ اختیار اور دائرہ اثر و رسوخ کے اندر اصلاح و مزاحمت کے عمل سے غافل نہیں ہے۔ نہ حالات کی خرابی کا شکوہ، نہ رشتوں اور منصب کی مجبوریوں کا بہانہ۔ یہ کہانی اس لحاظ سے بڑی اہم ہے کہ آج کی صلیبی جنگ، جو دہشت گردی کی آڑ میں افغانستان و عراق کے میدانوں اور الجزائر، فلسطین و ترکی کے سیاسی ایوانوں میں لڑی جاری ہے اور دیگر تمام ممالک اسلامی کو مغرب کے تہذیبی رنگ میں رنگنے کے لیے میڈیا میں لڑی جارہی ہے، اس کے حربے اور ہتھکنڈے وہی ہیں جو ماضی کی صلیبی جنگوں میں اختیار کیے گئے تھے۔

یورپ اسلام اور صلیب کی کش مکش کو نہیں بھولا، لیکن ہمارے دیسی 'صاحب لوگ' مسلمانوں کو اس کش مکش کی خبر نہیں ہونے دینا چاہتے۔

اُمید ہے یہ کہانی حق و باطل کی کش مکش کو موجودہ تناظر میں سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

لالہ زار (جوڈیشل) کالونی، فیز 1، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور



ضربِ مومن

''عبید! عبید'' گھڑسوار کی آواز سن کر گڈریا جھونپڑی سے باہر نکلا۔ ہانپتے گھوڑے کو دیکھ کر بکریاں اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ عبید گھڑسوار کو خون میں لت پت دیکھ کر ہڑبڑا گیا۔

''کیا بات ہے حذیفہ؟'' عبید نے گھڑسوار کو اترنے میں مدد دیتے ہوئے پوچھا۔

''باتوں کا وقت نہیں ہے دشمن کو میرے جاسوس ہونے کے بارے میں شک ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے فرار ہونے کا پروگرام بنایا لیکن مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ جونہی میں رات کے تیسرے پہر شہر سے نکلا، دو گھڑسواروں نے میرا تعاقب کیا اور بے انداز تیراندازی کی جس سے میرا جسم چھلنی ہو چکا ہے۔ اب میں اس قابل نہیں کہ مزید سفر کر سکوں۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے تم تک پہنچا دے۔ اب تم فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر سلطان نورالدین زنگیؒ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور انھیں کہنا......''

''لیکن میں تمھیں اس حالت میں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟'' عبید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''تمھیں ایک میری اکیلی جان کی فکر لگی ہوئی ہے، اگر صلیبیوں کے حملے کی تیاری کی خبر سلطان زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو نہ پہنچی تو نجانے کتنے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی جانیں ضائع ہو جائیں گی'' کچھ دیر اس نے توقف کیا، پھر گویا ہوا:

''صلیبی گھڑ سوار میرے تعاقب میں پیچھے رہ گئے ہیں لیکن وہ کسی لمحے بھی یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اس لیے تم فوراً یہاں سے نکلو اور سنو......''

یہ کہتے ہوئے اس پر کھانسی کا دورہ پڑا اور منہ سے خون کی قے آنے لگی۔ جب وہ ذرا سنبھلا تو پھر گویا ہوا:

''سلطان زنگی ابھی کرک میں ہوگا۔ کسی قسم کی تاخیر کیے بغیر اس تک پہنچو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی اور مہم میں الجھ جائے۔ انھیں بتانا کہ صلیبی اس دفعہ مصر پر خشکی کی بجائے بحری حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سکندریہ پر حملہ کے لیے بحرۂ روم میں عیسائیوں کا بہت بڑا بیڑا آ رہا ہے۔''

عبید نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی اور پھر بکریوں کو ایک طرف بھگا دیا۔ عبید نے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک نظر اپنے زخمی ساتھی پر ڈالی اور گھوڑے کو ایڑی لگا دی۔

عبید سلطان زنگیؒ کے محکمہ جاسوسی کا اہم کارندہ تھا۔ فلسطین کے عکرہ شہر میں سلطان زنگی کے بہت سے جاسوس عیسائی پناہ گیروں کے روپ میں داخل ہو چکے تھے اور بہت سی اہم صلیبی شخصیات کے ہاں ملازم تھے۔ عبید عکرہ کے نواح میں ایک وادی میں ایک گڈریے کے بھیس میں رہتا تھا اور شہر کے جاسوس اس تک تمام خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔



''میرے سپاہی! ایک غدار ذاتی مفاد کے لیے پوری قوم کو شکست کی ذلت کے گڑھے میں گرا دیتا ہے، جب کہ ایک جاسوس دشمن کے لشکر کو شکست سے دوچار کر سکتا ہے۔ تم جو خبر دے رہے ہو یہ دراصل دشمن کی شکست کی خبر ہے۔ صلیبیوں کا بحری بیڑہ ان شاء اللہ اب مصر کے ساحل سے واپس نہیں جا سکے گا'' سلطان نورالدین زنگی کرک میں اپنے خیمے میں عبید کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

وہ کچھ دیر یونہی محویت کے عالم میں رہا اور پھر گویا ہوا: ''تم اور تمھارے ساتھیوں نے

جان پر کھیل کر یہ راز حاصل کیا ہے، میں ان مشکلات کو جانتا ہوں۔ اس کا اجر تمھیں اللہ ہی دے سکتا ہے۔ اگر چہ اس خبر کے صلے میں تم دولت کے انباروں کے حق دار ہو لیکن دولت کی حرص نے ہی تو مسلمانوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے اور قوم میں غداروں کی پوری فصل تیار ہو چکی ہے۔ میں تمھیں انعام میں وہی چیز دوں گا جس کی ضرورت قوم کے ہر فرد کو ہے'' یہ کہتے ہوئے سلطان زنگی ایک قدم پیچھے ہٹا اور پھر اس نے اپنی نیام سے تلوار نکالی اور گویا ہوا:

''اس وقت جب ہلالی پرچم پر صلیب اپنا منحوس سایہ ڈالنے کی کوشش میں ہے، ایک سپاہی اپنے بھائی کو تلوار سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں دے سکتا'' یہ کہتے ہوئے سلطان نے اپنے دونوں ہاتھوں پر تلوار رکھ کر عبید کو پیش کی۔

''میرے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے، سلطان معظم!'' عبید نے تلوار دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

''میرے سپاہی! یہ وہ تلوار ہے جس نے بڑے بڑے صلیبیوں کا خون پیا ہے، یہ اسلام کی پاسبان ہے، اس کا حق ادا کرتے رہنا۔''

''غلام اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرے گا'' یہ کہتے ہوئے عبید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کمر کو تھوڑا سا خم دیا۔ سلطان زنگی عبید کا ہاتھ پکڑے ہوئے خیمے کے دروازے پر آیا جہاں ایک خوب صورت گھوڑا تیار کھڑا تھا۔

''جوان! یہ بڑی اچھی نسل کا گھوڑا ہے جو مشکل گھاٹیوں میں تمھارا ساتھ دے گا۔ تم اسی وقت امیر مصر صلاح الدین ایوبی کی طرف روانہ ہو جاؤ اور انھیں بتاؤ کہ صلیبی اس دفعہ کافی محتاط دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے حملہ کے لیے سکندریہ کے شمالی ساحل کا انتخاب کیا ہے۔ سمندر میں براہ راست ان سے ٹکر لینے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ صلیبیوں کی بحری قوت بہت زیادہ ہے۔ انھیں ساحل پر اترنے دینا۔ ہم دشمن کے بائیں پہلو میں پہنچ جائیں گے اور صلاح الدین ایوبی

اس کے دائیں پہلو پر رہے۔ جہازوں کی تباہی کے لیے سمندری چھاپہ ماروں کو تیار کر دیا جائے۔ بیت المقدس کی طرف سے آنے والی برّی فوج کو روکنے کے لیے میری افواج کافی ہیں۔ دشمن کو یہ خبر نہیں ہونی چاہیے کہ ہم اس کی تیاریوں سے باخبر ہیں۔ اسی رازداری کی خاطر میں تمھیں خط لکھ کر نہیں دے رہا، فی امان اللہ!''

''فی امان اللہ!'' یہ کہتے ہوئے عبید نے گھوڑے کا رخ مصر کی جانب کر دیا۔ سلطان نورالدین زنگی کی نظریں دور تک گھڑ سوار کا تعاقب کرتی رہیں۔

''سلطان معظم! کیا سوچ رہے ہیں'' سلطان زنگی کے ایک کمانڈر نے آہستگی سے کہا۔

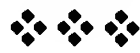
''میں سوچ رہا ہوں کہ ایک یہ سرفروش مجاہد ہیں جو اپنے گھر بار چھوڑ کر دشمن کی خبریں لانے کے لیے جان کو خطرات میں ڈالے رکھتے ہیں تاکہ ملک وملت خطرات سے محفوظ رہے، اور دوسری طرف وہ ملت فروش امراء ہیں جو قوم وملت کے دیے ہوئے منصب اور اعزاز پر قناعت کرنے کی بجائے چند روزہ دنیاوی مفادات کے لیے یہود ونصاریٰ کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتے ہیں اور ملّت کو ذلت کے گڑھوں میں دھکیلنے پر بھی انھیں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی۔'' کچھ دیر توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوا:

''بیت المقدس کی سرزمین پر خواتین اسلام اور بچوں کی دردناک چیخیں مجھ سے فلسطین کا رخ کرنے کا تقاضا کرتی ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں کے بے ضمیر امراء میرے پاؤں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔ امت مسلمہ کے قیمتی وسائل جو صلیبی دشمنوں کی قوت کو توڑنے میں صرف ہونا چاہییں، وہ آپس کی بے مقصد کشاکش میں ضائع ہو رہے ہیں۔ سوائے امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی کے، کسی طرف سے بھی خوشگوار ہوا کا جھونکا نہیں آتا۔'' سلطان زنگی کی آزردگی اس کے لہجے پر غالب تھی۔



یہ ۱۱۷۴ء کے دن تھے۔ اس سے چار پانچ سال پہلے یورپی عیسائی جنونیوں کا ایک بڑا بحری بیڑہ مصر پر حملہ آور ہوا تھا جسے سلطان زنگی کے مصری محاذ کے سالار صلاح الدین ایوبی نے غرقاب کر دیا تھا۔ اس دفعہ عیسائی پہلے سے زیادہ تیاریوں، احتیاط اور خاموشی سے آنا چاہتے تھے۔ ایک طرف تازہ دم فوج یورپ سے بحری بیڑے میں آ رہی تھی اور دوسری طرف بیت المقدس کی طرف سے صلیبی فوج پیش قدمی کرنے والی تھی۔ سکندریہ کے شمال میں اترنے والی فوج سکندریہ پر قبضہ کر کے اسے اپنی رسد گاہ اور اڈے کے طور پر استعمال کرنا چاہ رہی تھی۔ یہ ایک ایسا طوفان تھا جو بے خبری میں آ جاتا تو مصر کے اوپر بھی عیسائیوں کا قبضہ یقینی تھا۔

پوپ کی ہدایت پر برطانیہ نے اپنے چند جنگی بحری جہاز دیے تھے، جب کہ سپین کا پورا بیڑہ حملے میں شرکت کے لیے تیار تھا۔ یونان، جرمنی، فرانس، بیلجیئم اور سسلی کے جہاز بھی تیار تھے۔ اس تازہ دم فوج کا یہ عزم تھا کہ وہ مسلمانوں پر فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں آئے گی۔



صلیبی بحری بیڑے کے کپتانوں کو ساحلِ مصر نظر آنے لگا تھا۔ لیکن انھیں ابھی تک سلطان ایوبی کا کوئی بحری جہاز نظر نہیں آیا تھا۔ ماہی گیروں کی چند چھوٹی چھوٹی کشتیاں نظر آ رہی تھیں۔ صلیبی کمانڈر بہت محتاط تھا۔ اس نے اپنے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ان ماہی گیروں سے ساحل کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ تھوڑی ہی دیر میں چند سپاہی ایک چھوٹی کشتی کے ذریعے ان ماہی گیروں تک پہنچ چکے تھے۔

''مصر کے جنگی جہاز یہاں سے بہت دور ہیں۔'' ایک ماہی گیر نے بڑی لجاجت سے کہا۔ ''اتنی دور کہ یہاں پہنچنے میں انھیں کم از کم ایک دن اور ایک رات لگ جاتے ہیں کیونکہ وہ بہت پرانے جہاز ہیں جن کے بادبان اور چپو بوسیدہ ہو چکے ہیں۔''

''والئی مصر بحریہ کی طرف کم ہی توجہ دیتا ہے'' ایک دوسرے ماہی گیر نے گفتگو میں حصہ

لیتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے جنگی ملاّح آرام طلب ہو گئے ہیں۔ ان کا کام تو بس ہم جیسے غریبوں سے مچھلیاں چھین کر کھا جانا ہی ہے۔'' ماہی گیر ایوبی فوج کے خلاف کچھ زیادہ ہی بیزار دکھائی دے رہے تھے۔

ایوبی کی بحری تیاریوں کے بارے میں اطمینان کرنے کے بعد صلیبی فوجی واپس اپنے بیڑے کی طرف پلٹ گئے۔ ماہی گیروں نے دوسری طرف کشتی والوں کو کچھ مخصوص اشارے کیے۔ سورج غروب ہو رہا تھا جب ان میں سے ایک کشتی ساحل کی طرف چلی گئی۔

رات کی تاریکی گہری ہوتے ہی صلیبی کمانڈر نے اپنے بیڑے کو ساحل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ رات کا ایک پہر گزر چکا تھا۔ جب صلیبی جہاز سکندریہ کے ساحل پر پہنچے اور بغیر کسی دشواری کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ ماہی گیروں کی اطلاع کے مطابق ساحل پر فوج نہیں تھی چنانچہ سپاہیوں کو سکندریہ میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا۔ سپاہی کئی دنوں کے سمندری سفر سے اکتائے ہوئے تھے۔ مال واسباب کو لوٹنے، عورتوں کی آبروریزی اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے کا تصور صلیبی افواج میں جوش وخروش پیدا کر رہا تھا۔ یہ سپاہی جہاز سے اترنے میں بہت زیادہ پرجوش تھے۔

کم وبیش دو ہزار فوج شہر کے قریب پہنچی تھی کہ ان کے دائیں اور بائیں اچانک آگ کے شعلے اتنے بلند ہوئے کہ رات پر دن کا گمان ہونے لگا۔ دونوں اطراف میں لکڑیوں اور گھاس پھونس میں ایسے آگ لگی ہوئی تھی جیسے ان پر تیل چھڑکا گیا ہو۔ صلیبی فوج ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ یہ آگ آیا ان کے کسی دستے نے جلائی ہے یا کوئی اور وجہ ہے۔ اچانک شہر کی گلیوں میں مشعلیں روشن ہو گئیں اور اس کے ساتھ ہی مکانوں سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ جب صلیبی سپاہی بچنے کے لیے دائیں بائیں ہوئے تو ادھر سے بھی تیروں کے نشانے پر آ گئے۔ سپاہیوں نے پیچھے ہٹنا چاہا تو انھیں اپنے جہازوں کے عقب سے بھی آگ کے بڑے بڑے گولے بلند ہوتے نظر آئے۔

صلیبی جہازوں پر نصب منجنیقوں نے شہر پر آتشیں گولے پھینکنے شروع کیے لیکن تھوڑی دیر بعد صلیبی کپتانوں نے اپنے پیچھے جہازوں میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے سمندر سے آتشیں گولے بلند ہوتے ہیں اور صلیبی جہازوں پر آ کر گرتے ہیں۔ اب انھیں معلوم ہوا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے پھندے میں پھنس چکے ہیں۔ ایوبی کا امیر البحر جو اپنے جنگی جہازوں کو ساحل سمندر سے دور کھڑا کیے ہوئے تھا، صلیبی جہازوں کے عقب میں جہاز لے آیا تھا۔ ان جہازوں پر آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں نصب تھیں۔ سمندر میں صلیبی جہازوں کے جلنے سے دن کا سماں تھا۔ ساحل پر صلیبیوں کی چیخ و پکار اور دھکم پیل میں ہزاروں صلیبی مارے گئے۔ جنگ رات بھر جاری رہی۔ صلاح الدین ایوبی کے چند جہازوں کے مقابلے میں صلیبی جہازوں کی کثرت بے بس دکھائی دے رہی تھی۔

اب صلیبی جہازوں نے ایوبی افواج کے جہازوں کے حصار کو توڑنے کی کوششیں کی اور ان میں سے کئی اس حصار سے نکلنے اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ رات بھر جنگ جاری رہی۔ صلیبی افواج کی تعداد چونکہ ایوبی افواج سے کئی گنا زیادہ تھی، اس لیے صلیبی سپاہ صبح تک اس امید پر جنگ لڑتی رہی کہ وہ والئ مصر صلاح الدین ایوبی کی چھوٹی سی بحری قوت کو فنا کر دے گی۔ لیکن دو پہر تک یہ محسوس ہونے لگا کہ صلیبی سُورما اب صرف صلیب کا حلف نبھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غروب آفتاب کے ساتھ ہی صلیبی افواج بھاگنا شروع ہو گئیں۔ لیکن ہر طرف چھپے ہوئے ایوبی کے سپاہیوں کی تلواروں نے انھیں چاٹنا شروع کر دیا۔

اب سمندر میں صلیبیوں کے تباہ حال جہاز دکھائی دے رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے آدھے سے زیادہ جہاز بھی بے کار ہو چکے تھے۔ ان جہازوں سے زخمیوں اور شہیدوں کی لاشوں کو کشتیوں پر رکھ کر لایا جا رہا تھا۔ والئ مصر ہر زخمی اور میت کو دیکھ رہا تھا کہ ایک خون آلود میت پر وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ پھر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا:

”یہ کس کی میت ہے؟“

''امیر البحر سعدی بن سعد کی حضور!'' ساتھ کھڑے ہوئے سپاہی نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

''امیر البحر لڑائی میں خود کمان کر رہے تھے۔ صلیبیوں کے چار جہازوں نے ان کے جہاز کو گھیر لیا......''

والئی مصر نے امیر البحر کا خون آلود ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور پھر اس کو چومنا شروع کر دیا۔



صلیبیوں کا بہت بڑا بری لشکر مشہور جنگجو حکمران ریجنالڈ کی قیادت میں بیت المقدس سے کئی دن پہلے اپنے پروگرام کے مطابق روانہ ہو چکا تھا۔ سکندریہ سے بہت دور شمال کی سمت میں رات کے پڑاؤ کے لیے رک گیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی جب اچانک پہرے داروں کی باری باری چیخیں سنائی دینے لگیں۔ لوگ ہڑبڑا کر پہریداروں کی طرف لپکے کہ تیروں کی ایک باڑ آئی اور پہریداروں کو سنجالنے والے خود کو نہ سنبھال سکے۔

صلیبی سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی تو اچانک ایک طرف سے گھڑ سواروں کا ایک دستہ نعرۂ تکبیر بلند کرتا ہوا آ دھمکا جس نے صلیبیوں کے گھوڑوں کی رسیاں کھول دیں۔ گھبرائے ہوئے گھوڑے اپنے ہی لشکر کے بستروں میں ادھ موئے پڑے ہوئے سپاہیوں پر چڑھ دوڑے۔

ریجنالڈ کو کچھ نہیں سمجھ آ رہا تھا کہ یہ اچانک آفت کہاں سے نازل ہو گئی۔ صبح کے دھندلکے میں ریجنالڈ نے فوج کو جب منظم کیا تو حملہ آور اپنی گوریلا کارروائی کر کے غائب ہو چکے تھے۔ لیکن اب انھیں معلوم ہوا کہ ان کی رسد کا بڑا حصہ حملہ آور لے جا چکے ہیں۔

دن بھر سفر کرنے کے بعد اگلی شام لشکر نے پڑاؤ کیا۔ رات کے آغاز میں ان پر شب خون مارا گیا۔ اب یہ ہر رات کا معمول بن گیا۔ چوتھی شب ریجنالڈ کی خیمہ گاہ پر دشمن کا حملہ ہو چکا تھا۔ آخر دم اس نے فرار کی کوشش کی لیکن تقدیر نے اس کا ساتھ نہ دیا۔



سورج کی کرنیں چھن چھن کر خیمے میں موجود ریجنالڈ کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ ایک بڑے خیمے میں وہ چند سپاہیوں کی نگرانی میں قیدی کی حیثیت سے کھڑا تھا۔ فضا پر گہری خاموشی اور سکوت چھایا ہوا تھا جس سے ریجنالڈ کو بہت زیادہ وحشت ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں خیمے کا ایک پردہ ہلا اور ایک وجیہہ اور بارُعب شخصیت اندر داخل ہوئی جس کی طرف ریجنالڈ دیکھتا ہی چلا گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی وجاہت اور وقار سے متاثر ہو رہا تھا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ صلیبی سُورما اپنے دشمن سے ملنے کے لیے بڑا بے چین ہے'' آنے والے نے ریجنالڈ کے قریب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

''اگر میری نظریں دھوکہ نہیں کھا رہیں تو آپ یقیناً سلطان نورالدین زنگی ہیں'' ریجنالڈ نے زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''دھوکہ کھانے کے لیے تو ہم مسلمان ہی کافی ہیں ریجنالڈ!'' نورالدین زنگی نے ریجنالڈ کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ ''کہو جو تم کہنا چاہتے ہو۔''

''آپ مجھے آزاد کر دیں۔ میں آپ سے معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ آئندہ کبھی آپ کے مقابلے پر نہیں آؤں گا'' ریجنالڈ نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔

''معاہدہ؟...... ہونہہ......'' نورالدین زنگی نے تحقیر آمیز انداز میں کہا۔ ''تم صلیبیوں کی لغت میں معاہدے کے معنی وقت نکالنا اور دھوکہ دینا ہی ہیں نا۔''

''اگر آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں تو آپ میری رہائی کی قیمت طلب کریں، میں دوں گا۔''

''اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ کیا ہماری مہمان نوازی آپ کے شایانِ شان نہیں ہے!''

''نہیں سلطان معظم! آپ کے سپاہیوں نے میرے ساتھ بہت احترام کا سلوک کیا ہے۔''

''ہمارے سپاہیوں نے آپ کو ہی نہیں ہر قیدی کو احترام دیا ہے۔ اسلام قیدیوں سے

حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔''

''میں سلطان کا شکرگزار ہوں اور آپ کی اسی عالی ظرفی سے حوصلہ پا کر اپنی رہائی کی درخواست کر رہا ہوں۔''

''ہم آپ جیسے قیمتی آدمی کو چند ٹکوں کے عوض نہیں چھوڑ سکتے۔''

''سلطان محترم! میں آپ کی توقع سے زیادہ قیمت دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''ریجنالڈ! میرے جہاد کو پیسوں میں تولنے کا خیال چھوڑ دو۔ ہاں! اگر تم بیت المقدس کا قبضہ چھوڑ دیتے ہو تو مجھے بھی تمھاری رہائی بارے کوئی تامل نہ ہوگا'' سلطان نے اپنی شرط کا اظہار کر دیا۔

''لیکن سلطان محترم! میں آپ کو اپنے علاقے دے سکتا ہوں، بیت المقدس دینے کا اختیار میرے پاس نہیں۔''

''ہم کشور کشائی کے لیے جنگ نہیں لڑ رہے۔ ہم صرف بیت المقدس کو ظالم صلیبیوں کی سنگینوں کے سائے سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ اگر بیت المقدس کی پُرامن بازیابی میں آپ ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرتے تو آپ کی رہائی ممکن نہیں'' نورالدین زنگی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔



صلیبی یلغار

پانچویں صدی ہجری کے آخر تک عباسی خلافت عربی و عجمی عصبیت اور ترکوں کی سرکشی کے باعث کمزور پڑ چکی تھی۔ شیعہ سنی فسادات نے سلطنت بغداد کو مزید خلفشار کا شکار کر دیا۔ آہستہ آہستہ خلافت عباسیہ کی ابتری کا یہ عالم ہوگیا کہ بغداد کے نواحی علاقوں کو چھوڑ کر باقی صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اوران خود مختار حکومتوں کے فرمانروا آپس میں لڑنے بھڑنے میں مصروف رہتے اور ایک مرکز پر جمع ہونے کی بجائے ہر وقت ایک دوسرے کے علاقے ہتھیانے کی فکر میں رہتے تھے۔

مصر پر فاطمی خاندان کی خلافت تھی۔ انھوں نے شام میں سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں وہ مصر پر بھی قابض نہ ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے سلجوقی مسلمانوں سے بچنے کے لیے عیسائیوں کو شام پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور درپردہ اپنی حمایت کا انھیں یقین دلایا۔

بعدازاں مصر کے فاطمی شیعہ خلیفہ حاکم بامراللہ سے عیسائیوں کو یہ شکایت ہوئی کہ اس نے عیسائی آبادی کے ساتھ تشدد کا برتاؤ کیا ہے۔ حالانکہ اس مخبوط الحواس حاکم کے رویّہ سے مسلمان بھی محفوظ نہ تھے۔ فاطمیوں سے سلجوقیوں نے یروشلم (بیت المقدس) شہر چھین لیا تو وہاں ایک ترکمانی افسر توق کو حاکم مقرر کیا۔ ترکمان بالعموم جاہل لوگ تھے جن کے روایتی اکھڑپن کے باعث کبھی کبھار عیسائی زائرین ان کی بدسلوکی کا شکار ہو جاتے۔ ان کی بدسلوکی کی یہ خبریں مبالغہ آمیزی کے ساتھ یورپ کے عیسائیوں تک پہنچتیں تو ان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت

کے جذبات پیدا ہوتے۔ انھیں کیا معلوم کہ عام مسلمان بھی ترکمانوں کے اس اکھڑپن سے محفوظ نہیں تھے۔ طوائف الملوکی کے اس دور میں قزاقوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں نہ صرف عیسائی زائرین بلکہ مسلمانوں کے قافلے بھی لٹ جاتے تھے۔ یورپ میں ان سارے حالات کو عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کے مذہبی تشدد اور تعصب کا رنگ دے کر بیان کیا جاتا۔

اس پس منظر میں سرزمین یورپ میں ایک عجیب وغریب شخصیت منظر عام پر آئی۔ جس نے اپنی شعلہ بیانیوں سے سارے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت کی آگ بھڑکا دی۔ یہ شخص فرانس کا ایک راہب پیٹر دی ہرمٹ تھا جو راہب پطرس کے نام سے معروف تھا۔ چھوٹے قد اور لمبی داڑھی والا یہ کمزور سا سیاہ فام راہب عیسائیوں میں بڑی عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ ایک خچر پر سوار قریہ قریہ اور ملک ملک مجنونانہ انداز میں گھومتا پھرتا تھا اور اپنی گفتگو اور تقریروں سے عیسائیوں کے دلوں میں مسمانوں کے خلاف غم وغصے کے جذبات کو بھڑکاتا تھا۔ دوران تقریر وہ کبھی سینہ کوبی کرتا اور کبھی اپنے بال نوچتا اور عیسائیوں کی حالت زار پر نہ صرف خود روتا بلکہ سنگ دل لوگوں کو بھی رُلا دیتا تھا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کے مصائب کی وہ ایسی تصویرکشی کرتا کہ لوگوں کا پورا مجمع اس بات کا حلف اٹھاتا کہ وہ ارض مقدس کو ''کافروں'' (مسلمانوں) کے پنجہ سے چھڑانے کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگا دے گا۔ سادہ لوح عیسائی عوام پیٹر کو خدا کا فرستادہ اور اس کی آواز کو خدائی آواز سمجھتے تھے۔ وہ یہ اعلان بھی کرتا پھرتا تھا کہ خود مسیح نے اسے حکم دیا ہے کہ مسیح کے نام لیواؤں کے لیے ''کافروں'' کے پنجے سے یروشلم کے مقدس مقامات چھڑانے کا وقت آ گیا ہے۔

۱۰۹۵ء میں تمام عالم مسیحیت میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی، وہ پیٹر دی ہرمٹ (راہب پطرس) کی آواز تھی کہ خداوند کے حکم کی تعمیل کرو اور بیت المقدس پر صلیب کا جھنڈا گاڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ صلیبی جنگوں کا حقیقی بانی یہی شخص تھا۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف اپنی نفرت انگیز مہم کو کامیاب بنانے کے لیے اب پوپ کی طرف رجوع کیا۔ اس زمانہ میں پوپ کی

شخصیت دنیا بھر کے عیسائیوں کے لیے روحانی و سیاسی دونوں اعتبار سے ایک مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ راہب پطرس جب چھاتی پیٹتا اور بال نوچتا ہوا پوپ کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے عیسائی زائرین یروشلم کی حالت زار کا نقشہ کھینچا تو پوپ بے اختیار رو دیا اور اس نے راہب پطرس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

اسی زمانے میں فرانس میں ایک بہت بڑی کانفرس منعقد ہوئی۔ جس میں عیسائی حکمرانوں، نوابوں، راہبوں، پادریوں اور عوام الناس نے شرکت کی۔ اجتماع کے ہر اجلاس میں مقررین نے اپنی ہنگامہ خیز تقریروں میں بیت المقدس کے عیسائی باشندوں اور زائرین کے ساتھ مسلمانوں کی بدسلوکی کی مبالغہ آمیز داستانیں اس انداز سے بیان کیں کہ حاضرین جوش جذبات سے اچھل پڑتے تھے۔ آخر میں پوپ نے ایک انتہائی اشتعال انگیز تقریر میں اعلان کیا ''خداوند یسوع مسیح کے ہر پیروکار کا یہ اوّلین فرض ہے کہ وہ خداوند کی تخت گاہ (بیت المقدس) کو ''کافروں'' کے غاصبانہ قبضے سے آزاد کرانے کے لیے جان کی بازی لگا دے۔ اے میرے فرزندو! تم صرف بیت المقدس ہی نہیں بلکہ تمام اشیا کو اس کی بے شمار دولت سمیت اپنے قبضے میں لانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس مقدس جنگ میں شرکت کرنے والوں کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی اور اس کی نجات کی میں ضمانت دیتا ہوں۔''

پھر پوپ نے لوگوں کو ایک صلیب دکھائی اور کہا:

''خداوند یسوع مسیح خود اپنی قبر سے یہ صلیب تمھارے سینوں پر آویزاں کرنے کے لیے نکلا ہے۔ یہی تمھاری نجات کا نشان اور یہی تمھاری فتح کی ضامن ہے۔ مسیح نے تمھاری خاطر جان دی تھی، اب وہ تم سے تمھاری جانیں اپنے لیے مانگتا ہے۔''

پوپ کی تقریر سن کر لوگوں میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ وہ سینہ کوبی کرنے لگے اور پھر سب کے سب سجدے میں گر گئے اور حلف اٹھایا:

''ہم خداوند کے حکم کی تعمیل میں اپنی جانیں نچھاور کر دیں گے۔''

پوپ کا فتویٰ اور اشیر باد حاصل کر کے راہب پطرس نے اپنی فتنہ انگیزی کی مہم اور تیز کر دی۔ پوپ کے فتوے اور راہب پطرس کے وعظوں کی جادو اثری کا یہ عالم تھا کہ تارک الدنیا راہب اپنی خانقاہوں سے نکل آئے۔ تاجروں نے رضا کاروں کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے۔ رہزنوں نے اپنی کمین گاہیں چھوڑ دیں۔ جنگجو نوابوں نے اپنے باہمی تنازعات کو خیر باد کہہ دیا۔ عورتوں نے اپنے زیورات سامانِ جنگ خریدنے کے لیے دے دیے۔ جو لوگ بڑھاپے یا کسی معذوری کی بنا پر شریک جنگ نہ ہو سکتے تھے انھوں نے اپنے نوجوان فرزندوں اور عزیزوں کو قسمیں دے دے کر مقدس صلیبی جنگ میں شرکت پر آمادہ کیا۔ غرضیکہ تھوڑی مدت میں راہب پطرس (پیٹر) کے پرچم تلے فرانس، اٹلی اور جرمنی سے ڈیڑھ لاکھ صلیبی جمع ہو گئے۔ ان کا جوش وخروش اگرچہ دیوانگی کی حد تک پہنچا ہوا تھا لیکن وہ کسی فوجی نظم وضبط کے پابند نہ تھے۔

صلیبیوں کا پہلا لشکر ۱۰۹۶ء میں والٹر کی قیادت میں ارض مقدس کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر نے بلغاریہ سے گزرتے ہوئے وہاں کے اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کو اس قدر ستایا کہ وہ ان نام نہاد صلیب برداروں کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ حتیٰ کہ والٹر اور اس کے چند ساتھیوں نے بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچائیں۔

صلیبیوں کا دوسرا لشکر جس کی تعداد چالیس ہزار تھی، راہب پطرس (پیٹر) کی زیر قیادت روانہ ہوا۔ انھوں نے بھی بلغاریہ کے عیسائی باشندوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ بلغاریہ اور ہنگری کو فتح کرنے کے بعد یہ ایشیائے کوچک کی اسلامی حکومت پر حملہ آور ہوئے۔ سلطان قلیج ارسلان سلجوقی بڑا غیور حکمران تھا۔ وہ اپنے پندرہ ہزار مجاہدین کے ساتھ اس لشکر پر ایسے ٹوٹ پڑا کہ صلیبی لشکر کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ راہب پیٹر اور اس کے تین ہزار ساتھیوں کے سوا جنھوں نے ایک ساحلی قلعے میں پناہ لی ہوئی تھی، باقی سب صلیبی مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہو گئے۔ اس خوفناک شکست سے راہب پیٹر کا تقدس اور شہرت خاک میں مل گئی۔ اس واقعہ کے بعد وہ

بیس برس تک زندہ رہا لیکن صلیبیوں نے اس کو پھر کبھی پہلے جیسی اہمیت نہ دی۔

اس کے بعد پھر دو صلیبی لشکر ارض مقدس کو فتح کرنے کے لیے نکلے لیکن اپنی درندگی کے باعث انھوں نے اہل ہنگری کو اپنا دشمن بنالیا جنھوں نے متحد ہو کر ان نام نہاد صلیبیوں پر ایسی ضرب لگائی کہ کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔

جب یورپی ممالک میں صلیبی لشکروں کی ہولناک تباہی کی خبر پہنچی تو آتش فشاں پھٹ پڑا۔ خواص وعوام سبھی غیض وغضب سے کھول رہے تھے۔ انتقامی جوش وجذبے سے بڑے پیانے پر جنگی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اب تک یورپ کے بڑے بڑے حکمران خود اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ بالآخر ۱۰۹۷ء کے موسم بہار میں یورپ کے کئی نامور حکمرانوں کی قیادت میں ساٹھ ہزار صلیبی جنگجو ارض مقدس کو فتح کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ صلیبیوں کا یہ لشکر ترکی کے شہر نیقیہ پر حملہ آور ہوا۔ پچاس دن تک مسلمانوں نے اس ٹڈی دل کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد صلیبی لشکر انطاکیہ پر حملہ آور ہوا۔ والئی انطاکیہ کے ایک بااعتماد کمانڈر نے مسلمانوں سے غداری کر کے فصیل شہر میں عیسائیوں کا داخلہ ممکن بنادیا۔ صلیبیوں نے ہزاروں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو تہ تیغ کیا۔ تین دن تک صلیبی لشکر نے مسلمانوں کی لاشوں پر جشن منایا۔

۶ جون ۱۰۹۹ء کو اس لشکر کے پچاس ہزار جنگجوؤں نے یروشلم (بیت المقدس) کا محاصرہ کرلیا۔ یہ شہر یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک بے حد مقدس ہے۔ مسلمانوں کا قبلہ اوّل یہیں ہے۔ حضورؐ سفر معراج پر یہیں سے روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا تھا اور یہاں عیسائیوں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔

صلیبیوں کی پچاس ہزار فوج کے مقابلے میں مسلمان باقاعدہ فوج کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ لیکن شہریوں کی مدد سے انھوں نے اتنے بڑے لشکر کا چالیس دن تک پامردی سے مقابلہ کیا۔

۱۵ر جولائی ۱۰۹۹ء کو صلیبیوں نے اپنی تمام قوت جمع کر کے فیصلہ کن حملہ کیا۔ بارہ گھنٹے کی خونریز جنگ میں مسلمانوں نے صلیبیوں کو لوہے کے چنے چبوا دیے۔ عین اس وقت جب صلیبی ہمت ہار بیٹھے تھے، ان کے پادریوں نے اپنا ایک حربہ آزمایا اور وہ جبل زیتون کی طرف اشارہ کر کے چلائے:

''وہ دیکھو! سینٹ جارج تمھاری مدد کے لیے آ گیا ہے''۔

اس کے ساتھ ہی صلیبیوں نے جبل زیتون کی طرف نگاہ اٹھائی، انھیں اس کی چوٹی پر ایک سوار دکھائی دیا جو اپنی سپر کو ہلا ہلا کر صلیبیوں کو شہر میں داخل ہونے کا اشارہ کر رہا تھا۔

''آسمانی سوار کی رونمائی'' صلیبیوں میں جوش وخروش کے بڑھانے کا باعث بنی۔ صلیبیوں نے ایک خوفناک حملے میں مسلمانوں کے تمام دفاعی انتظامات درہم برہم کر دیے اور شہر میں گھس گئے اور مسلمانوں پر قیامت برپا کر دی۔ صلیب کے نام لیواؤں نے شہر میں داخل ہو کر ایسی درندگی اور سفاکیت کا مظاہرہ کیا کہ ستر ہزار شہری، بچے عورتیں، بوڑھے اور جوان بے دردی سے ذبح کر دیے۔ مسجد اقصیٰ میں گھٹنوں گھٹنوں تک خون جما ہوا تھا۔

سقوطِ یروشلم اور صلیبیوں کے ہولناک عزائم کے باعث عالم اسلام میں نالہ وشیون کی آوازیں تو بلند ہوئیں لیکن مسلمانوں کے ضعف وافتراق کی بدولت صلیبیوں کو ارض شام وفلسطین میں قدم جمانے کا خوب موقع ملا۔ چند سال کے اندر اندر صلیبی اقتدار کے سیلاب نے عالم اسلام کے بڑے وسیع علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اہل صلیب کی مسلسل فتوحات اور چیرہ دستیوں نے بھی مسلمان حکمرانوں کو بیدار نہ کیا۔ وہ بدستور آپس میں لڑتے بھڑتے رہے اور انھوں نے اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ صلیبی اقتدار کی ہلاکت خیزیوں سے حمص، حماۃ، دمشق، موصل اور حلب کے شہر کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن اردگرد

بجلیوں کو کوندتے دیکھ کر بھی ان شہروں کے حکمرانوں میں باہمی اتحاد و تعاون کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ ایشیائے کوچک کے مرد مجاہد قلیج ارسلان اور مقامی امیروں نے کئی دفعہ صلیبیوں کو شکست سے دوچار بھی کیا لیکن کسی ایک مرکز سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی کامیابیوں کا کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

بغداد کی عباسی خلافت اور مصر کی شیعہ فاطمی خلافت یک دوسرے کی حریف تھیں۔ ان کا ایک مرکز پر جمع ہونا امر محال تھا اور اپنے طور پر ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ عیسائیوں سے نبرد آزما ہو سکیں۔ مسلمانوں پر قیامت ٹوٹی ہوئی تھی اور بغداد اور قاہرہ کے حکمران ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کا مصداق بنے ہوئے تھے، بلکہ چشم فلک نے یہ نظارے بھی دیکھے کہ مسلمان حکمران اور امرا ایک دوسرے کے خلاف صلیبیوں کی مدد لے رہے ہیں اور کہیں صلیبیوں کو مدد دے رہے ہیں۔

ان پُر آشوب حالات میں مظلوم مسلمانوں کی دعائیں رنگ لائیں۔ شام کے افق پر ایک درخشندہ ستارہ نمودار ہوا جس نے مسلمانوں کے پژمردہ قلوب کو اُمید و یقین کے نور سے معمور کر دیا۔ فرشتۂ رحمت بن کر ظاہر ہونے والا یہ ستارہ عماد الدین زنگیؒ تھا جو صلیبیوں کے مقابلے میں بے سہارا مسلمانوں کے لیے ڈھال بن گیا۔ اس نے اپنی مجاہدانہ ضربوں سے صلیبیوں کی صفوں میں جگہ جگہ رخنے ڈال دیے اور صلیبی اقتدار کی چولیں ہلا دیں۔

والئ موصل (شام) کی حیثیت سے اس نے صوبے کے نظم و نسق کو بہتر بنایا۔ فوج کو مضبوط کیا اور پھر اس نے عیسائی قلعوں پر لشکر کشی شروع کر دی اور کئی علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ عالم اسلام اس کی کامیابیوں پر شاداں و فرحاں تھا کہ ۱۱۴۶ء میں ایک رات ایک غدار غلام نے اسے سوتے ہوئے شہید کر دیا۔

عماد الدین زنگیؒ کے بعد اس کے مجاہد صفت بیٹے نور الدین زنگیؒ نے صلیبیوں کے خلاف باپ کے مشن کو جاری رکھا۔ صلیبی جو عراق و شام پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، جب ان

کے حکمران جوسلین کو ایڈیسہ کے مقام پر نورالدین زنگی نے ذلت آمیز شکست سے دو چار کیا تو سارا یورپ غم وغصہ سے کھول اٹھا۔ ایڈیسہ کے پادریوں کی فریاد پر بالآخر پوپ نے اعلان کیا:

''ارض فلسطین کے عیسائیوں کی مدد کرنا خداوند یسوع مسیح کے نام لیواؤں کا فرض اولین ہے۔ اگر وہ اس وقت نہ اٹھے تو یروشلم (بیت المقدس) کو بھی اپنے ہاتھوں سے گنوا بیٹھیں گے۔''

صلیبیوں کو بیت المقدس فتح کیے پینتالیس سال گزرے تھے اور عیسائیوں کے دلوں میں اس عظیم الشان فتح کی یاد ابھی تازہ تھی۔ عین اسی زمانے میں سرزمین یورپ میں ایک پُر اسرار راہب نمودار ہوا جس کی مسحور کن شخصیت اور شعلہ بیانی نے پھر سے یورپ میں آگ لگا دی۔ یہ شخص سینٹ برنارڈ تھا۔ سینٹ برنارڈ کی دھواں دھار تقریروں نے یورپ میں وہی کیفیت پیدا کر دی جو صلیبی جنگ کے پہلے مرحلے میں راہب پطرس نے کی تھی۔

۱۱۴۶ء میں فرانس میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا جس میں شاہ فرانس لوئی ہفتم نے صلیب کی بالاتری کے لیے جنگ میں شرکت کا اعلان کیا۔ جرمنی کا شاہ کانرڈ بھی اس مقدس جنگ میں شامل ہو گیا۔ دونوں بادشاہوں کے جھنڈے تلے نو لاکھ جنگجو جمع ہو گئے جو شام و فلسطین کے عیسائیوں کی مدد کے جذبے سے سرشار تھے۔

لیکن سلجوقی حکمران سلطان مسعود نے حسن تدبیر سے اتنی بڑی فوج کو پہاڑوں میں گھیر کر تباہ و برباد کر دیا۔ شاہ فرانس اور شاہ جرمنی اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ یروشلم پہنچے تو یروشلم کے بادشاہ بالڈون کے ساتھ مشاورت کی اور مسلمانوں پر ضرب کاری لگانے کے لیے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ والئ دمشق نے نورالدین زنگی سے مدد طلب کی تو وہ مجاہدین کے ساتھ عازم دمشق ہوا۔ زنگی کی آمد کی اطلاع پاتے ہی صلیبی لشکر راتوں رات واپس یروشلم چلا گیا۔ تھوڑے عرصہ میں نورالدین زنگی ملک شام کا سلطان بن گیا۔



سازش

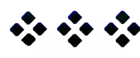
''نورالدین یہ دو آدمی مجھے اذیت دے رہے ہیں، ان کے شر کا کوئی تدارک کر'' حضور ﷺ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

دریچے کے اندر سے آنے والے تیز آندھی کے جھکڑ اور شور نے ملک شام کے سلطان نورالدین زنگی کو بیدار کر دیا۔ کمرے میں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیر تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر دریچے سے باہر دیکھنے کی کوشش کی تو اسے تیز آندھی کے تھپیڑوں نے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ ایک خوفناک سیاہ رات تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آندھی ہر مکان کے مکین کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے دھڑ دھڑ دروازوں پر دستک ہی نہ دے رہی ہو بلکہ ان کے دروازوں کو توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہی ہو۔

نورالدین زنگی نے بڑی مشکل سے دریچہ کے پٹ بند کیے اور بڑی فکر مندی کے ساتھ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ اس خواب کے بارے میں پریشان تھا جس میں اس نے حضور ﷺ کو پریشان حالت میں دیکھا تھا۔ اسے اپنے علم کی بنیاد پر یقین تھا کہ شیطان کبھی بھی حضور ﷺ کی شکل مبارک اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ حضور ﷺ ہی تھے جنھوں نے دو افراد کی طرف اشارہ کر کے ان کی گوشمالی کا حکم دیا تھا۔ بظاہر وہ دونوں آدمی عیسائی دکھائی دیتے تھے۔

اس نے خواب کی یہی تعبیر سمجھی کہ شاید عیسائی مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں اور یہ خواب بروقت حملے کے لیے اشارۂ غیبی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی افواج کو مستعد رہنے کا حکم

جاری کر دیا۔



سلطان نورالدین محمود زنگی ایک عابد شب بیدار تھا۔اس کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد بکثرت نوافل اور درود پڑھنے کے بعد استراحت کرتا اور پھر نماز تہجد کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ ۱۱۶۲ء کی ایک شب وہ اوراد و وظائف سے فراغت کے بعد بستر پر لیٹا تو خواب میں اسے رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔صبح ہوئی تو اس نے کثیر مال غریبوں میں صدقہ کیا اور فوجوں کو چوکس رہنے کا حکم دیا۔دوسری رات پھر وہی خواب نظر آیا۔سلطان نے اگلے دن پھر صدقات و خیرات سے غریبوں کی جھولیاں بھر دیں۔تیسری رات پھر حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے آج پھر دو آدمیوں کی طرف اشار کر کے فرمایا:

''نورالدین یہ آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے شر کا استیصال کر''

سلطان زنگی کے لیے مسلسل تین رات تک اس خواب کا آنا انتہائی اضطراب انگیز تھا۔وہ بار بار استغفار کر رہا تھا اور رو رو کر کہہ رہا تھا: ''میرے آقا و مولا کو کوئی ستائے، میری زندگی کس کام کی۔میری جان و مال، آل و اولاد سب آقائے مدنی پر قربان! اللہ اس دن کے لیے نورالدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور ﷺ غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے''

اب سلطان زنگی کو یقین ہو گیا کہ ضرور مدینۃ النبی میں کوئی ایسا واقعہ ہو گیا ہے جس سے سرورِ کونین ﷺ کی رُوحِ اقدس کو تکلیف پہنچی ہے۔چنانچہ خواب سے بیدار ہوتے ہی اس نے بیس عمائدین سلطنت کو ساتھ لیا۔بہت سا خزانہ گھوڑوں پر لدوایا اور عازم مدینہ ہوا۔اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازم سفر ہونے پر حیران تھے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ اصل بات کیا ہے۔

اس زمانے میں دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس پچیس دن لگتے تھے لیکن سلطان نے یہ فاصلہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا اور سولھویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا۔

اہل مدینہ اس کی اچانک آمد پر حیران تھے۔ سلطان نے مدینہ پہنچتے ہی شہر میں آنے جانے کے دروازے بند کروا دیے اور شہر بھر میں منادی کروا دی کہ آج تمام اہل مدینہ کے لیے سلطان کی طرف سے ضیافت کا اہتمام ہے۔ اس لیے تمام مرد حضرات اس شاہی ضیافت میں شریک ہوں اور کوئی مرد بھی گھر پر نہ رہے۔

شہر کے باہر ایک بہت بڑے میدان میں خیمے ایستادہ کر دیے گئے، ضیافت گاہ میں داخلہ کے لیے صرف ایک ہی دروازہ رکھا گیا۔ شام کے وقت جب لوگ آنے شروع ہوئے تو سلطان مدینہ کے چند امراء کے ساتھ مدعوئین کا استقبال کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ وہ ضیافت گاہ میں داخل ہونے والے ایک ایک چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ہزاروں لوگ وقت مقررہ تک پہنچ چکے تھے۔ بالآخر لوگوں کے لیے کھانا چن دیا گیا۔ لوگ کھانا کھانے لگے۔ لیکن سلطان زنگی ضیافت گاہ کے دروازے پر ہی کھڑا رہا۔

کھانا کھانے کے بعد اب لوگ باہر نکلنا شروع ہوئے۔ سلطان زنگی ہر چہرے کو تکتا رہا۔ لیکن جن چہروں کو اس نے خواب میں دیکھا تھا، وہ اسے نظر نہ آئے۔ بالآخر سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا:

''کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہو سکا ہو''

''اہل مدینہ میں سے ایسا کوئی شخص نہیں باقی رہا'' مدینہ کے اکابر نے بیک زبان کہا۔

''کیا تمھیں اس بات کا یقین ہے'' بادشاہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''سلطان معظم! ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے محلے کے افراد کو جانتا ہے اور ہمارا اندازہ غلط نہیں ہے۔ ہاں، البتہ دو خدا رسیدہ مغربی زائرین ہیں جو مدت سے یہاں مقیم ہیں، وہ دکھائی نہیں دیے'' مدینہ کے ایک سردار نے کہا۔

''سلطان معظم! یہ دونوں بزرگ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں'' ایک اور سردار بولا۔

''اگر کچھ وقت بچتا ہے تو جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس کے سوا کسی سے نہیں ملتے ملاتے۔ اسی وجہ سے وہ یہاں بھی حاضر نہیں ہوئے۔''

''ہم ان دونوں بزرگوں سے بھی ملنے کے خواہشمند ہیں۔ عمائدین شہر اپنے ساتھ چند سپاہیوں کو لے جائیں اور انھیں پورے احترام کے ساتھ یہاں لایا جائے۔'' یہ کہتے ہوئے سلطان نے اپنے ایک کمانڈر کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور آہستہ آواز سے کہا: ''تم چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں جاؤ گے اور اگر وہ دونوں آدمی آنے سے پس و پیش کریں تو تاحکم ثانی تم ان کی نگرانی کے لیے وہیں رہو گے۔''

چند گھڑیاں گزری تھیں کہ عمائدین شہر کے ہمراہ زاہدانہ لباس میں ملبوس وہ دونوں ہستیاں سلطان کے حضور پیش کر دی گئیں۔ سلطان نے ایک نظر ڈالتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی آدمی ہیں جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے۔ انھیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اٹھا۔ لیکن تحقیق حال ضروری تھی۔ کیونکہ وہ اپنی وضع قطع اور بود و باش سے مسلمان دکھائی دیتے تھے۔

''تم کہاں رہتے ہو؟'' سلطان نے ان کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

''ہم نے مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے'' ان میں سے بڑے نے بے نیازی کے ساتھ کہا۔

''لوگوں میں تمھاری بھلائی کے بڑے چرچے ہیں، ہمیں بھی خواہش ہوئی کہ تمھاری زیارت کریں۔ آج آپ لوگ ہمارے مہمان ہیں۔ اس وقت ہم ضروری کام سے کہیں جا رہے ہیں، صبح آپ سے ملاقات ہوگی۔'' یہ کہتے ہوئے سلطان زنگی نے اپنے کمانڈر کو اشارہ کیا کہ وہ انھیں اپنی نگرانی میں مہمان خانے لے جائے۔

دونوں آدمیوں کو کمانڈر کی نگرانی میں چھوڑ کر سلطان خود چند عمائدین شہر کے ہمراہ اس مکان پر جا پہنچا۔ یہ ایک چھوٹا سے مکان تھا جس میں نہایت مختصر سامان اس کے مکینوں کی

زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا۔

''بہت درویش انسان ہیں'' عمائدین شہر میں سے ایک نے کمرے کی حالت دیکھ کر کہا۔

''دنیا سے تو انھیں کوئی رغبت ہی نہیں، دن رات یا عبادت میں مشغول یا خدمت خلق میں مصروف دکھائی دیتے ہیں'' اہل شہران دونوں کی تعریف میں رطب اللّسان تھے اور بظاہر کوئی قابل اعتراض چیز وہاں نظر بھی نہیں آتی تھی۔ لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا۔

سلطان نے خود مکان کا فرش ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔ یکا یک سلطان کو ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ چٹائی ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سی سل دکھائی دی جو بڑی نفاست سے سطح زمین کے برابر جمی ہوئی تھی۔

''اس سل کو اٹھاؤ!'' سلطان نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

دو سپاہی آگے بڑھے اور انھوں نے سل کے ایک سرے کے نیچے ایک سلاخ دے کر اسے اوپر اٹھا لیا اور پھر اسے ایک طرف لڑھکا دیا۔ جونہی پتھر ہٹایا گیا نیچے ایک بڑا سا گڑھا نظر آیا جس میں ایک آدمی آسانی سے کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس سے آگے وہ ایک بل کی صورت میں آگے کو جاتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

''نیچے اترو اور دیکھو کہ یہ گڑھا کدھر جاتا ہے'' سلطان نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔ سپاہی نیچے اترا اور وہ اوپر کھڑے ہوئے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس آ گیا۔

''سلطان معظم! یہ تو کوئی لمبی سرنگ معلوم ہوتی ہے۔ اگر کسی قندیل کا انتظام ہو جائے تو میں اس کے آخری سرے تک جا سکتا ہوں'' سپاہی نے گڑھے میں کھڑے کھڑے سلطان سے درخواست کی۔

تھوڑی دیر میں شاہی خادم ایک روشن قندیل لے کر آ گیا۔

''اب تم اکیلے نہیں جاؤ گے میں خود بھی اس سرنگ کو دیکھنا چاہتا ہوں'' یہ کہہ کر سلطان زنگی خود بھی اس سرنگ میں اتر گیا۔ سپاہی قندیل لے کر اکڑوں بیٹھے بیٹھے آگے کو سرک رہا تھا، اس کے پیچھے سلطان زنگی اور اس کے پیچھے ایک کمانڈر پیروی کر رہا تھا۔ سلطان کچھ فاصلے تک آگے گیا۔ سرنگ بالکل سیدھے عین اسی طرف جا رہی تھی جدھر روضۂ رسول ﷺ واقع تھا۔ سلطان سارے معاملے کو سمجھ گیا۔

''واپس چلو'' سلطان نے کمانڈر کو مڑنے کا حکم دیا۔

''ان ملعونوں کو پابہ زنجیر کر کے ہمارے حضور پیش کیا جائے'' سرنگ سے باہر آتے ہی سلطان نے حکم دیا۔

تھوڑی دیر میں وہ دونوں آدمی پابہ زنجیر حالت میں سلطان کے سامنے کھڑے تھے۔

''سچ سچ بتاؤ تم کون لوگ ہو اور اس سرنگ سے تمھارا کیا مقصد تھا''۔ سلطان زنگی غضب ناک لہجے میں دھاڑا۔

''اے سلطان! ہم عیسائی ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے تمھارے پیغمبر کی میت چرانے پر مامور ہیں۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی ثواب کا کام نہیں۔ لیکن افسوس کہ عین اس وقت جب ہمارا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا، آپ نے ہمیں گرفتار کر لیا'' گرفتار ملعونوں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

''اس کام سے تم کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟'' سلطان نے حیرت سے پوچھا۔

''تمھارے نبی کی میت کو غائب کرنے سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے ایمان کو یہ کہہ کر متزلزل کریں کہ اگر تمھارے پیغمبر سچے ہیں تو ان کا جسم محفوظ کیوں نہیں ہے؟ اگر محفوظ ہے تو ہمیں دکھاؤ'' ایک ملعون نے کہا۔

سلطان کا پیانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ یکا یک سلطان کی تلوار فضا میں بلند ہوئی، چشم زدن میں دونوں ملعونوں کے سر ان کے تن سے جدا ہو چکے تھے۔ یہ کام انجام دیتے ہی سلطان پر رقت طاری ہوگئی۔ شدت گریہ سے اس کی گھگی بندھ گئی۔ وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں دیوانہ وار گھوم رہا تھا۔ اس کی زبان پر بس یہی کلمات تھے:

''زہے نصیب کہ اس خدمت کے لیے حضورؐ نے اس غلام کا انتخاب کیا۔''

جب ذرا اقرار آیا تو سلطان نے شاہی انجینئر کو طلب کیا۔

''کیوں نہ روضۂ نبوی ﷺ کے گردا گرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے'' سلطان نے شاہی مہندس (انجینئر) کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سلطان معظم! آپ کے حکم کی تعمیل میرے لیے عین سعادت ہے۔ شاہی مہندس (انجینئر) نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

چند ہی دنوں میں روضۂ اطہر ﷺ کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا۔ اس کے بعد سیسہ پگھلا کر اس میں بھر دیا گیا تاکہ زمانے کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ رہے۔ یہ سیسے کی دیوار روضہ اقدس کے گرد آج تک موجود ہے۔



سانحہ

مصر کے فاطمی خلیفہ عاضد کو ایک طرف اپنے وزیر اعظم شاور سے خدشات لاحق تھے تو دوسری طرف صلیبی افواج کی دھمکیاں موصول ہو رہی تھیں۔ اسکے دربار کے کئی امراء خفیہ طور پر صلیبیوں سے راہ ورسم بھی رکھتے تھے۔ ان حالات میں اس نے سلطان زنگی کو اپنی مدد کے لیے پکارا تھا۔ مسلمانوں کی طوائف الملوکی کے اس دور میں سلطان زنگی شام کا حکمران تھا۔

خلافتِ بغداد کی کمزوری کے باعث مصر کے شیعہ فاطمی خاندان نے الگ خلافت قائم کر لی تھی۔ اس وقت سے فاطمی خلافت اور عباسی خلافت آپس میں برسر پیکار تھے۔ سیاسی کشاکش نے شیعہ سنی اختلاف کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ ملت اسلامیہ کی اس تقسیم سے عیسائیوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیت المقدس اور فلسطین کو قبضے میں لے لیا۔

فاطمی خلیفہ عاضد نے جب سلطان زنگی سے صلیبیوں کے خلاف مدد طلب کی تو سلطان زنگی نے تمام تر سابقہ مذہبی تلخیوں اور اختلافات کے باوجود فاطمی خلافت کو عیسائی یلغار سے بچانے کے لیے اپنے نوجوان سالار صلاح الدین ایوبی کو مصر میں فوجی کمک کے ساتھ بھیجا۔ ایوبی نے اپنے حسن تدبیر سے نہ صرف مصر پر صلیبی حملے کو پسپا کر دیا بلکہ اس نے وزیر اعظم شاور کو بالکل بے اثر کر دیا اور بالآخر اس کی غدارنہ سرگرمیوں کی پاداش میں قتل کر دیا اور اپنے حسن انتظام سے رعایا کو امن وسکون مہیا کیا۔

سلطان زنگی کی خواہش تھی کہ مصر میں بھی خلافت بغداد کا خطبہ پڑھا جائے تا کہ دشمنانِ اسلام

کے مقابلے میں وحدتِ امت کا منظر پھر سے اُجاگر ہو۔ چنانچہ ایک مناسب وقت پر ۵۶۷ھ کے ایک لمحہ میں صلاح الدین ایوبی نے خلیفہ بغداد کا خطبہ جاری کر دیا اور مصری عوام نے بھی اس پر کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس طرح دوسوسالہ فاطمی شیعہ خلافت کے خاتمے کے بعد ملت اسلامیہ پھر سے ایک ہی خلافت کے ماتحت ہوگئی۔

صلاح الدین ایوبی مصر سے فتنوں اور شورشوں کی سرکوبی سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی ملک العادل شام سے مصر پہنچا اور انتہائی غمگین لہجے میں گویا ہوا:

''حکیموں اور طبیبوں نے اُمّ محترم کو لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ ان کی بس یہی خواہش ہے کہ وہ ایک بار آپ کو دیکھ لیں۔''

ایوبی نے امور سلطنت کا انتظام کرنے کے بعد عزمِ شام کیا اور والدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صلاح الدین کی آمد کے بعد اس کی والدہ کی طبیعت بڑی حد تک سنبھل گئی تھی لیکن کمزوری کے باعث وہ مصر کا طویل سفر کرنے کے قابل نہ تھی۔ جب کہ صلاح الدین کے لیے زیادہ دن تک مصر سے دور رہنا بھی خطرات سے خالی نہ تھا۔ ایک رات جب صلاح الدین ایوبی اپنی ماں کے پاس بیٹھا تھا، ماں نے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھا اور نحیف آواز میں گویا ہوئی:

''یوسف بیٹے! ایک ماں کی حیثیت سے میری خواہش ہے کہ تم میرے پاس رہو لیکن جب اُمت کی ماؤں کی طرف دیکھتی ہوں کہ تم جس محاذ پر ہو، اگر وہ کمزور ہو گیا تو نہ جانے کتنی ماؤں کی گودیں اجڑ جائیں گی اور کتنی سہاگنوں کے سہاگ لٹ جائیں گے، تو میرا ضمیر اس بوجھ کو نہیں سہار سکتا۔ تم اللہ پر بھروسہ کر کے مصر روانہ ہو جاؤ۔''

صبح صلاح الدین یوسف سلطان زنگی سے مزید ہدایات کے حصول کے لیے شام کے پایہ تخت دمشق کے لیے عازم سفر ہوا۔

سلطان زنگی کو جب ایوبی کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ قصرِ سلطانی کے صدر دروازے پر

صلاح الدین ایوبی کے استقبال کے لیے آیا۔ اسے اپنے ہمراہ لے کر تخت سلطانی پر اپنے برابر بٹھایا۔ زنگی دربار کے بڑے بڑے امراء کو سلطان زنگی کی طرف سے صلاح الدین ایوبی کی یہ پذیرائی بڑی ناگوار گزری۔

اگلے دن سلطان زنگی اپنے مہمان کو اپنے خصوصی کمرے میں لے گیا۔ کمرے میں انتہائی بیش قیمت ہیروں سے مرصع منبر رکھا ہوا تھا جس پر دمشق کے ماہر کاریگروں نے اپنی صناعی اور نقش نگاری کے کمالات دکھائے تھے۔

''صلاح الدین! منبر کی طرف دیکھو۔ اسے کسی بادشاہ کی سلطنت گیری کی ہوس اور عیش ونشاط کے سامان کی حیثیت سے نہیں، مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کی علامت سمجھ کر دیکھو! یہ میری آخری خواہش ہے کہ......'' یہ کہتے ہوئے سلطان زنگی کی آواز رُندھ گئی۔ کچھ دیر فضا پر سکوت طاری رہا اور پھر سلطان زنگی گلوگیر لہجے میں گویا ہوا:

''یہ میری آخری خواہش ہے کہ میں اپنی آنکھیں بند ہونے سے پہلے پہلے تو حید و رسالت کے نام لیواؤں کو بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوتے ہوئے دیکھوں اور پھر مسجد اقصیٰ میں اس منبر پر کھڑے ہو کر اہل ایمان کو خطاب کروں۔'' یہ کہتے ہوئے سلطان زنگی کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ سلطان زنگی کی یہ جذباتی کیفیت دیکھ کر صلاح الدین ایوبی کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔

''سلطان عادل! آپ مسلمانوں کے لیے سائبان ہیں، اللہ آپ کو اس مشن میں ضرور کامیابی عطا فرمائے گا'' صلاح الدین ایوبی نے کہا۔

''میرے کمانڈر! میں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوا لیکن مسلمانوں کے امراء و وزراء کے لچھن ایسے نہیں ہیں کہ وہ رحمت الٰہی کے مستحق بن سکیں۔ میرے دربار میں موجود امراء میں سے بھی بہت سے ایسے ہیں کہ انھیں تھوڑا سا موقع ملے تو وہ اپنی اپنی حکومت وسلطنت کے قیام کے لیے صلیبی دشمنوں سے بھی جا ملیں۔ حکمرانی کی ہوس نے انھیں ملّی غیرت سے تہی دامن کر

دیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے سلطان زنگی نے صلاح الدین ایوبی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ لیتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا:

"تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اگر میں اس کام کو انجام نہ دے سکا تو تم اس سے پیچھے نہیں ہٹو گے۔ بیت المقدس کی مظلوم و مجبور خواتینِ اسلام کو آزاد کروائے بغیر ہم پر آرام کرنا جائز نہیں ہے۔ تم ملّت اسلامیہ کی اس بوسیدہ عمارت کی تعمیر و مرمت سے غفلت نہیں برتو گے۔ ٹوٹے ہوئے بادبانوں کی اس کشتی کو اپنے زورِ بازو سے کنارے لگانے کی کوشش جاری رکھو گے۔ میری امیدیں اب تم سے وابستہ ہیں۔"

"سلطان معظم! خادم آپ کے اعتماد پر پورا اترنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا" صلاح الدین ایوبی نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

اگلی صبح دمشق شہر کی بیرونی فصیل تک سلطان زنگی اپنے مہمان کو رخصت کرنے گیا، اور جب تک صلاح الدین ایوبی کا فوجی دستہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا، سلطان زنگی وہیں کھڑا رہا۔ درباری امراء کو یہ بات بہت گراں گزر رہی تھی۔ بالآخر ایک امیر جو سلطان کا قریبی رشتہ دار تھا، بول اٹھا:

"ہم اس معمولی سپاہی کے بیٹے سے زیادہ آپ کی نظر التفات کے مستحق ہیں۔" سلطان زنگی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ سنبھل گیا اور پھر گویا ہوا:

"سلطنت نوریہ کے قیام واستحکام کے لیے ہم نے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے اور آئندہ بھی اپنا عیش و آرام قربان کرتے رہیں گے۔ ایک معمولی سپاہی کا بیٹا ہماری برابری کیسے کر سکتا ہے۔" یہ امیر سلطان زنگی سے اپنی قرابتداری کے نشے سے سرشار تھا۔ سلطان زنگی اپنی تحمل مزاجی کے باوجود برہم ہو گیا۔ اس نے انتہائی غضب آلود نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالیں اور کہا:

"چاہے وہ کسی معمولی سپاہی کا بیٹا ہو لیکن وہ ان خاندانی رئیسوں سے بہتر ہے جو محض

نفس پرستی اور خود نمائی کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ تم نے سلطنت نوریہ کے قیام میں مجھ سے تعاون کیا تو میں نے بھی تمھیں اس کا بہترین معاوضہ دیا ہے، جب کہ صلاح الدین کبھی مجھ سے کسی صلہ کا طلب گار نہ ہوا۔ مصری خزانے کے تمام نوادرات اس نے میری طرف بھیج دیے۔ باقی دولت محتاجوں اور مجاہدین میں تقسیم کر دی، تم اس کی برابری کیسے کر سکتے ہو؟''

سلطان عادل کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ کر تمام امراء خوف سے سہم کر رہ گئے۔



۵۶۹ھ کا سال سلطان نورالدین زنگی کے خیال میں بیت المقدس فتح کرنے کے لیے موزوں ترین وقت تھا۔ عیسائی ریاستیں زنگی کے لگائے ہوئے زخم چاٹ رہی تھیں اور ان میں سے کوئی بھی آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ زنگی نے اپنے زیر اثر ریاستوں کے امیروں اور رئیسوں کو راز درانہ خطوط لکھے:

''مجھے اپنی زندگی کی آخری اور سخت ترین مہم درپیش ہے۔ اور اس مہم میں کامیابی ملّت اسلامیہ کا وقار بلند کر دے گی۔ اس کے لیے بہت سے جنگی وسائل کی ضرورت ہے۔''

نورالدین زنگی صلیبیوں کے خلاف بڑے معرکے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ خبر آئی کہ دارالخلافہ بغداد کے ایک نواحی علاقے میں شدید زلزلہ آیا ہے جس سے چھ سات دیہات زمین بوس ہو گئے ہیں۔ سلطان زنگی اہل بغداد کی مصیبت میں خود شریک ہونے کے لیے بغداد پہنچ گیا اور لوگوں کی آبادکاری میں دن رات ایک کر دیا۔ اس کے اعصاب پر تباہ حال لوگوں کی فکر اس قدر سوار تھی کہ اس نے کھانے پینے کی پرواہ تک نہ کی کہ وہ کس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھا رہا ہے اور اسے کیا کھلایا جا رہا ہے۔



خلافت بغداد کی کمزوری کے دنوں میں عالم اسلام میں ایک بہت بڑی فتنہ پرور باطنی تحریک

برپا ہوئی جس کا بانی شیخ حسن بن صباح تھا۔اس نے ایک طرف جاہل عوام میں اسلام کا ایک نیا تصور دیا کہ قرآن وحدیث کے ہر لفظ کا ایک ظاہری مفہوم ہے اور دوسرا باطنی۔ اصل مقصود باطنی مفہوم ہے اور یہ باطنی مفہوم ایسا ہوتا تھا جس سے عوام کو عبادت سے خلاصی حاصل ہو جاتی تھی، حلال وحرام کے احکام کی پابندی کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ دوسری طرف ایرانی سرحدی دشوار گزار پہاڑی علاقے میں اس نے الموت نامی قلعہ پر اپنی فدائی جماعت کے ذریعہ قبضہ کیا اور وہاں پر اس نے ایک مصنوعی جنت بنائی۔

حسن بن صباح کی اس خفیہ تحریک کے داعی مختلف شہروں اور دیہات میں گھومتے رہتے اور حالات سے بیزار نوجوانوں کو اپنی گفتگو سے متاثر کرتے۔ آہستہ آہستہ خلافت اسلامیہ اور علمائے اسلام کے خلاف ان کی ذہن سازی کرتے۔ ان کی آپس کی ملاقات کے خصوصی کوڈ ورڈز تھے۔ جب نئے متاثر فرد کے بارے میں اطمینان ہو جاتا اور متاثرہ فرد کا شیخ سے ملنے کا اشتیاق بڑھ جاتا تو اسے حشیش پلا کر نیم غنودگی کے عالم میں قلعہ الموت کی جنت میں پہنچا دیتے۔ وہاں وہ ندی نالوں کے پرفضا مقام، پرندوں کی چہچہاہٹ، حُور وقصور کے طرب آشنا ماحول میں نشیلی کیفیت میں چند دن گزارتا اور اسے یہ یقین دلایا جاتا کہ جنت میں یہ اس کا عارضی قیام ہے، اگر وہ اس میں مستقل قیام چاہتا ہے تو اس جنت کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ حُور وقصور کی طلب کا وہ پیاسا اس بات کا عہد کرتا۔ حالتِ نشہ میں اسے پھر اس قلعہ سے نکال کر عام دنیا میں بھیج دیا جاتا۔

اب وہ باطنی تحریک کے دیے ہوئے ہدف کے حصول کے لیے بے چین ومضطرب ہوتا۔ باطنی تحریک کے داعی اسے کسی محل، کسی رئیس یا امیر کے ہاں ملازم کروا دیتے اور جب موقع ملتا وہ باطنی تحریک کے مقاصد کے خلاف موثر شخصیت کو پراسرار طریقے سے ٹھکانے لگا دیتا۔اس طرح انھوں نے عالم اسلام کی بڑی بڑی شخصیات کا قتل کیا۔ بہت سے امراء ان کے مقاصد کے لیے

خفیہ طور پر استعمال ہونے لگے۔ بہت سے مخلص لوگوں نے جان کے خوف سے چپ سادھ لی۔ سلطان نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے باڈی گارڈ دستے تک میں بھی یہ لوگ شامل ہو جاتے اور موقع ملنے پر حملہ کر دیتے لیکن قدرت نے جب تک چاہا، انھیں ان کے شر سے بچائے رکھا۔



ان دنوں جب سلطان زنگی بغداد کے تباہ شدہ علاقے کے عوام کی بحالی کے لیے دو مہینے تک بھاگ دوڑ میں مصروف رہا، اس کے کھانے پینے کے طور طریقے بے قاعدہ ہو گئے تھے۔ اس ہنگامی حالت میں کئی باطنی فدائی اس کی طعام گاہ میں دخیل ہو گئے تھے۔ ان فدائیوں نے نہایت خاموشی سے اسے کھانے میں تھوڑا تھوڑا کر کے ایسا زہر دینا شروع کر دیا جس کے ذائقے کی تلخی انسان کو محسوس نہ ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ زہر حلق کی ایسی سوزش کا سبب بنا جس کی تشخیص بڑے بڑے حکیم بھی نہ کر سکے۔

بیماری کے باعث سلطان زنگی دمشق آ گیا۔ شام، حلب اور دمشق کے مایہ ناز طبیبوں نے اپنے مجرب نسخے تجویز کیے۔ لیکن کوئی دوا بھی سلطان زنگی کے مرض خناق میں کارگر نہ ہوئی۔

۲۱ شوال ۵۶۹ھ کے دن سلطان زنگی کے خاص امراء جمع تھے۔ سلطان زنگی کی سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ اچانک سلطان دمشق کے ہونٹ کانپے جیسے وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ امراء نے اپنے کان زنگی کے ہونٹوں کے قریب کیے۔

''میرا آخری خواب۔''

اور پھر سلطان عادل کی بے نور آنکھوں نے چھت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ معتمد امراء کی آنکھیں نمدیدہ ہو گئیں۔ کچھ دیر کے لیے سلطان نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد پھر آنکھیں کھولیں اور ایک بار پھر ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ افسر خاص ہمام الدین نے جھک کر اپنے کان قریب کیے۔

''صلاح الدین کو اس کا وعدہ یاد دلا دینا'' یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور زیرلب کلمہ پڑھنا شروع کر دیا اور پھر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

دمشق میں کہرام کا سماں تھا۔ ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل غمزدہ تھا۔ اس مردِ مجاہد کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے ہزاروں لوگ میدانِ اَخضر میں جمع ہوئے اور پھر آہوں اور سسکیوں کے ساتھ سلطان کو مدرسہ نوریہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

سلطان زنگی نے اٹھاون سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے اٹھائیس سال تک ملک شام پر عدل اسلامی کے مطابق حکومت کی اور اپنے پورے دور میں ایک طرف صلیبیوں سے نبرد آزما رہا تو دوسری طرف ملک شام کے سرکش امراء کی بغاوتوں کو فرو کرنے میں لگا رہا۔

سلطان زنگی کی وفات کی خبر سے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی، جب کہ عیسائی دنیا کی مردہ رگوں میں پھر سے تازہ خون دوڑنے لگا۔ شہنشاہ جرمنی کانرڈ نے شاہ یروشلم کو مبارک باد کا خط لکھا اور نئی صلیبی جنگ برپا کرنے کے لیے اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

انگلستان کی ملکہ، جس نے سلطان زنگی کے ہاتھوں بدترین ہزیمت اٹھائی تھی، خبر سن کر جوش جذبات میں اپنے دس سالہ شہزادے رچرڈ کی پیشانی چومتے ہوئے کہا:

''بیٹے! میرے گناہوں کے کفارے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم جوان ہو کر مسلمانوں سے صلیبیوں کی شکست کا انتقام لو، تاکہ تمھاری ماں مرنے کے بعد خداوند یسوع کے دربار میں سُرخرو ہو سکے۔''

شہنشاہ فرانس لوئیس ہفتم جو اپنی شکست کے ابھی تک زخم چاٹ رہا تھا اور اس نے آئندہ کسی بھی صلیبی جنگ میں شرکت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی، اس نے اپنی قسم توڑتے ہوئے شاہ یروشلم کو تہنیتی خط لکھا:

''عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن موت کے گھاٹ اتر گیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے

ہوئے دشمن پر ایسی چڑھائی کرو کہ مسلمانوں کے مقدس شہر مکہ اور مدینہ پر صلیبی پرچم لہرانے لگے۔ میرے سارے وسائل اس جنگ کے لیے وقف ہیں۔''

سلطان زنگی کی وفات کے موقع کو غنیمت سمجھ کر صلیبی جنگجو مسلمانوں کے مقدس مقامات پر قبضے کی تیاریاں کر رہے تھے، جب کہ عیش وعشرت کے دلدادہ مسلمان امراء سلطان زنگی کی وفات سے کم خوش نہ تھے۔ ان میں سے بعض نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر رکھے تھے۔ سلطان زنگی کئی بار ان امراء کو ان کی حرکتوں پر شرمسار کر چکا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے عوام کو اگر اصل صورتحال معلوم ہوگئی تو وہ سب سلطان زنگی کے طرف دار بن جائیں گے۔

خلافت بغداد کی کمزوری کے باعث ہر علاقے میں بہت سی خودمختار ریاستیں قائم ہوگئی تھیں۔ بعض ریاستیں چھوٹی تھیں اور بعض ذرا وسیع...... دراصل یہ جاگیرداری ونوابی کا دور تھا۔ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران امراء کہلاتے تھے جو برائے نام بغداد کی خلافت کے ماتحت تھے۔ یہ نواب مسلمانوں پر حکمرانی کے قانونی جواز کے لیے خلیفہ سے سند حاصل کر لیتے اور خلیفہ کی طلب پر اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے خلافت کو مالی وفوجی مدد دے دیتے۔ لیکن یہ مدد کسی دینی وملّی جذبے کے تحت نہیں، محض ایک رسمی کارروائی پوری کرنے کے لیے ہوتی تھی۔

نورالدین زنگی شام کا طاقت ور امیر تھا جس نے دیگر امراء کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ صلیبی انھیں ایک ایک کر کے ہڑپ کر جائیں گے لیکن یہ امراء سمجھتے تھے کہ سلطان زنگی کا اسلامی وحدت کا نعرہ ان کی ریاستیں ہتھیانے کا ایک ڈھونگ ہے۔ نیز ان کا دل حریفانہ کشاکش سے بھی لرزتا تھا۔ عیش وطرب کی عادی ان طبیعتوں کے لیے صلیبیوں کے خلاف جہادی سرگرمیوں کا تصور ہی سُوہانِ رُوح تھا۔ قوم میں اخلاقی وروحانی بیداری کو وہ اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔

سلطان زنگی نے دینی جذبے کو بیدار کر کے اپنے سے دس گنا دشمن کو شکست دی تھی لیکن امراء کو یہ دینی جذبہ ایک نظر نہیں بھاتا تھا۔ اب ان کا خیال تھا کہ زنگی کے ساتھ ہی اس کا پیدا کردہ

جذبہ جہاد بھی دفن ہو جائے گا۔

سلطان زنگی نے اپنی ماتحت ریاستوں کے امراء کے لیے سخت احتسابی نظام لاگو کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے امراء کے لیے شراب اور رقص وسُرود کے قریب جانا اور لوٹ مار کے ذریعے ذاتی تجوریوں کو بھرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ امراء سلطان زنگی کے خلاف نفرت انگیز جذبات پالتے رہتے تھے:

''یہ بھی کیا زندگی ہے کہ اختیار و اقتدار کی موجودگی میں ہم عیش ونشاط کی چند سانس بھی نہ لے سکیں۔ محض خیالی جنت اور تصوراتی حُوروں کی اُمید پر رعایا کی خدمت کا خشک فریضہ ادا کرتے جائیں۔ ہم تو اسی زمین پر گوشت پوست کی زندہ حُوروں سے ہم آغوش رہنا چاہتے ہیں۔''



اُمید و بیم

امیر مصر صلاح الدین ایوبی بے چینی کے ساتھ دربار میں ٹہل رہے تھے۔ شام سے آنے والے قاصد نے امیر مصر کو سلطان زنگی کی وفات کی خبر کے ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ دمشق اور دیگر ریاستوں کے امراء نے سلطان زنگی کے گیارہ سالہ اکلوتے بیٹے الملک الصالح کو تخت نشین کر دیا ہے۔

''افسوس عالم اسلام کا ایک عظیم مجاہد ہمیں ایسے وقت میں تنہا چھوڑ گیا جب ہم اس کی رہنمائی اور مدد کے بہت زیادہ ضرورت مند تھے۔'' یہ کہتے ہوئے دل کا دکھ آنکھوں میں پانی بن کر اتر آیا۔ صلاح الدین ایوبی کے ایک سالار نے جب ان کی حالت غیر ہوتے دیکھی تو سہارا دے کر ان کی مسند پر بٹھایا۔ وہ اپنی مسند پر دیر تک بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ دربار پر گہرا سکوت چھایا رہا۔

''یہ غنیمت ہے کہ امرائے شام نے سلطان زنگی کے بیٹے کو سلطان کا جانشین بنایا ہے لیکن خاندان زنگی کے چند مخلص امراء کے سوا اکثریت ان سازشی اور طالع آزما نوابوں کی ہے جو ناسمجھ بچے کو اپنے گھٹیا اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیں گے۔'' کچھ دیر کے توقف کے بعد امیر مصر پھر گویا ہوئے:

''اس تاریکی میں امید کی کرن صرف سلطان کی بیوہ رضیع بنت معین الدین ہی رہ گئی ہیں جو ہمیشہ اپنے شوہر کے مشن میں ان کی ہمدرد و دم ساز رہی ہیں۔ ہم قاضی القضاۃ امام شرف الدین سے گزارش کریں گے کہ وہ مصر کی تمام مساجد کے خطیبوں کو خطبہ جمعہ میں الملک الصالح کے نام

کوشامل کرنے کا مراسلہ جاری کر دیں۔''

''تعمیل ارشاد ہوگی'' عمر رسیدہ مفتی مصر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں ملکہ رضیع خاتون سے تعزیت کے لیے جلد از جلد دمشق جانا چاہیے'' امیر مصر نے مشاورت طلب نگاہوں سے حاضرین دربار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے کسی نمائندہ کے ہاتھ ملک الصالح کے نام تعزیت نامہ بھیج دیں۔ بظاہر مصر کے حالات پُرسکون ہیں لیکن صلیبی کسی وقت بھی کوئی شورش برپا کر سکتے ہیں'' سالار عبداللہ قرشی نے رائے دی۔

''مصر کے حالات کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں یہاں سے کسی دوسری جگہ نہ جاؤں لیکن خاندان زنگی پر اچانک جو مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے، اس کا مداوا محض رسمی تعزیت نامے سے نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے کہ اہل شام میری اس غیر حاضری کو احسان فراموشی سے تعبیر کریں'' امیر مصر نے نمدیدہ آنکھوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

سلطان زنگی کی وفات کی خبر سننے کے چند دن بعد ہی صلیبیوں نے شام کے سرحدی علاقے بانیاس پر حملہ کر دیا۔ اس وقت شامی افواج کا سالار شمس الدین ابن مقدم تھا جو سلطان زنگی کے انتقال کے بعد خود حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے عیسائی سالار گرانٹ کو صلح کی پیش کش کی۔ جب دونوں لشکروں کے سالار اکٹھے ہوئے تو شمس الدین نے کہا:

''ہمارے تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، جیو اور جینے دو کے اصول میں ہی ہمارا اور آپ کا سکون و آرام مضمر ہے۔''

''اگر آپ دوستی چاہتے ہیں تو بانیاس کا علاقہ ہمیں سونپ دیں'' صلیبی نمائندے نے کہا۔

''سارا نہیں، آدھا جو آپ کی سرحد کے قریب ترین ہے'' شمس الدین نے فراخدلانہ پیش کش کی۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ سلطان زنگی کا سالار اتنا علاقہ اتنی جلدی دینے پر آمادہ ہے'' عیسائی سالار گرانٹ نے تحیّر آمیز لہجے میں کہا۔

''سلطان زنگی ایک مذہبی جنونی تھا۔ ہمیں ان کے خیالات سے شدید اختلاف تھا۔ اس وقت ہم سلطان کے قیدی تھے لیکن اب ہم اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں۔''

''یہ خیالات تمھارے ذاتی ہیں یا دیگر امراء بھی ایسی سوچ رکھتے ہیں؟'' گرانٹ نے انتہائی ہوشیاری سے اُسے کریدتے ہوئے کہا۔

''اس قید سے نکلنے کے لیے اور بھی لوگ تیار ہیں۔ ابھی وہ وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ فی الوقت میں اور میرا لشکر خوں ریزی نہیں پسند کرتا البتہ اس صلح کی ایک شرط ہوگی......'' شمش الدین نے اپنی چال آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیسی شرط؟'' صلیبی سالار نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''سلطان زنگی کے اکثر امراء آپ کے خلاف جنگ آزمائی سے گریز کریں گے لیکن ایک جنونی شخص ایسا ہے کہ جو آخری سانس تک مسلمانوں کو آپ کے مقابلے میں اکٹھا کر کے لانے کی کوشش کرے گا اور ہمارے عوام کو بھی ہمارے خلاف بھڑکا سکتا ہے اور وہ ہے امیر مصر صلاح الدین ایوبی'' شمش الدین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ صلاح الدین ایوبی کا نام سن کر گرانٹ کے چہرے پر ناگواری کا ایک تاثر ابھرا۔ ''صلاح الدین ایوبی کو ہماری یہ صلح بہت گراں گزرے گی۔ اگر وہ مجھے غدارِ ملت قرار دے کر مجھ پر حملہ کرتا ہے تو؟'' شمش الدین نے سوالیہ نظریں گرانٹ کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''ایسی صورت میں ساری مسیحی دنیا کی فوجیں تمھاری پشت پر ہوں گی'' عیسائی سالار گرانٹ نے پر جوش لہجے میں ابن مقدم کو یقین دلایا۔

دونوں کے درمیان تحریری صلح نامہ طے ہو گیا۔ زبانی معاہدہ یہ بھی طے ہوا کہ صلیبی فوج

شمش الدین ابن مقدم کو شام اور دمشق کا حکمران بنانے میں تعاون کرے گی اور جواب میں ابن مقدم اسلامی دنیا میں صلیبیوں کے بڑے بڑے دشمنوں کی جاسوسی میں ان کے ساتھ تعاون کرے گا۔



صلاح الدین ایوبی تعزیت کے لیے دمشق جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کے جاسوسوں نے اسے معاہدہ بانیاس کی اطلاع دی۔ یہ خبر سن کر وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اس معاہدہ کے باعث عیسائی افواج شامی سرحد کی طرف سے مطمئن ہو کر مصری سرحد پر اپنا دباؤ کسی وقت بھی بڑھا سکتی تھیں۔ تمام اسلامی ریاستوں اور صلیبیوں کے درمیان جھگڑا تو ایک ہی تھا لیکن دوسری ریاستوں کو اس معاہدے میں شامل نہیں کیا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ شام اور مصر الگ الگ ہیں۔ ہر کوئی اپنے مفادات کا تحفظ الگ الگ کرے گا۔ یہی تو صلیبی چاہتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو اس کی زندگی کا سب سے مشکل مرحلہ درپیش تھا کہ وہ اس تلوار کو جو اس نے صلیبیوں کے خلاف اٹھائی تھی، اسے کیسے مسلمانوں کے خون سے آلودہ کرے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد بالآخر اِتمامِ حُجت کے لیے اس نے اپنے چھوٹے بھائی ملک العادل کو ایک طویل خط کے ہمراہ شمش الدین ابن مقدم کی طرف روانہ کیا۔

صلاح الدین ایوبی کا خط شمش الدین ابن مقدم کے دربار میں پڑھا گیا۔ امیر مصر نے خط میں معاہدہ بانیاس کو غلط قرار دیا تھا جس سے مسلمانوں کی شکست ظاہر ہوتی تھی اور اس معاہدے کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

ابن مقدم نے یہ خط اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کچھ دیر اسے غور سے دیکھتا رہا۔ دربار پر ایک گہرا سکوت طاری تھا۔ ملک العادل خاموشی سے اس صورت حال کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اچانک شمش الدین ابن مقدم کی آواز گونجی:

''ایک معمولی سپاہی زادے کی یہ مجال کہ وہ ہم خاندانی امراء کو ملک و ملت کا مفاد سمجھائے۔ جواب ہمیشہ برابر والے کی بات کا دیا جاتا ہے۔ اس ہذیان کا میرے پاس یہی جواب ہے......'' یہ کہتے ہوئے اس نے خط کے کئی ٹکڑے کر دیے۔ ابن مقدم کی اس حرکت پر بیک وقت کئی امراء کے قہقہے بلند ہوئے۔ ان میں سے سب سے بلند قہقہہ امیر احسام الدین حسین کا تھا جو شام کی ایک ریاست کا امیر اور ابن مقدم کی سازشوں میں اس کا خاص معاون تھا۔ باقی درباری نہ صرف خاموش تھے بلکہ ان کے چہروں پر ناگواری کا تاثر جھلک رہا تھا۔ جن امراء نے ایوبی کے استقبال کے لیے سلطان زنگی کو فرط محبت میں کھڑے ہوتے دیکھا تھا، آج اس شخص کے خط کے ٹکڑے سر دربار بکھرے پڑے تھے۔ اس تاثر کو زائل کرنے کے لیے ابن مقدم نے کہا:

''صلاح الدین سے کہہ دینا کہ اسے ملّت اسلامیہ کے اتحاد سے کوئی دل چسپی نہیں ...... وہ اس بہانے صرف اپنے آقا کی سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے مگر ہم جیسے وفا دارانِ سلطنت کے جیتے جی اس کا یہ خواب پورا نہ ہوگا۔''

شمش الدین نے دربار برخواست کرنے کا اشارہ کیا اور امیر احسام الدین حسین کو خلوت کے لیے روک لیا۔

''ملک الصالح کے دربار کے کیا حالات ہیں؟'' ابن مقدم نے پوچھا۔

''ہمارے افراد وہاں پوری احتیاط سے سرگرم ہیں۔ البتہ بیوہ رضیع خاتون نے سلطان زنگی کے معتمد خاص مجد الدین ابن دایہ کو اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر کیا ہے، اسے کسی قیمت پر خریدا نہیں جاسکتا......''

''ایک معمولی اتالیق کی قیمت لگانے کی ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے'' ابن مقدم نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

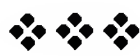
''عالی جاہ! بہت زیادہ! اگر یہ اتالیق جوفنِ سپہ گری میں ہی نہیں سیاسی رموز میں بھی مہارت رکھتا ہے، ملک الصالح کے ساتھ چند سال بھی رہ گیا اور کم عمر سلطان جوان ہو گیا تو انتظامی امور پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی چلے جائے گی اور پھر ہماری خواہش اقتدار بارآور ہونے سے پہلے ہی دم توڑ جائے گی'' امیر حسام الدین نے کہا۔

''اگر وہ خریدا نہیں جا سکتا تو ایسی رکاوٹ کو راستے سے ہٹا کیوں نہیں دیتے'' ابن مقدم نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

''عالی جاہ! یہ رکاوٹ بھی ہٹا دی جائے گی۔ مناسب آدمی کی تلاش جاری ہے۔''

''صلاح الدین کا علاج میں نے کر دیا ہے، صلیبی اس سے خود ہی نپٹ لیں گے۔ ابن دایہ کا علاج تمھارے ذمے ہے اور ہاں، ملک صالح اور اس کی ماں کو کسی طرح صلاح الدین ایوبی کے قریب نہ ہونے دینا۔''

''عالی جاہ! ایسا ہی ہوگا'' دونوں نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مارا۔



سلطان زنگی کے امراء میں صلاح الدین ایوبی سب سے موثر اور بااعتماد امیر تھا اور اسی وجہ سے یہ شام کے خودغرض امراء کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہا تھا۔ ان لوگوں نے سلطان مرحوم کی تدفین کے چند دن بعد ہی ملکہ رضیع خاتون کے کان بھرنا شروع کر دیے:

''سلطان مرحوم نے جس غلام کو سب سے زیادہ نوازا، ابھی تک وہ آقا کے سوگ میں شرکت تک کرنے نہیں آیا'' ایک امیر نے آہستہ سے ملکہ سے ہمدردی جتانے کے انداز میں کہا۔

''اگر وہ خاندان زنگی کا وفادار ہوتا تو اب تک وہ سلطان ملک الصالح کی دست بوسی کر کے بیعت کر چکا ہوتا'' ایک دوسرے امیر نے مزید بدگمانی کا اظہار کیا۔

''امیر مصر خاندان زنگی کے خلاف سرکشی بھی کر سکتا ہے، یہ رائے قائم کرنے میں ہمیں جلد

بازی سے کام نہیں لینا چاہیے'' ملکہ رضیع خاتون ٹھہرے لہجے میں بات کر رہی تھی۔ ''ممکن ہے امیر مصر کو خبر تاخیر سے پہنچی ہو، یا وہ کسی سرحدی مہم میں مصروف ہو۔''

خوشامدی اور مفاد پرست امراء کی یہ خواہش کہ وہ ایک سیدھی سادھی خاتون کو آسانی سے شیشے میں اتار لیں گے، اس میں انھیں کامیابی نہ ملی۔ تاہم ان کے سازشی ذہن امیر مصر کے خلاف نئی سازش کا تانا بانا بُننے میں مصروف تھے۔



مجد الدین کی محل سرا کے دو کمروں میں خون ہی خون جما ہوا تھا۔ ایک کمرے میں مجد الدین اور اس کی اہلیہ کی خون آلود لاش پڑی تھی، دوسرے کمرے میں اس کے دو جواں سال بیٹوں کی میتیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انھیں بڑی بے دردی سے ذبح کیا گیا ہے۔ گھر کے چوکیدار اور ملازم اس سارے واقعے سے بے خبر دکھائی دیتے تھے۔ کھوج لگانے والوں کا قیاس تھا کہ محل کے پچھواڑے سے پانچ افراد کمند لگا کر اندر داخل ہوئے ہیں۔

جب سے مجد الدین کو ملک الصالح کا نگران اور اتالیق مقرر کیا گیا تھا، وہ دن کے وقت ملک الصالح کو جنگی تربیت دیتا اور شام کو اسے کامیاب حکمرانی کے گُر سکھاتا۔ وہ خاندان زنگی کا مخلص وفادار تھا۔

مجد الدین ابن دایہ، اس کی بیوی اور جوان بیٹوں کو اس وقت قتل کیا گیا جب پورا گھرانہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس اجتماعی قتل سے پورے دمشق اور شام میں دہشت پھیل گئی۔ حکومتی کارندوں نے قتل کی تحقیقات شروع کیں لیکن یہ ایک ایسا پُراسرار قتل تھا جس کے قاتلوں کا سراغ لگانے میں وہ کامیاب نہ ہوئے۔



دمشق کے قلعہ کے نائب قلعہ دار گمشتگین نے سلطان زنگی کے انتقال کے بعد چالیس دن تک

اپنے حکمران کی موت کا سوگ اس طرح منایا کہ وہ ہر وقت ماتمی انداز میں گریہ وزاری کرتا۔ جب موقع ملتا بیوہ رضیع خاتون کی خدمت میں حاضر ہوتا اور چیخ چیخ کر پکارتا:

''ہمارے سر سلطان کے سایۂ رحمت سے محروم ہو گئے......''

''عدل وانصاف کا سورج غروب ہو گیا۔ روئے زمین پر تاریکی چھا گئی......''

''ہائے میرے سلطان، ہائے میرے آقا......''

گمشتگین دوسرے امراء کی کمزوریوں پر نظر رکھتا تھا۔ پھر انھی باتوں کو اپنی وفاداری کے ثبوت کے طور پر مادرِ سلطان رضیع خاتون تک پہنچاتا۔ رضیع خاتون ایک صاف دل اور سچی خاتون تھیں۔ وہ اس کی دی ہوئی معلومات کی قدر کرتے ہوئے اسے خاندان زنگی کا ہمدرد سمجھنے لگیں۔

مجد الدین کے قتل کے بعد رضیع خاتون ملک الصالح کی تربیت کے بارے میں فکرمند رہتی تھیں کہ گمشتگین نے ملک الصالح کی تربیتی خدمات کے لیے خود کو پیش کر دیا۔ رضیع خاتون نے اسے نوعمر سلطان کا نگران بنا دیا۔

پہلی بار جب وہ سلطان ملک الصالح کی خلوت گاہ میں داخل ہوا تو وہ نوعمر حکمران کے حضور سجدہ میں گر گیا۔ ملک الصالح نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا:

''بابا محترم فرمایا کرتے تھے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا حرام ہے، آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔''

''سلطان ذیشان! یہ وہ سجدہ نہیں جو ایک مسلمان اپنے رب کو کرتا ہے۔ یہ سجدہ تعظیمی ہے۔ میں سلطان عادل کا نمک خوار ہوں۔ یہ میری وفاداری کا ثبوت ہے۔ یہ میرے دلی جذبات عقیدت کا اظہار ہے......'' گمشتگین نے اپنے سجدے کا جواز تراشتے ہوئے کہا۔ الملک الصالح کے معصوم ذہن نے اس بات کو قبول کر لیا۔



''سلطان معظم آپ ابھی تک سوئے نہیں'' گمشتگین نے انتہائی ہمدردانہ لہجے میں ایک رات نوعمر حکمران سے پوچھا۔

''بس آج ہمیں بابا جان بہت یاد آ رہے ہیں۔ بار باران کا چہرہ نظروں کے سامنے ابھر آتا ہے''۔

'لیکن حضور بے آرامی اور بے خوابی تو آپ کی صحت کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ آنکھ لگ جائے تو اس صدمہ کا بوجھ اتر جائے۔'' یہ کہہ کر وہ سلطان کے کمرہ سے نکل گیا پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو وہ مشروب سے لبریز ایک بلوریں جام تھامے ہوئے تھا۔

''آپ اسے نوش فرمالیں، اس میں آپ کی تسکین اور نیند کا اہتمام ہے۔''

''یہ تو شراب دکھائی دیتی ہے'' ملک الصالح نے چونکتے ہوئے کہا۔

''سلطان معظم! آپ تو مجھ سے زیادہ باعلم ہیں کہ قرآن نے کہا ہے کہ حالت اضطرار میں تم مردار بھی کھا سکتے ہو۔ سلطان عادل کی وفات کا غم آپ کے دل میں آج تازہ ہوا ہے، اس اذیت وغم کے مداوا کے لیے آپ یہ شراب نہیں، دوا استعمال کر رہے ہیں، اور جب آپ کی یہ کیفیت زائل ہو جائے تو آپ اسے ترک کر دیجیے گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے التجا بھری نظروں سے جام ملک الصالح کی طرف بڑھا دیا۔ نوعمر سلطان نے حیرت کے ساتھ اس کی بات سنی اور جام پکڑ لیا لیکن وہ اسے پیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''لوگ کچھ بھی کہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ بادشاہوں کو قومی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے جن پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے ان میں شراب ہی تو ان کے غم غلط کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔'' گمشتگین نے بڑے دانشورانہ انداز میں ٹھہر ٹھہر کر کہنا شروع کیا۔ ''ویسے بھی شراب اور رقص بادشاہوں کی شان ہے۔ اگر حکمران ان چیزوں کو استعمال نہ کرے تو بادشاہ اور عوام میں فرق کیا رہے گا۔ اصل بادشاہ وہی ہے جو شاہانہ روش اختیار کرے تاکہ عوام پر رعب وجلال قائم رہے۔''

اس قسم کے دلائل سے معصوم ذہن اپنے مشیر کے فریب میں آچکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب ملک الصالح نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا، گمشتگین کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ وہ شاہین بچے کو زیرِ دام لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ گاہے بگاہے اسی طرح اس نے ملک الصالح کو شراب کا طلب گار بنا دیا، البتہ راز داری کا خصوصی خیال رکھا۔



''سلطان مرحوم و مغفور نے صلاح الدین ایوبی پر کتنے ہی احسان کیے۔ کہاں ایک معمولی سپاہی کا بیٹا اور کہاں مصر کی امارت...... لیکن نیچ فطرت تو نیچ فطرت ہی رہتا ہے۔''

''تمھیں پتہ ہے گمشتگین کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ملک الصالح نے بڑی حیرت اور ناگواری سے گمشتگین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''حضور مجھے معلوم تھا کہ یہ بات آپ کو ناگوار گزرے گی۔ لیکن غلام اپنے آقا کو وہ بات ضرور کہے گا جسے وہ اپنے آقا کے حق میں درست سمجھتا ہے۔ چاہے اس کی گردن اس کے تن سے الگ کر دی جائے۔'' اس نے کچھ دیر توقف کر کے ملک الصالح کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا اور پھر گویا ہوا: ''سلطان مرحوم ایک مخلص انسان تھے اور دوسروں پر اعتماد کرنے والے تھے۔ ملکہ رضیع خاتون بھی صلاح الدین پر بہت اعتماد کرتی ہیں لیکن جب سلطان مرحوم کی وفات پر دشمنوں کی آنکھیں بھی اشکبار ہوئی تھیں تو اس وقت صلاح الدین چند جھوٹے الفاظ تحریر کر کے تعزیت کی رسم پوری کر رہا تھا۔ جس سلطان نے اسے فقیر سے بادشاہ بنایا کیا وہ اس کے اہل خانہ کے غم میں شرکت کے لیے دو دن نہیں نکال سکتا تھا؟'' گمشتگین نے اپنی بات دانستہ ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''انھوں نے اپنی مجبوری تحریر کر دی تھی۔ بانیاس کی صورت حال نے انھیں الجھا رکھا تھا'' سلطان نے صلاح الدین ایوبی کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

''سلطان ذیشان! یہ مجبوری نہیں! ایک سیاسی چال ہے۔ آپ سے دور رہ کر وہ تمام ریاستوں کو اپنے ماتحت لانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے'' گمشتگین نے نوعمر سلطان کو ایوبی کے خلاف بھڑکاتے ہوئے کہا۔ ''آپ بہت جلد دیکھیں گے کہ والئی موصل سیف الدین کی طرح صلاح الدین بھی اپنی خودمختاری کا اعلان کر دے گا۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو سلطان معظم کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے اس غلام کا منہ کالا کر کے سارے شہر میں گشت کروائیں۔''

فکر و پریشانی کی پرچھائیاں ملک الصالح کے چہرے پر نمایاں نظر آنے لگی تھیں۔ گمشتگین ان دونوں کے درمیان شک اور بدگمانی کا جو بیج بونا چاہتا تھا، اس نے بڑی مکاری کے ساتھ بو دیا تھا۔



آدھی رات بیت چکی تھی جب رضیع خاتون کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔ ملک الصالح سے ایک سال چھوٹی اس کی ہمشیرہ شمس النساماں کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی، اٹھ بیٹھی۔ وہ ماں کی حالت بتانے کے لیے مردانہ حصے میں بھائی کے کمرے کی طرف لپکی۔ جب وہ کمرے کے قریب پہنچی تو دروازے پر ایک مسلح محافظ کھڑا ہوا تھا۔ جیسے ہی شمس النسا اندر داخل ہونے کے لیے آگے بڑھی محافظ نے اُسے ٹوکا:

''اس وقت سلطان آرام کر رہے ہیں۔ حکم ہے کہ کوئی شخص ان کے سکون میں دخل انداز نہ ہو۔'' مسلح محافظ گمشتگین کا کارندہ تھا اور نہیں جانتا تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

''تمھیں پتہ نہیں کہ میں کون ہوں؟'' شمس النسا نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

''آپ کوئی بھی ہیں، مگر مجھے سلطان معظم کا یہی حکم ہے کہ اس وقت ان کے کمرے میں کسی کو داخل نہ ہونے دوں'' مسلح محافظ نے اپنی ذمہ داری جتاتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

محافظ کے تحقیر آمیز لہجے نے ننھی شہزادی کو برہم کر دیا۔ وہ بچپن سے ہی باپ کی لاڈلی تھی اور اسے اپنے باپ سے ملنے میں کسی بھی رکاٹ کا کبھی سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ آج اسے ایک ڈیڑھ

سال بڑے بھائی سے ملنے سے روکا جا رہا تھا، یہ سب اس کے لیے بالکل انہونی سی بات تھی۔

"تمھیں معلوم نہیں کہ میں سلطان معظم کی بہن ہوں اور سلطان معظم کو اگر یہ پتہ چل گیا کہ تم نے اس کی بہن کو ملنے سے روکا ہوا ہے تو پھر تمھیں اندازہ بھی ہے کہ تمھاری کیا درگت بنتی ہے؟" شمس النسا نے سخت لہجے میں کہا۔

یہ سن کر محافظ گھبرا گیا، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ شمس النساء تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ بھائی سویا ہوا ہوگا اور اسے اٹھانے میں اسے دیر لگے گی لیکن اس کے سامنے جو منظر تھا وہ اسے دیکھ کر پریشان سی ہوگئی۔ اس کا بھائی اپنے بستر پر شراب سے لبریز جام تھامے بیٹھا تھا اور اس کا مشیر خصوصی گمشتگین نیچے قالین پر غلامانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔

ننھی شہزادی کو اچانک کمرے میں دیکھ کر گمشتگین بدحواسی کے عالم میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ ملک الصالح نے اپنی بہن کے سامنے جام کو منہ تو نہ لگایا لیکن ناگواری کے ساتھ گویا ہوا:

"شمسی! تمھیں اس وقت یہاں نہیں آنا چاہیے تھا" ملک الصالح کی آواز نشے سے بوجھل ہو رہی تھی۔

شمس النسا کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا کہ اس کا بھائی جو اس سے انتہائی محبت کیا کرتا تھا اور وہ بھی اس کا دم بھرتی تھی، آج اس کے ساتھ ایک عجیب انداز میں بات کر رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے بھائی کے جام میں کیا ہے لیکن اس کے بھائی کا مخمور لہجے میں بات کرنا، یہ سب اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے باپ کو کبھی بھی ایسی کیفیت میں نہ دیکھا تھا۔ اس کی تو آدھی رات کے بعد جب بھی آنکھ کھلتی تھی تو اکثر اسے اپنے سجدہ ریز باپ کی آہیں اور سسکیاں سنائی دیا کرتی تھیں۔ شمس النساء اس صدمے کے باعث سکتے کی کیفیت میں تھی۔ وہ خود کو شرمندہ شرمندہ سی محسوس کر رہی تھی۔

"ہاں، مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا!" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

اس صدمے کے باعث وہ یہ بھول ہی گئی کہ وہ کس کام کے لیے یہاں آئی تھی۔ اس نے نفرت بھری نظروں سے گمشتگین کی طرف دیکھا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

شمس النساء کے جانے کے بعد گمشتگین نے جسم پر مصنوعی لرزہ طاری کرتے ہوئے ملک الصالح کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور گھگھیائے ہوئے انداز میں کہا:

"سلطان معظم! آپ نے شہزادی محترمہ کے تیور دیکھ لیے ہیں۔ میں اب کیسے زندہ رہ سکتا ہوں۔ وہ بڑی ملکہ محترمہ سے اس کا ذکر کرے گی۔ آپ کے رحم و کرم کے سوا میرے پاس اور کوئی سہارا نہیں ہے۔" گمشتگین کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔ نوعمر سلطان نے بڑے اطمینان سے شراب کا ایک جرعہ لیا اور بے نیازانہ انداز میں گویا ہوا:

"شمس النسا اور والدہ کا احترام ملحوظ رکھنا مجھ پر لازم ہے لیکن امورِ سلطنت کا ذمہ دار میں ہوں۔ اس میں کسی قسم کی مداخلت میں گوارا نہیں کر سکتا۔" اس کے لفظ لفظ سے شاہانہ طمطراق جھلک رہا تھا۔ گمشتگین کے لیے یہ الفاظ باعث تسکین تھے کہ اس کا منصوبہ تیزی کے ساتھ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شمس النسا نے گھر پر موجود دوا ماں کو دی۔ اس کے اثر سے ماں تو گہری نیند سو گئی لیکن وہ خود شدتِ کرب سے دیر تک نہ سو سکی اور رات بھر سرہانے کو گرم آنسوؤں سے بھگوتی رہی۔ صبح جب اس کی ماں نے اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں اور اصرار سے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے تو اس نے رات کا واقعہ ماں سے بیان کیا۔ یہ بات سن کر ملکہ رضیع خاتون بھی مضطرب و پریشان ہو گئی۔



صورت حال کی سنگینی کو واضح کرنے کے لیے صلاح الدین ایوبی نے اپنے دو ایلچی دمشق، حلب، موصل اور دیگر ریاستوں کے امراء کی طرف بھیجے۔ اس نے انھیں صلیبی خطرے سے آگاہ

کیا اورانھیں متحدہ فیصلے اور اقدام کرنے کی تلقین کی تھی۔ سب سے پہلے وہ دمشق میں سلطان الملک الصالح کے دربار میں حاضر ہوئے اور امیر مصر کا مکتوب پیش کیا۔نوعمر سلطان نے وہ خط ان امراء کے حوالے کر دیا جو اس کے قریب تھے۔ انھوں نے امیر مصر کا پیغام پڑھا، کچھ دیر انھوں نے آپس میں سرگوشی کی اور پھر ان میں سے ایک خلیفہ سے مخاطب ہوا:

''سلطان معظم! صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف جنگ کے بہانے تمام مسلمان ریاستوں کو ڈرا کر درحقیقت ان سب کا حکمران بننا چاہتا ہے۔''

''عالی جاہ! آپ اسے حکم دے سکتے ہیں کہ جنگ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ صرف سلطان کر سکتا ہے'' ایک دوسرے امیر نے کمسن سلطان کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔

''اگر صلاح الدین ایوبی حکم عدولی کرے تو آپ اسے معزول کر کے واپس بلا سکتے ہیں۔ اور مصر کی امارت کسی اور کو سونپی جا سکتی ہے'' ایک اور امیر نے لقمہ دیا۔

''صلاح الدین ایوبی کی فوج میں زنگی مرحوم کے بھیجے ہوئے کئی دستے ہیں'' ایک اور امیر نے مصرعہ طرح دیا۔'' اسے حکم بھیجا جائے کہ وہ دستے واپس دمشق بھیج دیے جائیں۔ اسے اپنی مرضی سے فوج استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔''

''صلاح الدین ایوبی سے کہو وہ ہمارے حکم کا انتظار کرے'' کمسن سلطان نے ایلچیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔'' یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ اسلامی وحدت کیسے اور کس نے قائم کرنی ہے، اور امیر مصر کے پاس بابا مرحوم کے بھیجے ہوئے جو دستے موجود ہیں، وہ واپس بھجوا دے۔''

''اور ایوبی سے کہنا کہ آئندہ سلطان ذیشان کو اس قسم کے پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کرے'' جاتے ہوئے ایلچیوں کو ایک اور امیر نے کہا۔

دوسری ریاستوں کے امراء نے بھی امیر مصر کے پیغام کو حقارت سے مسترد کر دیا اور اس کی دعوتِ اتحاد کو مسلمان ریاستوں پر قبضے کی ایک چال قرار دیا۔



فیصلہ

سلطان ملک الصالح کے محل کی تزئین و آرایش کی جا رہی تھی۔ محل سرا کے پردے تبدیل کیے جا رہے تھے۔ سلطان زنگی مرحوم کے تخت کو اس کی جگہ سے اٹھا کر وہاں ہیرے جواہرات سے مرصع ایک نیا بیش قیمت تخت رکھا جا رہا تھا کہ ملکہ رضیع خاتون وہاں آ گئیں اور گویا ہوئیں:

''سلطان مرحوم کے تخت کو یہاں سے کیوں اٹھوایا جا رہا ہے؟''

''یہ بھی کوئی بادشاہوں کے بیٹھنے کی نشست ہے'' ملک الصالح نے زنگی مرحوم کے سادہ تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

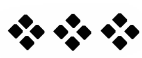
''تمھارے والد محترم بادشاہ نہیں، مسلمانوں کے امیر تھے۔ بندگان خدا کے حقوق کے نگران و محافظ۔ لوگ انھیں عقیدت و احترام سے سلطان عادل کہتے تھے'' رضیع خاتون برہم لہجے میں بول رہی تھیں۔ ''اس تخت کی لکڑی اور آرائش و زیبائش یقیناً اس نئے تخت سے زیادہ نہ تھی لیکن اس تخت کی قدر و قیمت اس پر بیٹھنے والے کی وجہ سے بہت زیادہ تھی۔ اس تخت پر ایک پاکباز انسان بیٹھا کرتا تھا جس کے روحانی اثرات اس میں جذب ہو گئے ہیں۔ اس تخت کو حقیر سمجھنے والا سلطان عادل کے فیض روحانی سے محروم نہ ہو جائے۔'' کچھ دیر کے توقف کے بعد رضیع خاتون دوبارہ گویا ہوئی: ''تم اس باپ کے بیٹے ہو جس کے کردار کی پاکیزگی کی قسمیں دشمن بھی کھاتے تھے......''

''اماں جی دیکھیے ! بابا جان کا اپنا طریقہ تھا'' ملک الصالح نے ماں کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''یہ ضروری نہیں کہ میں اسی طریقے کا پابند رہوں، ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں اچھی حکمرانی کے لیے جو طریقے میں مناسب سمجھوں گا، انھیں اختیار کروں گا۔'' بیٹے کی یہ بے باکی دیکھ کر ملکہ رضیع خاتون سمجھ گئی کہ اس کے بیٹے کے اندر اس کا بیٹا نہیں، اس کا مشیر خصوصی بول رہا ہے۔ اس کے بیٹے کی ابھی یہ ذہنی سطح نہیں، اسے محض جذبات کی لہروں پر سوار کر دیا گیا ہے۔

''صالح بیٹے! تم اپنے مشیروں کی ہر بات پر بھروسہ نہ کرو، ورنہ یہ تمھیں سنبھلنے کا موقع نہ دیں گے'' رضیع خاتون نے بڑی دل سوزی سے کہا۔ لیکن یہ بات بھی ملک الصالح کو ناگوار گزری۔

''امورِ حکمرانی عورتوں کے مشوروں سے نہیں چلائے جاتے'' ملک الصالح نے برہم لہجے میں کہا اور یہ کہہ کر وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ تفکرات کی لہروں میں غوطہ زن ماں کو جس تنکے کا سہارا تھا وہ بھی اس کے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا تھا۔



قاضی دمشق تقی الدین رات کے وقت سرکاری دعوت میں شریک تھے۔ گمشتگین کے اشارے پر ایک افسر قاضی دمشق کے پاس آیا اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک رکابی قاضی تقی الدین کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑی اپنائیت کے ساتھ کہا:

حضور! یہ خاص پکوان اپنے ذائقے میں لاجواب ہے۔ یہ تناول فرما کر دیکھیے حلب کے بڑے معروف باورچی نے بنایا ہے۔''

قاضی تقی الدین نے حسب خواہش چند نوالے اس میں سے کھائے۔ ابھی کھانا کھا کر دستر خوان سے اٹھے ہی تھے کہ چکرا کر گر پڑے اور خون کی قے آنے لگی اور چند لمحوں بعد ہی ان کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔

گمشتگین کے حکم سے قاضی تقی الدین کے منہ کا خون صاف کر کے میت ان کے گھر بھیج دی گئی۔ ان کے گھر والوں کو یہی بتایا گیا کہ چکرا کر فرش پر گرنے سے ان کی اچانک موت واقع ہوئی ہے۔ ان کی تدفین کے بعد غسّال نے ان کے عزیزوں کو بتایا کہ ان کے ہونٹوں پر خون کے ہلکے ہلکے نشان موجود تھے۔

تقی الدین سلطان زنگی کے نامزد کردہ قاضی تھے۔ اپنے بے لاگ انصاف کے باعث عوام میں اچھی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ مقدمات کے فیصلے کرتے وقت وہ کسی سفارش یا دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

قاضی تقی الدین کی وفات کے بعد گمشتگین کی سفارش پر ملک الصالح نے رکن الدین کو قاضی مقرر کیا جو علم و عمل دونوں لحاظ سے کمزور آدمی تھا۔ چنانچہ بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگوں کو رشوت لے کر چھوڑ دینا روز کا معمول بن گیا۔ امراء خود کو ہر قسم کے قانون سے بالاتر سمجھنے لگے۔ معاشرے میں بڑھتے ہوئے ظلم کے باعث عوام میں بے چینی و اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

سلطان زنگی کی بیوہ ایک حوصلہ منداور متحرک خاتون تھیں۔ انھیں اپنے میل جول کی عورتوں سے سلطنت شام کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے۔ دمشق میں برپا ہونے والی تبدیلیوں سے شہریوں میں جو اضطراب پیدا ہو رہا تھا اس کی شکایات ہر روز ان تک پہنچ رہی تھیں اور وہ حالات کو بساط بھر سدھارنے اور مظلوموں کی دادرسی کرنے کی کوشش بھی کر رہی تھیں۔ لیکن جب انھیں شمس النساء کی زبانی ملک الصالح کی اخلاقی و ذہنی کیفیات کا علم ہوا، وہ بہت زیادہ دل گرفتہ ہوئیں۔ وہ گاہے بگاہے اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے چلی جاتیں اور وہاں اپنا غم ہلکا کرتیں۔ ایک دن انھوں نے اپنے بیٹے کو بلوایا اور سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ صلیبی گماشتوں کے چنگل سے نکل کر اپنے باپ کی وراثت کا تحفظ کرے تو وہ بے ساختہ کہنے لگا:

”ماں! اب ہمارا صلیبیوں سے کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہا۔ ہماری ان سے درپردہ صلح

ہو چکی ہے۔اس لیے میں نے صلیبی حاکم ریجنالڈ اور باقی قیدیوں کو رہا کر دیا ہے۔''

یہ سنتے ہی رضیع خاتون کے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ وہ دیر تک سکتے کے عالم میں رہی کچھ دیر کے بعد جب وہ سنبھلی تو اسے پھر بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔اس نے اپنی تسلی کے لیے استفسار کیا:

''کیا تم نے اس صلیبی بادشاہ کو بھی رہا کر دیا جس کو تمھارے بابا کرک سے یہاں لے کر آئے تھے۔''

''ہاں اماں جان! ہم اسے اپنے یہاں رکھ کر کیا کرتے'' ملک صالح نے بڑی سادگی سے کہا۔

''رکھ کر کیا کرنا تھا'' رضیع خاتون نے بیٹے کا فقرہ دہراتے ہوئے کہا۔''تمھارے ابا حضور کہا کرتے تھے کہ میں اس صلیبی بادشاہ کو ایسی سودا بازی کر کے چھوڑوں گا کہ جوان کی کمر توڑ دے گی۔ایک بادشاہ کی گرفتاری کوئی معمولی بات تو نہیں ہوتی۔ہم اس کے بدلے اپنی کئی شرائط منوا سکتے تھے۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے بیٹے سے پوچھا:

''صلیبی قیدیوں کی رہائی کے عوض تم نے اپنے جنگی قیدی رہا کروا لیے؟''

''اماں! ہم ان قیدیوں کو لے کر کیا کریں گے۔بس اب آئندہ ہم کسی سے لڑائی نہیں کریں گے'' ملک الصالح نے بچوں کی طرح جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔اب آئندہ باپ کی قبر پر بھی نہ جانا۔میں آج سے یہ وصیت تحریر کروں گی کہ جب تم مرو تو تمھیں اس قبرستان میں بھی دفن نہ کیا جائے جس میں تمھارا باپ دفن ہے۔اس قبرستان میں وہ شہید بھی دفن ہیں جو صلیبیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔تمھارے ناپاک وجود کی وہاں تدفین ان کی توہین کا باعث ہوگی۔''



بانیاس پر ابن مقدم کا صلیبیوں سے معاہدہ اور گرفتار صلیبی قیدیوں کی رہائی، ملک الصالح

کے اتالیق مجد الدین ابن دایہ کا پراسرار قتل اور اب قاضی دمشق تقی الدین کی پراسرار موت، صلیبیوں سے دوستی کے شوق میں بغیر کسی سودے بازی کے صلیبی بادشاہ ریجنالڈ جیسی اہم شخصیت کی رہائی جیسے شکست خوردہ اور بزدلانہ فیصلے ایسے نہیں تھے کہ ان پر ضیع خاتون مضطرب و پریشان نہ ہوتی۔ انھوں نے جس عظیم مجاہد کے ساتھ اپنی جوانی گزاری تھی وہ بھی کسی مجاہدے سے کم نہ تھی۔ اتنی قربانیوں اور چومکھی جنگ لڑ کر اس کے خاوند نے صلیبی مقابلے کیے، اپنی فوج میں جو دینی و ملی جذبے کی جوت جگائی تھی، اسے اب دن بدن دھندلایا جا رہا تھا۔

اگر وہ ایک روایتی ملکہ ہوتی تو وہ محض زمینی حقائق اور کمزوریوں سے سمجھوتہ کرکے اور اپنی مامتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے بیٹے کا ساتھ دیتی رہتی، اور ایک سلطان کی ماں ہونے کی حیثیت سے شاہی مراعات سے مستفید ہوتی رہتی۔ لیکن اس کے خاوند کی صحبت نے تو اسے ملّت کے درد و غم سے آشنا کر کے باقی تمام غموں اور دنیاوی آلائشوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ دن کے اضطراب اور راتوں کے درد و سوز نے بالآخر اسے ایک فیصلہ تک پہنچا دیا۔ وہ فیصلہ جس کے باعث اسے پھولوں کی سیج پر نہیں کانٹوں بھری راہ پر چلنا تھا۔ مامتا کے جذبات کو کچل کر اسے ہزاروں ماؤں کی گودوں کو آباد رکھنا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ اس نے اپنا وزن حق کے پلڑے میں ڈالنا ہے خواہ اس میں اس کی زندگی کی راحتیں چھن جائیں۔ اس نے ایک طرف دمشق کی خواتین میں اسلامی غیرت کے احیا کے ساتھ ساتھ ان کو فوجی تربیت کے ذریعے منظم کرنے کی ٹھانی۔ دوسری طرف سلطان زنگی مرحوم کے امراء اور فوجی عمائدین میں جو مخلص لوگ تھے، انھیں احتیاط کے ساتھ اپنا ہم خیال و ہمراز بنانا تھا۔ تیسری طرف اپنے ہی بیٹے ملک الصالح سے اس کی سلطنت چھین کر صلاح الدین ایوبی کے زیر کنٹرول دینا تھا تاکہ امت اسلامیہ کو غدّارانِ ملّت سے نجات مل سکے۔



”میرے بھائی! آپ کے سرپرست سلطان مرحوم کی وفات کے بعد میرے نوعمر بیٹے کو

سلطان بنا دیا گیا۔ خلیفہ کی ماں کی حیثیت سے لوگ میرا احترام کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں خوش قسمت ماں ہوں لیکن میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ میرے بیٹے کو سلطان نہیں بنایا گیا بلکہ سلطان زنگی کے مقصد سے دشمنی رکھنے والے غداروں نے اسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے آڑ بنایا ہے۔ سعد الدین گمشتگین اور دیگر چند نابکار امراء نے میرے کمسن اور ناسمجھ بیٹے کے گرد گھیرا ڈال کر اسے مجھ سے چھین لیا ہے۔ اور اس سے ملت اسلامیہ کے مفاد کے خلاف ہر وہ فیصلہ کروا رہے ہیں جو صلیبیوں کی چاہت ہے۔ اگر میرے بیٹے کے قتل سے مسئلہ حل ہوتا ہو تو میں ایسا بھی کر گزروں۔

میں آپ کو خبر دار کرتی ہوں کہ اگر آپ نے دمشق پر توجہ نہ دی اور وقت ضائع کر دیا تو قبلہ اول پر تو صلیبی قابض ہیں ہی، خانہ کعبہ تک بھی ان کی جسارت بڑھ جائے گی۔ ملت اسلامیہ کی آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں نہیں جانتی کہ آپ دمشق میں کیسے آئیں لیکن اتنا یقین دلاتی ہوں کہ آپ کے آنے تک میں اہل دمشق کو آپ کے استقبال کے لیے تیار کر دوں گی...... تمھاری بہن۔ رضیع خاتون''

صلاح الدین ایوبی نے یہ خط دو تین بار پڑھا اور پھر رضیع خاتون کے قاصد کو کہا:

''مادرِ سلطان کو یقین دلانا کہ میں آج بھی خاندان زنگی کا خادم ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ اور میری بڑی بہن نے جس اعتماد کے قابل مجھے سمجھا ہے، اس پر ہر ممکن طریقے سے پورا اتروں گا۔ البتہ اقدام کرنے کے لیے حالات اور ضروریات کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس کے لیے کچھ وقت درکار ہے۔ وہ اپنے کام کو جاری رکھیں اور ہم بھی اپنی ذمہ داری سے غافل نہیں ہیں۔''

قاصد کی روانگی کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی نے اپنے محکمہ سراغرسانی کے سربراہ کو طلب کر کے کہا کہ وہ اپنے سراغ رسانوں سے اس بارے میں رپورٹیں طلب کرے کہ دمشق، موصل، حلب اور دیگر امراء کے ساتھ عوام کی وابستگی کس قدر ہے۔ امراء میں سے کس کس کا

صلیبیوں سے رابطہ ہے؟ ان علاقوں میں حشیشین کے فدائی کس قدر ہیں؟ کسی اقدام کی صورت میں وہاں کی فوج میں ہمارا حمایتی عنصر کس قدر موجود ہے؟ اقدام کی صورت میں عوام کا ردعمل کیا ہوگا؟

وسائل کی کمیابی کے باوجود صلاح الدین ایوبی کی کامیابیوں کا راز ہی یہ تھا کہ وہ اندھیرے میں تیر نہیں چلاتا تھا۔ صلیبیوں کی عیاریوں اور غدارانِ ملت کی اندرونی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے صلاح الدین ایوبی نے محکمہ سراغ رسانی کا ایک مضبوط نظام قائم کیا تھا جس کے کارندوں کا انتخاب بڑا سوچ سمجھ کر کیا جاتا تھا۔ ان جاسوسوں کو ایک طرف ذہنی و نظریاتی لحاظ سے مضبوط کردار کی تربیت دی جاتی تو دوسری طرف ہر طرح کی سخت فوجی تربیت سے گزارا جاتا۔ وہ نہ صرف بہروپ دھارنے میں مشاق ہوتے بلکہ گوریلہ وار کے ماہر بھی ہوتے۔



سامان تجارت سے لدے پھندے اونٹوں پر سوار ایک قافلہ دمشق کے اندر داخل ہوا۔ سڑک کے ایک طرف کھلا میدان دیکھ کر اہل قافلہ نے خیمے گاڑ دیے۔ اس قافلے میں سو کے قریب تاجر تھے جن کے پاس دیگر سامان تجارت کے ساتھ دو درجن گھوڑے بھی تھے۔ ابھی وہ خیمے بھی لگانے نہیں پائے تھے کہ لوگوں کا ہجوم جمع ہوگیا۔ باہر سے جب بھی کوئی نیا قافلہ آتا تو لوگوں کی کوشش ہوتی تھی کہ مال کے دکانوں پر جانے سے پہلے ہی قافلے سے خرید لیا جائے، یہاں انھیں سستی قیمت پر چیز مل جانے کی اُمید ہوتی تھی۔

قافلے کے امیر نے اعلان کیا کہ دس گھوڑے بھی بکاؤ ہیں اور ساتھ ہی اس نے اپنے ایک تاجر ساتھی سے آہستہ سے کہا:

''مال جلدی فروخت نہیں کرنا ہے۔ اس لیے زیادہ قیمت کا مطالبہ کریں۔''

اس ہجوم میں دمشق کے تاجر اور دکان دار بھی تھے۔ قافلے کے تاجران مقامی تاجروں میں

گھل مل گئے اور شہر کے حالات پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔ قافلے کے چند تاجر شہر میں چلے گئے اور دو دو تاجروں نے مختلف مساجد میں تقسیم ہو کر نماز پڑھی۔ مسجدوں میں انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ قاہرہ سے مال تجارت لے کر آئے ہیں لیکن یہاں آکر انھیں مایوسی ہوئی ہے کہ کوئی خریدار ہی نہیں ہے۔

''جب لوگوں کو آنے والے دن کے بارے میں پتہ ہی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے تو کوئی کیا خریداری کرے گا'' ایک نمازی نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''سلطان زنگی کی وفات کے بعد امراء کی عیاشیوں نے عوام کی مالی حالت کافی پتلی کر دی ہے۔ کاروبار نہ ہونے کے برابر ہو گئے ہیں'' ایک دوسرے نمازی نے گفتگو میں شرکت کرتے ہوئے کہا۔

''اصل بات یہ ہے کہ جن سے عدل و انصاف کی امید تھی وہی مجرموں کے سرپرست بن گئے ہیں۔''

''اگر یہی حالات کچھ اور عرصہ رہ گئے تو لوگ صلیبیوں کو بھی خوش آمدید کہیں گے'' ایک نمازی کے لہجے سے آزردگی ٹپک رہی تھی۔

''بھائی صلیبیوں کو حملہ آور ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو جو چاہتے ہیں ہمارے امراء ان کی خواہش کے مطابق فیصلے کرتے جا رہے ہیں۔ صلیبی اتنے بے وقوف نہیں کہ جو کام وہ سیدھی انگلیوں سے نکال سکتے ہیں اس کے لیے تلوار استعمال کریں۔''

''سلطان مرحوم نے ہماری فوج کی تربیت تو صلیبیوں کے مقابلے کے لیے کی تھی، لیکن فوج پتہ نہیں کیا کر رہی ہے۔'' ہر نمازی حکومتی فیصلوں سے بیزار دکھائی دیتا تھا۔

''فوج نے تو وہی کرنا ہے جو سلطان کی طرف سے اسے حکم ہو گا۔ اب اس فوج کے سالاروں کو بھی امراء کی طرح عیاشی کی راہ پر لگایا جا رہا ہے۔''

''خوب صورت تیز طرار صلیبی لڑکیاں پہلے عیاش امراء کے محلّات میں نظر آتی تھیں، اب

سنا ہے کہ بعض فوجی کمانڈروں کی خوابگاہوں تک بھی انھیں رسائی حاصل ہے۔''

''گویا اہم سرکاری راز اور ہماری کمزوریاں سب صلیبیوں کو معلوم ہیں'' متمول نظر آنے والے ایک شخص نے کہا۔



''رات کو دمشق کے ایک کھلے اور صاف ستھرے علاقے میں ایک بڑی حویلی کے دروازے پر امیر قافلہ کھڑا تھا۔ دربان باہر آیا تو اس نے کہا:

''اندر اطلاع کرو کے قاہرہ سے آپ کا ایک دوست آیا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد دربان واپس آیا۔ اس نے امیر قافلہ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور راہداریوں کو طے کرتے ہوئے ایک بڑے کمرے میں لے آیا جہاں ایک وجیہہ چہرے والا آدمی اپنی نشست پر بیٹھا تھا۔ اس نے حیران ہو کر نو وارد کو دیکھا۔

''جناب عبید! کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا'' امیر قافلہ نے کہا۔

''اچھا حسن! حسن عبداللہ یہ تم ہو! میں نے تمھیں تمھاری شکل سے زیادہ آواز سے پہچانا۔ تم نے حلیہ ہی کچھ ایسا بنایا ہوا ہے۔'' میزبان عبید نے خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

''ایک سیدھے سادھے تاجر کو تم بہروپیا سمجھ رہے ہو'' حسن عبداللہ نے بے تکلفانہ شوخی سے کہا۔

''بتاؤ! پھر تمھاری تجارت کیسی رہی؟'' عبید نے بھی اس سے شوخی کرتے ہوئے کہا۔

''شام تک ساری منڈی کا جائزہ ہی لیا ہے۔ ہمارے مال کی طلب تو بہت زیادہ ہے لیکن مال محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں قابل اعتماد مقامی شراکت داروں کی ضرورت ہے۔''

''کیا آپ مجھے قابل اعتماد سمجھتے ہیں'' میزبان نے کہا۔

''قابل اعتماد سمجھا ہے تو چل کر آیا ہوں'' حسن عبداللہ نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ ''امیر مصر کے حسب ارشاد دمشق میں سلطان زنگی کے سراغرساں سالاروں میں سب سے زیادہ جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ آپ ہی تو ہیں۔ آپ یہ بتائیں کہ یہاں کی فوج اس وقت کیا سوچ رہی ہے؟''

''فوج کی اکثریت حالات سے نالاں ہے۔ اس فوج کی تربیت نورالدین زنگی نے کی۔ اس فوج کے ہزاروں سپاہی صلیبیوں سے جنگیں کرتے ہوئے شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔ وہ صلیبیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات پر کیسے خوش رہ سکتی ہے۔ لیکن فوج سلطان کے حکم کے بغیر کیسے صلیبی سازش کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اور اب تو فوج میں ایسے عناصر کو آگے لایا جا رہا ہے جو جہاد سے جی چراتے ہیں۔ صلیبیوں نے امراء کی غیرت خرید لی ہے اور اب وہ سالاروں کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی تخریبی سرگرمیاں فوج میں بھی بڑھ رہی ہیں اور قوم کی وحدت کو بھی پارہ پارہ کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ عمل جلدی نہ روکا گیا تو صلیبی فوجی کسی جنگ کے بغیر ہی سلطنت اسلامیہ پر قابض ہو جائیں گے'' عبید نے کہا۔

''اگر ہم قاہرہ سے فوج لائیں تو کیا یہاں کی فوج ہمارا مقابلہ کرے گی؟'' حسن عبداللہ نے پوچھا۔

''اگر تم حملہ آور کے انداز سے آؤ گے تو ایسا ممکن ہے'' عبید نے پیشہ ورانہ فوجی انداز سے کہا۔ ''البتہ اگر امیر مصر اس انداز سے آئیں کہ وہ خلیفہ سے ملاقات کے لیے آئے ہیں اور سلطان کی تعظیم کے لیے فوج کے کچھ دستے لائے ہیں، تو امراء کی نیت ٹھیک ہوئی تو استقبال کریں گے، جس کا امکان کم ہی ہے۔ دوسری صورت میں اگر وہ کوئی اقدام کرتے ہیں تو عوام کی نظروں میں آپ کے اقدام کا جواز بھی معتبر ہو جائے گا۔ اور آپ کے اقدام کے جواز میں ملکہ رضیع خاتون کی تیار کردہ خواتین اپنا حصہ ڈالیں گی۔''

''کیا میں امیر مصر کو کہہ دوں کہ یہاں کی فوج ہمارے راستے میں حائل نہیں ہوگی۔''

''ہاں، فوج مقابلہ نہیں کرے گی بلکہ بڑا حصہ ساتھ بھی دے گا۔ البتہ سلطان اور امراء کے محافظ دستے تمھارے خلاف لڑیں گے۔ ان دستوں کی نفری بھی کافی ہے۔ آج کل ان کی خاطر مدارت بہت ہو رہی ہے۔''

''کیا آپ سلطان مرحوم کی بیوی سے ملاقات کروا سکتے ہیں؟'' حسن عبداللہ نے پوچھا۔

''وہ تو کئی دنوں سے آپ لوگوں کی منتظر ہیں۔ کل دن میں آپ میرے ہاں آ جائیں، وہ تمھارا نام سن کو فوراً آ جائیں گی۔'' عبید نے کہا۔



خفیہ مہم

اگلے دن عبید کے گھر میں حسن عبداللہ سلطان زنگی مرحوم کی بیوہ کا انتظار کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ سیاہ چادر اوڑھے کمرے میں داخل ہوئیں۔ رضیع خاتون کی آمد پر دونوں کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر وہ حسن عبداللہ کو پہچان نہ سکیں۔ جب انھوں نے اسے پہچان لیا تو ان کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ کہنے لگیں:

"حالات کی ستم ظریفی ہے کہ اب ہم ایک دوسرے کو یوں چھپ کر اور بہروپ بدل کر ملنے پر مجبور ہیں۔ ایک وقت تھا جب تم سر اونچا کر کے یہاں گھومتے تھے۔ میں اپنے گھر سے اس احتیاط سے نکلی ہوں کہ کوئی دیکھ نہ لے کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔"

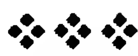
حسن عبداللہ بہت سارے سوالات پوچھنا چاہتا تھا لیکن اس عظیم خاتون کے سامنے اس کو کلام کی تاب نہ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد رضیع خاتون نے اُسے مخاطب کیا:

"حسن عبداللہ! یہ سیاہ لباس میں نے خاوند کے ماتم کے لیے نہیں، اس غیرت کے ماتم میں پہنا ہے جسے امراءِ حکومت نے صلیبیوں کے قدموں میں ڈال دیا ہے۔ صلاح الدین کو کہنا کہ تمھاری بہن تمھاری غیرت کا ماتم کر رہی ہے۔ وہ سیاہ لباس اس دن اتارے گی جس دن تم دمشق میں داخل ہو کر مجھے دکھاؤ کہ تم نے ملت کی آبرو ایمان فروش اور عیاش امراء کی دستبرد سے بچا لی ہے۔"

''صلاح الدین ایوبی آپ کے جذبات کو سمجھتا ہے لیکن جذبات اور اشتعال کے تحت کی گئی کارروائی ناکام ہو جاتی ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ خانہ جنگی نہ ہو۔ فوج اور قوم ہمارا ساتھ دے۔''

''فوج کے بارے میں تو تمھیں عبید ہی بتائے گا لیکن میں یقین دلاتی ہوں کہ قوم آپ کے ساتھ ہے'' زنگی کی بیوہ نے کہا۔ ''میں نے دمشق کی خواتین میں اس حد تک جذبۂ جہاد پیدا کر رکھا ہے کہ آپ انھیں کسی بھی محاذ پر کھڑا کر سکتے ہیں۔ نوجوان لڑکیوں کی اکثریت کو تیغ زنی اور تیر اندازی کی تربیت دی گئی ہے۔ خواتین نے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور خاوندوں کو اس حد تک شعلہ بنا رکھا ہے کہ اگر خانہ جنگی کی نوبت بھی آ گئی تو ہر گھر کی خواتین ملک الصالح اور اس کے امراء کے خلاف مورچہ بنا لیں گی۔ قوم کی طرف سے تم پر ایک تیر بھی نہیں چلے گا۔ اگر حالات کا تقاضا ہو کہ ملک الصالح کو قتل کر دیا جائے تو بھول جانا کہ وہ میرا اور سلطان زنگی کا بیٹا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کے ٹکڑے ٹکڑے ہونا قبول ہے لیکن سلطنت اسلامیہ کے ٹکڑے ہونا مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔''

اس کے بعد ان کے درمیان طے ہوا کہ صلاح الدین ایوبی خاموشی سے اچانک وارد ہوگا۔ تجارتی قافلوں کی صورت میں حسن عبداللہ کے جاسوس ضروری اسلحے کے ساتھ شہر میں وارد ہوتے رہیں گے اور انھیں یہاں کے با اعتماد گھرانوں میں مقیم رکھا جائے گا اور شہر کی فضا کو صلاح الدین ایوبی کے استقبال کے لیے تیار کیا جائے گا۔



قاضی شرف الدین نے صلاح الدین ایوبی کے چہرے کی طرف بار بار دیکھا اور پھر گویا ہوئے ''مجھے ان امراء سے یہی توقع تھی۔ جب ملت کے مفاد پر ہوائے نفس کا غلبہ ہو جائے تو انسان بصارت و سماعت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے تحریر و تقریر نہیں، شمشیر ہی موثر ثابت ہوتی ہے۔''

''لیکن شیخ! میں آپس کی خوں ریزی سے ڈرتا ہوں'' امیر مصر نے اپنی اصل الجھن ان کے سامنے پیش کر دی۔ اس سے پہلے امیر مصر قاضی شرف الدین کو تمام امراء کو لکھے گئے خطوط کے جوابات اور دمشق کی ساری صورت حال اور خود سلطان ملک الصالح کی والدہ رضیع خاتون کی دعوت کے بارے میں بتا چکا تھا۔

''جب جسم میں فاسد خون سارے جسم کے لیے خطرہ بن جائے تو اسے نکالنا ہی پڑتا ہے'' امام شرف الدین نے یقین آمیز انداز میں کہا۔ ''جو سلطنت اسلامیہ کے ٹکڑے کر کے اپنے چھوٹے چھوٹے گھر آراستہ کرنا چاہتے ہیں، بہتر ہے کہ ان کے ہی ٹکڑے کر دیے جائیں۔''

امام شرف الدین کی بے لاگ گفتگو سن کر صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر افسردگی کی بجائے جوش واضطراب کا رنگ ابھر آیا تھا۔ لیکن تذبذب اور ذہنی کش مکش کی لہریں بھی متوازی بہہ رہی تھیں۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے پھر مودبانہ انداز میں استفسار کیا:

''از روئے شریعت میرا یہ اقدام غلط تو نہ ہوگا......''

''میرے خیال میں تمھاری پریشانی یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان پر کیسے شمشیر زنی کرے؟'' امام شرف الدین نے مسکراتے ہوئے امیر مصر کی طرف دیکھا۔ ''تمھاری اس الجھن کا جواب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک گروہ مرکز خلافت سے جدا ہو کر ذاتی ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہو جائے تو ایسے گروہ کو باغی ومفسد قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے مفاد میں سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں۔'' قاضی شرف الدین نے امیر مصر کی ذہنی خلش دور کرنے کے لیے وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''اور آپ نے خود بتایا ہے کہ شامی فوج اور عوام ان عیاش امراء سے نجات کے لیے آپ ہی کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اس لیے اگر مظلوموں کو ان ظالموں سے اس موقع پر کوئی مدد نہ ملی تو پھر دوبارہ ایسا موقع کبھی نہ ملے گا۔''



''میں تم سے جو بات کرنے لگا ہوں، اسے تم دونوں اپنے سینوں میں محفوظ کرلو'' صلاح الدین ایوبی اپنے دو قابل اعتماد سالاروں کو حسن عبداللہ کی موجودگی میں کہہ رہا تھا۔'' یہاں موجود ہم چار افراد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ حسن عبداللہ اور اس کے سراغ رساں نے ان اطلاعات کی تصدیق کر دی ہے کہ نہ صرف دیگر ریاستوں کے امراء بلکہ کم سن سلطان بھی اس وقت صلیبیوں کی سازش کا شکار ہو چکے ہیں۔ سلطان اور امراء عیش و عشرت میں ڈوب گئے ہیں، اور عیسائیوں کے جاسوسوں نے ان کے فیصلوں میں رسوخ حاصل کرلیا ہے۔ دیگر ریاستوں کو راہ راست پر لگانے کے لیے دمشق کے مرکز اور فوج کو صلیبیوں کی سازش سے بچانا ہوگا، اور اس مقصد کے لیے جو بھی اقدام کیا جائے گا وہ ہم چاروں کے درمیان راز رہے گا۔''

''اگر ہم دمشق پر چڑھائی کرتے ہیں تو قاہرہ میں موجود صلیبی جاسوس صلیبی افواج کو بلاوا دے سکتے ہیں'' ایک سالار نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''ہم اپنی روانگی کو اتنا خفیہ رکھنا چاہتے ہیں کہ کسی کو بھی کانوں کان ہماری روانگی کی خبر نہ ہو'' امیر مصر نے کہا۔

''لیکن اتنی بڑی حملہ آور فوج کی روانگی کو اپنے ہی ملک میں کیسے خفیہ رکھا جا سکتا ہے؟'' دوسرے سالار نے استفسار کیا۔

''ہم زیادہ فوج نہیں لے جانا چاہتے۔ صرف سات سو مجاہدین اس مہم کے لیے کافی ہیں۔''

''صرف سات سو؟'' سالار نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''اس مہم میں ہماری کامیابی تعداد سے زیادہ راز داری میں مضمر ہے۔ ہم اتنی تعداد کو ہی دمشق پہنچے تک خفیہ انداز میں لے جا سکتے ہیں'' امیر مصر نے کہا۔'' البتہ یہ سات سو افراد ایسے منتخب مجاہد ہوں جو جان پر کھیلنے کی چاہت رکھتے ہوں۔'' امیر مصر نے کچھ لمحے توقف کیا اور پھر گویا ہوئے:'' آپ لوگ تین دن تک روزانہ تین تین چار چار کی ٹولیوں میں انھیں اس جگہ سے

روانہ کرتے رہیں۔'' امیر مصر نے نقشے پر موجود شامی سرحد کے قریب ایک عام شاہراہ سے ہٹ کر جگہ کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا۔

''اگر دشمن کی طرف سے یہاں کوئی خطرہ ہو تو آپ نے بغیر میرے حکم کا انتظار کیے خود کارروائی کرنا ہے'' امیر مصر نے ایک سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ دوسرے کی طرف متوجہ ہوا۔ ''اور آپ نے قاہرہ کے نظم و نسق کو میرے نام سے چلانا ہے اور میری رہائش گاہ کے محافظوں کو بھی یہ پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ اس وقت میں قاہرہ سے دور کسی مہم پر گیا ہوا ہوں۔''



قاہرہ سے دمشق جانے والی شاہراہ سے چند میل ہٹ کر شامی سرحد کے قریب ٹیلوں کے درمیان درختوں کے جھنڈ میں جگہ جگہ سات سو گھڑ سوار دمشق روانگی کے لیے تیار تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کم سے کم فوج کے ہمراہ اچانک دمشق پہنچے گا۔ اگر سلطان ملک الصالح نے امیر مصر کی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تو زبانی مذاکرات ہوں گے اور اگر ان کی طرف سے مزاحمت ہوئی تو وہ اسی لشکر کے ساتھ مقابلہ کرے گا۔ اگرچہ اسے دمشق کی فوج کی حمایت کا یقین دلایا گیا تھا، تاہم اس نے اپنی منصوبہ بندی محض خوش فہمی کی بنیاد پر طے نہیں کی تھی بلکہ یہ سمجھ کر کی تھی کہ اہل دمشق اس کے دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ جانے والے منتخب سوار جنونی چھاپہ مار تھے جو گوریلا کارروائی کرنے کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔

جب وادی میں سات سو سوار پہنچ گئے تو امیر مصر بھی انتہائی رازداری کے ساتھ قاہرہ سے نکل آیا۔



دمشق کی فصیلوں پر موجود سنتریوں کو دور افق پر گرد و غبار اڑتی دکھائی دی۔ شاید تاجروں کا

کوئی بڑا قافلہ دمشق کی طرف آ رہا ہے۔لیکن قافلے کے اونٹ اتنی گردنہیں اڑاتے۔آہستہ آہستہ یہ اڑتی ہوئی گرد قریب آچکی تھی اور اس میں گھڑسواروں کی برچھیوں کی انیاں گاہے بگاہے نمایاں ہوکر اپنی چمک دکھارہی تھیں۔یقیناً یہ فوج ہی ہوسکتی ہے لیکن کیا یہ سلطان ملک الصالح کی فوج ہے؟ نیزوں کی انیوں پر لہراتے ہوئے چھوٹے چھوٹے جھنڈے بھی اب نمایاں ہونے لگے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ دمشق کی فوج نہیں ہے۔

قلعے کے سنتری نے نقارہ بجادیا اور اب قلعے کی دوسری دیواروں پر نقارے بج اٹھے۔ دمشق کی فوج فصیلوں پر مورچہ بند ہوگئی۔فصیلوں پر موجود تیراندازوں نے تیر کمانوں میں ڈال لیے۔ گرد اڑاتے ہوئے سوار قلعے کے قریب آگئے اور حملے کی ترتیب میں آکر رک گئے۔قلعہ کے کمانڈر نے سواروں کے کمانڈر کا پرچم دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ امیر مصر کا جھنڈا ہے۔

''آپ کس ارادے سے آئے ہیں؟'' قلعہ دار نے بلند آواز سے پوچھا۔

''سلطان سے کہہ دو کہ امیر مصر ان سے ملنا چاہتے ہیں'' صلاح الدین ایوبی کے ایک کمانڈر نے بلند آواز سے جواب دیا۔

''اگر امیر مصر سلطان سے ملنا چاہتے ہیں تو اکیلے آگے آئیں، اپنے سواروں کو پیچھے لے جائیں۔''

''سلطان سے کہہ دو کہ یا وہ باہر آکر بات کریں یا امیر مصر کو اپنی فوج کی حفاظت میں اندر آنے دیا جائے'' امیر مصر کے کمانڈر نے کہا۔

''صلاح الدین بن نجم الدین ایوب'' قلعے کے کمانڈر نے صلاح الدین ایوبی کو پہچانتے ہوئے مخاطب کیا۔''میں تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ میں سلطان معظم کے حکم کا پابند ہوں۔ ایسی حالت میں کسی کے لیے بھی شہر کا کوئی دروازہ نہیں کھولا جاسکتا۔''

''میرے سپاہی پیچھے نہیں ہٹیں گے'' صلاح الدین ایوبی نے آگے بڑھ کر بلند آواز سے کہا۔

''سلطان کو اطلاع کرو کہ ان کے باہر نہ آئے کی صورت میں بہت سے مسلمانوں کا خون ان کی گردن پر ہوگا۔''

قلعے کے دروزے پر موجود پہریداروں نے شہر کا صدر دروازہ بند کر دیا اور ایک سپاہی کو سلطان کے محل کی طرف اطلاع کرنے کے لیے دوڑا دیا۔ صلاح الدین ایوبی کے اشارے پر اس کے سواروں نے پھیل کر اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔

قلعہ کا کمانڈر مقابلے کے لیے تیار تھا لیکن اس نے کسی قسم کی کارروائی نہیں کی۔ کارروائی کے لیے وہ سلطان کے حکم اور مزید فوج کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

کمسن سلطان کو جب اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا گیا۔ ''سلطان معظم! ہماری اطلاع کے مطابق ایوبی کے ہمراہ فوج کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہے'' گمشتگین نے سلطان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ فوج کو حکم دیں کہ وہ باہر نکل کر ایوبی کی فوج کو محاصرے میں لے لے اور ایوبی سے ہتھیار ڈالو کر اسے گرفتار کر لے۔''

''سلطان معظم! اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ آپ کا شکار آپ کے جال میں خود ہی آ گیا ہے۔ آج اسے واپس نہ جانے دیا جائے'' ایک اور امیر نے مشورہ دیا۔ مشیروں کے کہنے پر کمسن سلطان نے سپہ سالار کو ایوبی لشکر پر حملے کا حکم جاری کر دیا۔



شہر کے پہریداروں کی بھاگ دوڑ اور فوج کے فصیلوں پر پوزیشنیں لینے اور چیخ و پکار سے شہریوں کو معلوم ہو گیا کہ صلاح الدین ایوبی اپنے دستے کے ہمراہ شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے لیکن دمشق کی فوج اس پر حملے کی تیاری کر رہی ہے تو شہری حالات معلوم کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ رضیع خاتون کی ہم خیال خواتین سرگرم ہو گئیں۔ گھر گھر اطلاع ہو گئی کہ صلاح الدین ایوبی دمشق کے باہر آیا ہوا ہے اور سلطان کے محافظ اسے اندر نہیں آنے دے رہے۔

یہ عورتیں گھروں سے باہر نکل آئیں۔ان کے ساتھ ان کے مرد بھی گلیوں اور بازاروں میں نکل آئے اور آہستہ آہستہ سارا شہر ہی صلاح الدین ایوبی کے لیے استقبالیہ نعروں سے گونجنے لگا۔ بہت سے نوجوان شہر کی فصیل پر چڑھ دوڑے اور صلاح الدین ایوبی کے حق میں نعرے بازی کرنے لگے۔ عوام کی اکثریت شہر کے دروازے کی طرف لپکی۔ جہاں پہرے داروں نے دروازہ بند کیا ہوا تھا۔ادھر فوج باہر مقابلے کے لیے نکلنا چاہتی تھی لیکن عوام کے اژدھام کے باعث کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔

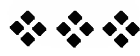
ملک الصالح کے حاشیہ برداروں کو شہریوں کی طرف سے صلاح الدین ایوبی کی اس پذیرائی کی توقع ہی نہ تھی۔ادھر عوام کو دیکھ کر فوج کا بیشتر حصہ آگے بڑھنے سے پس و پیش کر رہا تھا۔ کئی کمانڈروں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے سے علانیہ انکار کر دیا اور کئی لیت و لعل سے کام لے رہے تھے۔فوج کے کمانڈروں میں سے جو سلطان کے امراء کے پروردہ تھے، اپنے دستوں کو تیاری کا حکم دینے لگے تو صلاح الدین ایوبی کے حامی کمانڈروں نے مخالف کمانڈوں کو دھمکی دی کہ اگر انھوں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف لشکر کشی کی تو وہ عوام کے ساتھ مل کر انھیں شہروں میں گھسیٹیں گے۔اس پر کئی کمانڈروں نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکال لیں۔

قریب تھا کہ دونوں طرف کے سپاہی اپنے اپنے کمانڈروں کی حمایت میں معرکہ آراء ہو جاتے کہ اچانک ایک نقاب پوش سوار کا گھوڑا تیزی کے ساتھ ان کے درمیان آ گیا۔نقاب پوش سوار نے گھوڑے کی باگیں اتنی سختی کے ساتھ کھینچیں کہ اس کے اگلے پاؤں فضا میں معلق ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زور سے للکارا:

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟ کیا فوج صلاح الدین ایوبی کے خون سے اپنی تلواروں کو آلودہ کرنے جا رہی ہے۔'' اس للکار میں نسوانی لہجے کا ارتعاش محسوس ہو رہا تھا۔ دونوں طرف کے کمانڈر بھی ابھی گومگو کی کیفیت میں تھے کہ گھڑ سوار نے اپنا نقاب چہرے سے ہٹاتے ہوئے نیچے چھلانگ لگا دی۔

''اُمِ سلطان آپ؟'' دونوں طرف کے کمانڈروں کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔

''سلطان کی ماں نہیں، سلطان مرحوم کی بیوہ! سلطان ملک الصالح کی ماں ہونا میرے لیے کوئی اعزاز اور فخر کی بات نہیں۔ میرے بیٹے کو چند مفاد پرست امراء نے گمراہ کرلیا ہے اور وہ اس صلاح الدین ایوبی کو دمشق میں داخل نہیں ہونے دے رہے جو میرے شوہر کے جہاد کے مشن کا جانشین ہے۔ تم کس کی حمایت میں ایک دوسرے کے خلاف تلوار نکالے ہوئے ہو؟ وہ ملک الصالح اور اس کے امراء جو صلیبیوں کے وفادار بن چکے ہیں۔ آؤ پہلے میری گردن اڑاؤ، پھر ایوبی کے مقابلے پر جانا۔'' یہ کہتے ہوئے زنگی کی بیوہ کے منہ سے جھاگ اڑ رہے تھے اور اس کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ کمانڈروں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور سر جھکا کر ایک دوسرے کے پیچھے چھپنے لگے۔



''کیا فوج نے احکام سلطانی کی تعمیل نہیں کی'' سلطان ملک الصالح کے دربار میں اس کے ایک مشیر کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ دربار میں ایک سناٹا طاری ہوگیا۔

''شاہی محافظوں کے دستے مقابلے کے لیے باہر نکالو اور مقابلہ کرو!'' ایک دوسرے امیر کی آواز غصے کے باعث کپکپا رہی تھی۔

''محض شاہی فرامین کے اجراء سے کام نہیں چلے گا'' ایک عمر رسیدہ امیر نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے امراء کو شاید شہر کے بدلے ہوئے حالات کا علم نہیں۔ شہر کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایوبی کے حق میں نعرے لگاتے ہوئے دروازے کھلوانے کی کوشش میں ہے۔ فوج کا ایک بڑا حصہ شاہی احکام کی بجا آوری میں تساہل سے کام لے رہا ہے۔ خود سلطان معظم کی والدہ محترمہ فوج کو ایوبی کے مقابلے میں آنے سے روک رہی ہیں۔ ایسے میں محض سلطان کے محافظ دستے کتنی دیر تک جنگ لڑسکیں گے۔ خصوصاً، جب کہ مقابلے میں

ہمارے ہی شہری آڑے آرہے ہیں۔ اس سے سوائے خون خرابے کے ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا" عمر رسیدہ امیر نے پوری متانت اور سنجیدگی سے حالات کا تجزیہ پیش کر دیا۔ پھر وہ باہمی مشاورت کرنے لگے۔



کچھ دیر بعد محافظ دستے تیار ہو کر جب دروازے کی طرف آئے تو دروازے پر عوام کا ہجوم بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ سلطان ایوبی خوش آمدید کے نعرے ہر طرف گونج رہے تھے۔ محافظ دستوں کو آگے بڑھنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ عوام محافظ دستوں کو دیکھ کر اور مشتعل ہو چکے تھے۔ عوام کے جم غفیر پر حملہ کرنے کی انھوں نے کوئی منصوبہ بندی نہ کی تھی۔ اس لیے آہستہ آہستہ وہ ہر طرف سے جم غفیر کے اندر پھنس کر بے بس ہو چکے تھے۔ اسی دوران بیوہ رضیع خاتون گھوڑا دوڑاتے ہوئے عوام کو چیرتے ہوئی دروازے کے قریب آئی۔ وہ جدھر جاتی عوام انھیں راستہ دیتے چلے گئے۔ بالآخر اس نے پہریداروں تک پہنچ کر بلند آواز سے پکارا:

"تم دروازے کیوں نہیں کھول رہے ہو؟"

"ہمیں سلطان معظم کا یہی حکم ہے" ایک پہریدار نے رضیع خاتون کو پہچانتے ہوئے نہایت ادب سے جواب دیا۔

"تم کس سلطان کی بات کر رہے ہو؟ ملک الصالح تو اپنے عیاش امراء کے ساتھ فرار ہو گیا ہے۔ لہٰذا ادھر سے اب تمھیں کوئی فرمان جاری نہ ہوگا۔ میں تمھیں حکم دیتی ہوں دروازے کھول دو" رضیع خاتون نے حاکمانہ لہجے میں کہا۔

کچھ دیر کے تذبذب کے بعد پہریداروں نے چابیاں نکال کر یہ کہتے ہوئے رضیع خاتون کو سونپ دیں:

"ہم تو خاندان زنگی کے نمک خوار غلام ہیں۔"

اس دوران فوج کے کچھ سالار بھی رضیع خاتون کے پاس آ چکے تھے۔انھوں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور عوام نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر لپکے۔عوام کا ریلا ایک سیلاب کی صورت صلاح الدین ایوبی کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔ان کے درمیان سلطان زنگی کی بیوہ اپنے گھوڑے پر سوار تھیں۔صلاح الدین ایوبی نے آگے بڑھ کر رضیع خاتون کے گھوڑے کی لگامیں چوم لیں۔

''آپ جیسی مجاہد مائیں جب تک اس قوم میں موجود ہیں، اس امت کو کوئی مغلوب نہیں کرسکتا'' سلطان ایوبی کی آنکھیں تشکر سے اشکبار تھیں۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد صلاح الدین ایوبی رضیع خاتون کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کی افواج تھیں۔ جب وہ شہر کے دروازے سے داخل ہوئے تو دونوں طرف رضیع خاتون کی وفادار فوج کے سالاروں اور سپاہیوں نے سلطان ایوبی کو سلامی پیش کی۔ سلطان ایوبی نے مقامی فوج کے سالاروں کے مشورے سے اہم حفاظتی مقامات کے منصب دار مقرر کیے۔اس دوران اسے یہ اطلاعات موصول ہو چکی تھیں کہ سلطان ملک الصالح اپنے وفادار مشیروں اور امیروں اور فوج کے دو تین سالاروں کے ہمراہ فرار ہو گیا ہے۔اس کی کمسن ہمشیرہ شمس النساء بھی اس کے ہمراہ تھی۔صلاح الدین ایوبی نے مفرور امراء کے تعاقب کی ضرورت محسوس نہ کی۔البتہ اس نے مفرورین کے محلات پر چھاپے مروائے اور ان کے اموال اور سامان کو بحق سرکار ضبط کر کے بیت المال میں جمع کر دیا اور زیادہ تر غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا۔

دیگر انتظامات کرنے کے ساتھ اس نے مصر و شام کی وحدت کا اعلان کر دیا اور اپنے بھائی تقی الدین کو دمشق کا نگران مقرر کر کے دفاعی انتظامات مستحکم کرنے میں لگ گیا۔تکلیف دہ بات یہ تھی کہ خود غرض مسلمان امراء ایوبی کو شکست دینے کے لیے اب صلیبیوں کی راہ تک رہے تھے۔



نئی منزل

دمشق سے بھاگے ہوئے امراء، ان کے مصاحبین اور خادموں کے قافلے اس کے پاس سے گزر رہے تھے۔ ایسے لوگ جو دمشق کے انقلاب سے خوف زدہ تھے، محض سلطان کے قرب میں اپنے روزگار کو محفوظ سمجھتے تھے، حلب کے راستے پر جا رہے تھے۔ اس نے دیکھا کہ قافلوں پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ دمشق سے ایک مناسب فاصلے پر ہونے کے بعد اب قافلوں کو پیچھے سے حملہ آوروں کا خوف بھی کم ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ کبھی کسی قافلے سے آگے نکل جاتا اور کبھی پیچھے رہ جاتا۔ وہ قافلے کے لوگوں کو نظروں میں تولتا جا رہا تھا مگر اسے ابھی تک اپنے لیے کوئی کارآمد فرد نظر نہیں آ رہا تھا جس کا وہ ہمسفر بن سکے، کوئی فوجی سالار یا ملک الصالح کا کوئی امیر۔ اس کی کوشش اور خواہش تو یہ تھی کہ ملک الصالح ہی اسے مل جائے جس کو وہ بتائے کہ وہ اس کا کتنا پرستار ہے اور ان بُرے حالات میں وہ اس کے لیے کتنا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اکیلا بھی نہیں جا رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایک بارہ سالہ بچہ جسے مفاد پرست امراء نے من مانیاں کرنے کے لیے تخت نشین کیا ہوا ہے، اس کے ساتھ زر و جواہر سے لدے ہوئے امیروں وزیروں کا قافلہ ہوگا۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں میدانی علاقے سے گزر کر چٹانی علاقے میں داخل ہو گیا۔ اسے ایک جگہ اپنے دائیں ہاتھ چٹانوں کے نیچے ہری بھری وادی اور درختوں کا جھنڈ دکھائی دیا۔ گھوڑے پر تھکاوٹ اور بھوک کے آثار تھے اور وہ خود بھی سستانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے گھوڑے کی

باگ ادھر کو موڑ دی۔ جھنڈ کے قریب پہنچ کر اس نے گھوڑے کے پاؤں میں ایک رسی باندھ دی اور سے چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود ایک درخت کے سایے میں ستانے کے لیے لیٹ گیا۔

وہ نیم غنودگی کی حالت میں تھا جب ایک اور گھوڑے کے ہنہنانے کی اسے آواز سنائی دی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا گھوڑا وہاں نہیں تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا جھنڈ کی دوسری طرف گیا تو اسے اپنا گھوڑا نظر آ گیا۔ اس کے قریب دو اور گھوڑے اپنے کان کھڑے کیے ہوئے تھے۔ جب وہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا تو ایک طرف سے آواز آئی:

''ٹھہرو جوان!''

اس نے آواز کی سمت نظر دوڑائی۔ ادھر قیمتی مگر بے ترتیب سے لباس میں ملبوس ایک چالیس پینتالیس سالہ آدمی نظر آیا جس کے قریب ہی ایک عورت لیٹی آرام کر رہی تھی۔ آدمی نے اسے اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔ وہ اس کے بلانے پر اس کی طرف چلا گیا اور اس سے سلام کہہ کر مصافحہ کیا۔ اس دوران عورت اٹھ چکی تھی، وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ وہ بیس پچیس سال کی خوب صورت لڑکی تھی۔ اس کے گلے میں ہار اور لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی معمولی حیثیت کے لوگ نہیں ہیں۔ اس نے ایک ہی نظر میں انھیں تول لیا تھا۔

''تم کون ہو؟ اور کہاں سے آ رہے ہو؟'' آدمی نے ایک ہی سانس میں استفسار کیا۔

''دمشق سے آیا ہوں اور آپ مجھے عبید کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میں کیا ہوں، اس وقت تک نہیں بتا سکتا جب تک ہمارے درمیان باہمی اعتماد پیدا نہیں ہو جاتا'' اس نے امیر آدمی کو متاثر کرنے کے انداز میں کہا۔

''تم شریف آدمی دکھائی دیتے ہو'' آدمی نے عبید کو کہا۔ ''اور غالباً ہم ایک ہی راہ کے راہی ہیں۔''

''ایک آدمی جس کے ساتھ مال و دولت ہو، قیمتی زیور سے آراستہ ایک جوان عورت ہو،

ممکن ہے کہ ہر مسافر کو ڈاکو ہی سمجھے لیکن میں ڈاکو نہیں ہوں بلکہ آپ کو ڈاکوؤں سے بچا ضرور سکتا ہوں، خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے'' اس نے ایک ماہر شکاری کی طرح اپنا جال پھینکتے ہوئے کہا۔ ''دمشق سے بھاگے ہوئے لوگوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ ڈاکوؤں کا شکار ہو گیا ہے، میں نے راستے میں دو لاشیں دیکھی ہیں'' اس نے ان کے چہروں کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈاکوؤں کے لیے تو بہت اچھا موقع ہے کہ دمشق سے لوگ مال و دولت کے ساتھ بھاگ رہے ہیں...... '' لڑکی خوف و دہشت کے باعث آدمی کے ساتھ لگ گئی۔ آدمی کی حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

''صلاح الدین ایوبی نے آپ جیسے لوگوں کو لوٹنے اور جوان عورتوں کو چھیننے کے لیے اپنی فوج کے دستے ادھر بھی بھیج دیئے ہیں'' اس نے مزید خوف و ہراس پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے سپاہیوں کو لوٹ مار کرتے دیکھا ہے۔'' امیر آدمی نے حیرت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ پوچھا۔

''ہاں دیکھا ہے۔''

''تو کیا وہ لڑکیوں کو بھی چھین لیتے ہیں۔ ہم نے تو سنا ہے کہ صلاح الدین ایوبی عورتوں کے بارے میں بڑا پاکباز ہے'' امیر آدمی نے حیرت سے سوال کیا۔

''ہم نے بھی کبھی یہ سنا تھا، لیکن اس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ وہ ایک ہوسناک انسان ہے۔ مجھ سے بہتر اسے کون جان سکتا ہے، میں اس کے حفاظتی دستے میں رہا ہوں'' عبید نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

''تم صلاح الدین ایوبی کے سپاہی ہو؟'' امیر آدمی نے گھگھیائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''اچھا اگر میں یہ کہوں کہ میں ایوبی فوج کا سپاہی ہوں تو آپ کیا کریں گے؟''

امیر آدمی نے گھگھیائے ہوئے ایک مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر طاری کی اور کہا: ''میں تم

سے التجا کروں گا کہ مجھے بالکل ہی کنگلا نہ کرنا اور اس بے چاری کو مجھ سے نہ چھیننا۔'' اس نے اپنے ساتھ چمٹی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ لڑکی آپ کی کیا لگتی ہے؟'' عبید نے پوچھا

''یہ میری بیوی ہے؟''

''اور دمشق میں کتنی بیویاں چھوڑ آئے ہو؟''

''تین''

''خدا کرے کہ یہ چوتھی خیریت سے آپ کے ساتھ منزل تک پہنچ جائے'' یہ کہتے ہوئے اس نے زوردار قہقہہ لگایا جسے سن کر میاں بیوی دونوں ہی سہم گئے۔

''دولت اور عورت سے حد سے بڑھی ہوئی محبت انسان کو کتنا بزدل بنا دیتی ہے، اگر مجھ سے کوئی میرے مال اور بیوی کا مطالبہ کرے تو میں تلوار کھینچ کے اس کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور اسے کہوں گا کہ میری لاش سے گزر کر ہی یہ چیزیں مجھ سے چھین سکتے ہو'' عبید نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ امیر آدمی اسے بڑی حیرت سے دیکھتا رہا۔

''آپ کی اسی کمزوری نے صلاح الدین ایوبی کو آپ پر دلیر کر دیا ہے اور آپ نے اتنی آسانی سے دمشق اس کے حوالے کر دیا۔ آپ تسلی رکھیں ایوبی کا سپاہی ضرور رہا ہوں لیکن اب میں بھگوڑا ہوں، مجھے اس کی حرکتوں سے نفرت ہوگئی ہے۔ وہ خود تو عیاشیاں کرتا ہے اور ہمیں دین کے نام پر صلیبیوں سے لڑنے مرنے کے لیے خشک اور روکھی پھیکی زندگی گزارنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔ میں تو دمشق کی رنگا رنگ زندگی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ سلطان ملک الصالح آپ کے لیے کتنی بڑی نعمت ہے۔ سلطان کے مشیروں نے صلیبیوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا کر امن کے قیام کے لیے جو قوم پر احسان کیا ہے، صلاح الدین ایوبی جیسے سلطنت کی ہوس میں مبتلا شخص کو یہ ایک آنکھ نہیں بھا رہا'' اس نے بڑے آزردہ لہجے میں کہا۔ ''مجھے ان چند سالوں میں یہ بات

سمجھ آ گئی ہے کہ سلطان زنگی ہو یا اس کا بیٹا، خاندانی لوگ خاندانی شرافت کا لحاظ کرتے ہیں۔ اور ایوبی جیسا ایک سپاہی زادہ امیر مصر بن کر بھی اپنے محسن کا احسان کش ہی ثابت ہوتا ہے۔ اب بس میری یہی خواہش ہے کہ ملک الصالح اپنے اس عقیدت مند کو اپنی خدمت میں قبول کر لیں تو زندگی کو خاندان زنگی کی نذر کر دوں" اس نے عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد پھر گویا ہوا:

"آپ بہت ہوشیار آدمی ہیں۔ مجھے باتوں میں لگا کر آپ نے میرے بارے میں سب کچھ مجھ سے اگلوا لیا لیکن اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" عبید نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے نہایت بھولپن سے کہا۔ "ویسے آپ جیسے سمجھدار انسان کو کسی بادشاہ کا مشیر ہونا چاہیے۔" اس نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"میں دمشق میں بھی بادشاہ تھا۔ اور اب جہاں جا رہا ہوں، وہاں بھی بادشاہ ہوں گا" امیر آدمی نے سینہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں" عبید نے سادگی سے پوچھا۔

اس کے اس سوال کے جواب میں امیر نے بتایا کہ اس کا نام عماد الدین ہے اور دمشق کے نواحی علاقے کا جاگیردار تھا اور سلطان کے دربار میں دفاعی معاملات کا مشیر ہے۔ سلطان کے باڈی گارڈ دستے کے زیادہ تر سپاہی اس کی طرف سے بھرتی کروائے گئے ہیں۔ سلطان الملک الصالح نے دمشق سے فرار ہوتے ہوئے اپنے وفادار امراء سے کہا تھا کہ وہ سب حلب شہر پہنچیں، اسے اپنا قیمتی خزانہ سمیٹنے میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ اسے افسوس تھا کہ اس کے محافظ اور دیگر ملازم دمشق میں ہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ پھر عماد الدین نے عبید سے سوال کیا:

"اگر میں تمھیں اپنا محافظ رکھنا چاہوں تو تم کیا مشاہرہ لینا چاہو گے؟"

"میرا مشاہرہ آپ میری قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد خود ہی مقرر کر لینا۔ میں آپ کو

یقین دلاتا ہوں کہ مجھے محافظ بنانے کی صورت میں آپ کو کسی فوجی مشیر کی ضرورت نہیں رہے گی'' عبید نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔



''امیر محترم! آپ کی بیٹیاں فوج کے شانہ بشانہ دشمنوں سے لڑنے کے لیے تیار ہیں'' دمشق کی خواتین کے ایک وفد نے صلاح الدین ایوبی کو اپنی عرضداشت پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ہماری فوجی تربیت کا سامان کریں، ہزاروں رضا کارلڑکیاں اس وقت فوجی تربیت لینے کے لیے بیتاب ہیں۔''

''میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں اور سلطان زنگی مرحوم کی بیوہ نے آپ لوگوں کو جس طرح منظّم کیا ہے اس نے ہمارے کام میں بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ اگر کسی وقت تمھاری ضرورت میدان جنگ میں محسوس کی گئی تو تمھاری خدمات بھی لی جائیں گی۔ البتہ اس وقت تمھارا اصل محاذ تمھارا گھر ہے۔''

''لیکن ہم گھروں سے نکل کر جہاد میں حصہ لینے کی خواہش مند ہیں تاکہ قوم کو ذلت وشکست خوردگی سے نکالیں'' خواتین نے کہا۔

''تمھارے بھائی محاذ جنگ کو کامیابی سے سنبھالے ہوئے ہیں۔ انھیں مزید تمھارے بھائیوں، کی محاذ پر ضرورت ہے۔ اگر تم مائیں ہو تو اپنے بیٹوں کو مجاہد بناؤ، بہنیں ہو تو بھائیوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرو۔ بیوی ہو تو شوہروں کو اسلام کا پاسبان بناؤ......ہم تمھاری عسکری تربیت کا اہتمام ضرور کریں گے۔ لیکن یاد رکھنا کہ تمھیں گھروں میں شفیق مائیں، حیادار بہنیں اور وفا شعار بیویاں بننا ہے۔ اگر تم یہ کر گزرتی ہو تو ہر گھر سے ملک وملت کے وفادار مجاہد نکلیں گے۔ ہاں، ایک فوری محاذ تمھاری توجہ کا مستحق ہے۔'' سلطان ایوبی نے یہ کہتے ہوئے توقف کیا۔

''وہ کیا ہے سلطان معظم!'' خواتین نے بہ یک زبان پوچھا۔

''ہم نے عیاش امراء اور حکام کے گھروں سے بہت سی لڑکیاں برآمد کی ہیں۔ جن کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ ان عیاش لوگوں نے انھیں اپنے حرم کی زینت بنا رکھا تھا، ایسی اور بہت سی لڑکیاں لاوارث پھر رہی ہوں گی جو حالات کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ انھیں تلاش کرو، ان کے والدین اور سرپرست تلاش کرو، جن کا کوئی سہارا نہیں، ان کی تعلیم و تربیت اور شادیوں کا انتظام کرو، اور ان صلیبی جاسوس لڑکیوں کا بھی سراغ لگاؤ جو ایسی لڑکیوں کو اپنے جال میں پھانس لیتی ہیں۔ اگر تم یہ کر گزرو تو صلاح الدین ایوبی سمجھے گا کہ اس کی ملت کی خواتین کی قوت اس کی پشت پر موجود ہے۔''

سلطان ایوبی کی یہ بات سن کر تمام خواتین نے عہد کیا کہ وہ اپنے حکمران کی ان ہدایات پر عمل کر کے ثابت کریں گی کہ وہ دفاعِ ملت کی جنگ میں کسی طرح بھی مردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔



سلطان الملک الصالح، سعد الدین گمشتگین اور دیگر چند حاشیہ بردار امراء کے ساتھ حلب پہنچ چکا تھا۔ یہاں گمشتگین کے ہم خیال اُمراء کی تعداد زیادہ تھی جس کے باعث وہ حلب کو اپنے لیے محفوظ پناہ گاہ سمجھتا تھا۔ ملک الصالح کے امراء فوج کو نئے سرے سے منظم کر رہے تھے۔ اس کے پاس خزانے کی کمی نہیں تھی۔ کمی صرف تربیت یافتہ فوجی سالاروں کی تھی۔ اس کے حامی امراء کو صلیبیوں سے زیادہ صلاح الدین ایوبی سے لڑنے اور اپنی سلطنت کو بحال کرنے کی بے تابی تھی۔ حلب پہنچتے ہی امیر عماد الدین سلطان کے جنگی مشیر ہونے کی حیثیت سے اتنا مصروف ہو گیا کہ سارا سارا دن گھر نہ آتا اور بعض اوقات آدھی رات کو گھر آتا۔ پردیس کے اندر امیر کی بیوی ایمن کا کوئی مونس اور واقف نہ تھا۔ وہ اکثر عبید سے دمشق کی یادوں کو تازہ کرتی رہتی۔ عبید کے باوقار اور سنجیدہ انداز سے وہ بہت متاثر تھی اور باتیں کرتی ہوئی بالکل ہی بھول جاتی کہ عبید ان کا ملازم ہے۔

''تمھارے خاوند کی باقی بیویاں کیسی ہیں؟'' عبید نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

"اچھی ہیں لیکن یہ انھیں محض پرانی ہونے کی وجہ سے چھوڑ آیا اور صرف مجھے لے کر بھاگ آیا۔"

"اور ایک دن یہ تمھیں بھی چھوڑ کر کسی اور کو لے آئے گا۔ امیروں کے لیے یہ ایک مشغلہ ہے" اس نے لڑکی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ تو میں بھی سمجھتی ہوں" لڑکی نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر وہ خاموش رہی جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو لیکن کہنے کے بارے میں متذبذب ہو۔ پھر اس کے لب پھڑ پھڑائے۔ "اگر میں تمھیں دل کی بات بتا دوں تو تم میرے خاوند کو تو نہیں بتا دو گے؟"

"عورت کو فریب دینا مرد کی شان کے خلاف ہے۔ دھوکہ دینا ہوتا تو میں اسی وقت تمھارے خاوند کو قتل کر کے تمھارے سامان پر اور تم پر قبضہ کر لیتا جب تم سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"یہ راز میں زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکتی کہ مجھے اپنے خاوند سے شدید نفرت ہے۔ میں ایک بکی ہوئی لڑکی ہوں جس کے لالچی باپ نے اپنی حیثیت میں اضافے کے لیے اس امیر کے ہاتھ میں میرا ہاتھ دے دیا۔ کئی بار دل میں آیا کہ میں خود کو ختم کر دوں لیکن اپنی کم ہمتی اور بزدلی کے باعث ایسا نہ کر سکی۔ اب تم نے میرے خیالات اور آرزوؤں کو چکنا چُور کر دیا ہے اور مجھے ساری دُنیا کے لوگ اور اپنی زندگی بالکل فضول لگتی ہے اور میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ خود کو ختم کر ڈالوں" لڑکی نے جذباتی مگر اداس لہجے میں کہا۔

"میں نے تمھارے کن خیالات کو چکنا چُور کیا ہے؟" عبید نے حیرانی سے پوچھا۔

"میرے ذہن میں نورالدین زنگی کے بعد ایک صلاح الدین ایوبی کا تصور ہی تھا کہ جو امت کی بیٹیوں کے لیے نجات دہندہ بن سکتا ہے لیکن تم نے تو میرے اس تصور کو بھی چکنا چور کر دیا۔ اگر صلاح الدین ایوبی بھی ایسا ہی ہوس پرست ہے جیسے ہمارے یہ امراء تو پھر ایسی دنیا میں زندگی گزارنا مجھے بے معنی سا لگتا ہے۔ جہاں درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری۔" یہ کہتے

ہوئے وہ سسکیاں لینے لگی۔

''یقیناً صلاح الدین ایوبی کا کردار اس سے کہیں زیادہ پاکیزہ ہے جتنا تمھارے ذہن میں اس کا تصور ہے۔ وہ ان امیروں اور وزیروں کا سخت دشمن ہے جو عورتوں کو محض اپنی تفریح اور عیاشی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور انھیں اپنے حرم کی زینت بناتے رہتے ہیں۔'' عبید نے جب یہ باتیں کیں تو وہ اسے بڑی حیرت سے تکنے لگی اور پھر گویا ہوئی:

''تم جانتے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تم محض میرا دل رکھنے کے لیے ایسا کہہ رہے ہو؟''

''یہ میں اصل حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ صلاح الدین ایوبی کے خلاف جو باتیں میں نے کی تھیں وہ محض جھوٹ تھا جو میں نے تمھارے خاوند کا دل جیتنے کے لیے بولا تھا۔ تم نے اگر مجھے اپنا ہمراز بنایا ہے تو میں بھی تمھیں ایک راز دیتا ہوں لیکن میں اس کی حفاظت کے لیے تم سے کوئی وعدہ نہیں لوں گا۔ اگر میرا راز فاش ہوا تو نہ تم زندہ رہو گی اور نہ تمھارا خاوند۔ وہ راز یہ ہے کہ میں صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہوں۔ پہلے میں سلطان زنگی کے لیے کام کرتا تھا اور اب میں اسی دین وملت کی خاطر ایوبی کے حکم پر یہاں کام کرنے آیا ہوں۔''

''میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تم ان عیاش امراء اور ان کے نوابوں کی طرح نہیں ہو۔'' یہ کہتے ہوئے لڑکی کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ پھر اس نے عبید کا ہاتھ پکڑ کے بے ساختہ چوم لیا۔

''تمھارا یہ راز اس سینہ میں دفن رہے گا۔ مجھے بتاؤ کہ تمھارے اس کام میں میں تمھاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟ میں خواتین اسلام کی اس جماعت میں رہی ہوں جو زنگی مرحوم کی زندگی میں ان کی ملکہ رضیع خاتون کی سرپرستی میں کام کرتی تھی۔ میرے باپ کو میرا اس جماعت کی خواتین سے ربط ضبط پسند نہیں تھا۔ اس کے نزدیک صلیب اور ہلال میں کوئی فرق نہیں۔ اسے صرف سرکاری مناصب اور مفاد سے غرض تھی۔'' اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر بولنے لگی۔ ''میں

چونکہ اپنے خاوند کی پہلی بیویوں سے زیادہ خوب صورت اور جوان تھی، اس لیے وہ مجھے ہر گھڑی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اسے ایک کھلونے کی ضرورت تھی اور اس کی یہ ضرورت مجھ سے پوری ہو رہی تھی۔ باہر کی دنیا سے کٹ کر میں ایک اور ہی دنیا میں قید تھی۔ جہاں یا تو شراب و شباب اور رقص و سرود تھا یا نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کی سازشیں تھیں۔ ممکن ہے تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم میرے خاوند کے جاسوس ہو۔ اگر تم میرے خاوند کو یہ تمام باتیں بتا دو تو میں اس کی تمام اذیتوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میری روح مر چکی ہے۔ ایک جسم رہ گیا، سو وہ بھی پتھر بن چکا ہے'' یہ کہتے ہوئے وہ نڈھال سی ہو چکی تھی۔

''نہیں تمھاری روح مر نہیں سکتی'' عبید نے لڑکی کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ ''جو لوگ اپنی ذات سے بلند ہو کر سوچتے ہیں، ان کی روح کو فنا نہیں۔ اگر تمھاری روح زندہ نہ ہوتی تو میں کبھی تمھیں اپنا راز دار نہ بناتا۔ روح ان عیاش امراء کی مر چکی ہے جو دین و ملت کو بیچ کر غیروں کی چاکری کرنے کو قابل فخر سمجھتے ہیں۔ تم پر جو بیتی ہے یہ محض تمھاری داستان نہیں ہے، امت کی ہر بیٹی کی داستان ہے۔ مسلمانوں نے جب سے عورت کو ذریعۂ تفریح سمجھنا شروع کیا، غیروں نے ان کی تفریح طبع کے لیے اپنی جاسوس لڑکیاں ان کے حرم میں داخل کر دیں۔''

''میں نے اپنی آنکھوں سے صلیبی لڑکیوں کو اپنے خاوند کے ساتھ شراب پیتے دیکھا ہے لیکن سوائے رونے دھونے کے اور کر ہی کیا سکتی تھی'' لڑکی نے بے بسی کے انداز میں کہا۔

''تم بہت کچھ کر سکتی ہو'' عبید نے کہا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں، البتہ تم جس مقصد کے لیے آئے ہو، اس میں تعاون کے لیے میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔''

''کیا تم سرکاری راز کی باتیں اس کے منہ سے اُگلوا سکتی ہو؟'' عبید نے پوچھا۔

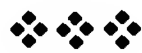
''شراب کا پیالہ پلانے کے بعد، اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر اس سے کسی قسم کا راز لینا کوئی مسئلہ نہیں لیکن......'' یہ کہتے ہوئے لڑکی کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی۔ ''لیکن اگر میں تمھارا یہ کام کر دوں تو مجھے کیا ملے گا؟'' یہ کہہ کر اس نے عبید کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

''تم کیا چاہتی ہو؟''

''یہ کہ جب تم یہاں سے جانے لگو تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے!'' عبید نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ایمن کو بتایا کہ اکثر امراء سلطنت کا بٹوارہ کر کے الگ الگ خود مختار ریاستوں کی صورت میں رہنا چاہتے ہیں۔ اور یہی صلیبیوں کی خواہش ہے کہ انھیں الگ الگ کر کے ہڑپ کرنا آسان ہو جائے گا۔ دونوں کی خواہش کے راستے میں اب اگر کوئی رکاوٹ ہے تو وہ صرف صلاح الدین ایوبی ہے۔ دونوں صلاح الدین ایوبی َ واپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ایک نادانی کے باعث اور دوسرا دانائی کی وجہ سے اسے اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ سلطان الملک الصالح کے گرد موجود امراء ایوبی کے خلاف صلیبیوں کی مدد لینے سے بھی نہیں چوکیں گے۔ اور صلیبی انھیں مدد دینے کا موقع نہیں گنوائیں گے اور اس طرح وہ ان کے ہمدرد بن کر انھیں بساط کے مہروں کی طرح استعمال کریں گے۔'' اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر گویا ہوا: ''تم اپنے خاوند سے معلوم کرو کہ ایوبی کے خلاف صلیبیوں اور ملک الصالح کے درمیان کیا جنگی منصوبے بن رہے ہیں؟ ایوبی کو بر وقت اس راز سے آگاہ کرنا بہت اہم ہے۔''

''میں تمھیں راز بھی دوں گی اور دعا بھی کروں گی کہ جب تم اس راز کے ساتھ دمشق جا رہے ہو تو میں بھی تمھارے ساتھ ہوں۔''



''کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو اپنی توہین برداشت نہ کرتا جو ایوبی نے تمھیں دمشق سے نکال

کر کی ہے'' ایمن نے اپنے شوہر کو شراب کا دوسرا پیالہ پکڑاتے ہوئے کہا۔ امیر عمادالدین نے مخمور آنکھوں سے ایمن کی طرف دیکھا اور کہا:

''یہ مردوں کے فیصلے ہیں تم عورتیں انھیں کیا سمجھو!'' امیر نے ایمن کا بازو پکڑتے ہوئے کہا

''ہاں یہی تمھاری مردانگی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے ڈر سے چوہوں کی طرح اپنے سلطان کے ہمراہ حلب میں چھپے بیٹھے ہو'' ایمن نے بڑے ناز سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا

''ایوبی بے چارا چند دنوں کا مہمان ہے۔ حشیشین کے فدائیوں کے مرشد شیخ سنان سے معاملہ طے پا رہا ہے۔ انھیں منہ مانگا انعام دے کر صلاح الدین ایوبی کو ٹھکانے لگوا دیا جائے گا۔ اسے کہتے ہیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے'' عمادالدین نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک! تو اب ساری امیدیں باطنی فدائیوں سے وابستہ ہیں، خود مقابلہ کرنے کی ہمت جواب دے گئی ہے'' ایمن نے اس کی مردانگی پر چوٹ کرتے ہوئے کہا۔

''ہم خود بھی مقابلہ کریں گے لیکن تیاری کے ساتھ''

''کیسی تیاری؟ یہ جو روزانہ شراب کے جام پہ جام لنڈھائے جا رہے ہیں، اسی قسم کی تیاری لگتی ہے آپ کی'' ایمن نے بڑے ناز سے کہا۔

''سنو! طرابلس کے صلیبی بادشاہ ریمنڈ کی طرف ایوبی کے خلاف مدد کے لیے سفیر بھیج دیا گیا ہے، جس کا عنقریب مثبت جواب آجائے گا۔ ابھی سردیوں کا آغاز ہے۔ پہاڑوں پر برفباری شروع ہو چکی ہے۔ ایوبی اپنی صحرائی فوج کو اتنی سردی اور برفباری میں ہمارے مقابلے میں نہیں لڑا سکتا۔''

ایمن ہر رات اپنے خاوند سے اسی طرح باتوں باتوں میں بہت سے راز اگلوا لیتی اور اگلے دن عبید کو بتا دیتی۔



''ملازموں نے تمھارے بارے میں مجھے ایک قابل اعتراض بات بتائی ہے'' امیر عمادالدین نے ایک رات عبید کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا۔ راز فاش ہونے کے خوف کی ایک ٹھنڈی لہر عبید کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ لیکن وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ اس نے نئے حالات کے لیے خود کو تیار کرنا شروع کیا اور نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا:

''آقا! مجھ سے ایسا کیا قصور سرزد ہوا ہے۔''

''میری غیر موجودگی میں تم میری بیوی کے پاس بیٹھتے ہو۔ تم جوان بھی ہو اور خوبرو بھی۔ تم اسے ورغلانا چاہتے ہو لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ تم نے اگر ایسی حماقت کی تو یاد رکھنا میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا'' امیر عمادالدین کی آواز میں لرزش پیدا ہو چکی تھی۔

''نہیں، میرے آقا! میں ایسی نمک حرامی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ مجھ سے حلف لے سکتے ہیں'' عبید نے بڑی لجاجت آمیز انداز میں کہا۔ عبید کا مشن ابھی پورا نہیں ہوا تھا اس لیے وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے امیر کی ڈانٹ ڈپٹ بھی برداشت کی اور اس کی دھمکیوں سے خود کو خوف زدہ ظاہر کرتے ہوئے گویا ہوا:

''حضور! بیگم محترمہ دمشق کی جدائی میں وہاں کی یادیں تازہ کرتی رہتی ہیں۔ اگر آپ ان کے پاس میرا بیٹھنا پسند نہیں کرتے تو میری کیا مجال کہ میں ان سے گفتگو بھی کروں۔''

اس گفتگو کے نتیجے میں امیر نے عبید کو معاف تو کر دیا لیکن احتیاط کے پیش نظر اگلے دن تین محافظ اور لے آیا اور ان میں سے ایک کو کمانڈر بنا دیا۔ جس نے عبید کو مالک کا یہ پیغام سنایا کہ آقا کی نظر میں مشتبہ ہونے کے باعث وہ زنانخانے کے دروازے تک نہیں جا سکتا اور رات کو تھوڑی دیر کے لیے بھی غیر حاضری کی اجازت نہیں ہے۔ امیر نے اپنی بیوی کے عبید سے ملنے پر بھی پابندی لگا دی۔



صلاح الدین ایوبی نورالدین زنگی کا وفادار سپہ سالار رہا تھا۔ سلطان زنگی کی وفات کے بعد حالات ایسے دگرگوں ہوئے کہ اہل دمشق کی فریاد پر لبیک کہتے ہوئے اسے دمشق کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ دمشق میں اپنی مضبوط گرفت کے باوجود خاندان زنگی سے عقیدت و وفاداری کے باعث اور صلیبی خطرے کے مقابلے میں ملت اسلامیہ کے اتحاد کے پیش نظر وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ نابالغ حکمران ملک الصالح کی غلط فہمیاں دور کر سکے۔ وہ اس سے تنہائی میں مل کر ان امراء سے اسے خبردار کر سکے جو اس کے والد کے دور میں بھی کبھی وفادار نہیں رہے تھے۔

سلطان زنگی کی بیوہ کی یہ بہت بڑی قربانی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے کے لیے ماتا کے جذبات پر ملت کے مفاد کو ترجیح دی۔ لیکن ماں تو آخر ماں ہوتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کی بے راہ روی اور مفاد پرست امراء کے ہاتھوں میں کھلونا بنتے دیکھ کر جس درد و کرب سے گزر رہی تھی، صلاح الدین ایوبی اس سے غافل نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ سلطان زنگی کی بیوہ کی طرح کسی طرح اس کے بیٹے کو بھی ملت کا پشتی بان بنا کر کھڑا کر دے تاکہ ماں کے مضطرب دل کو قرار آ جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے ایک معتمد خاص کو ایک خط دے کر حلب بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ وہ سلطان ملک الصالح سے خلوت میں ملاقات کا وقت لینے کی کوشش کرے۔

والئی مصر کا مکتوب جب حلب کے دربار میں پڑھا گیا تو گمشتگین اور دیگر مفاد پرست امراء کو فکر دامن گیر ہوئی۔ انھوں نے والئی مصر کے سفیر کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا اور اس پر کڑی نظر رکھی کہ وہ سلطان ملک الصالح سے دوبارہ ملاقات نہ کر سکے۔

دربار برخواست کر دیا گیا۔ سلطان کے پاس صرف چند مخصوص امراء ہی رہ گئے۔

''سلطان معظم! صلاح الدین ایوبی اگر خاندان زنگی سے مخلص اور وفادار ہوتا تو دمشق پر چڑھائی ہی کیوں کرتا؟'' ایک امیر نے کہا۔

''سلطان محترم! اس خط کے مندرجات سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تمام ملت اسلامیہ کے مفاد کا ٹھیکہ صلاح الدین ایوبی نے اٹھایا ہوا ہے اور سلطان معظم اور اس کے تمام وفادار امراء ملت اسلامیہ کے غدار اور منافق ہیں'' گمشتگین نے کم سن حکمران کو مشتعل کرنے کے لیے انتہائی مکاری سے چہرے پر مصنوعی رنج وغم کی کیفیت طاری کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس غلام زادے کو اس سرکشی کی سزا دے سکے'' سلطان الملک الصالح نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

سلطان کے اس سوال پر کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ مفاد پرست اور عیاش وعیار امراء میں سے کسی میں بھی صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ بالآخر زنگی خاندان کا ایک امیر قطب الدین بن حسان کھڑا ہوا اور بڑے ٹھہرے لہجے میں گویا ہوا:

''سلطان معظم! ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی سے برابری کی سطح پر گفتگو کر رہے ہیں۔''

''پھر کیا کرنا چاہیے؟'' سلطان کے لہجے میں ابھی تندی وتیزی موجود تھی۔

''آپ ایک بار اس کے سامنے اپنی آقائیت کا مظاہرہ کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ خوف زدہ ہو کر آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا بلکہ سر بھی۔''

طویل بحث ومباحثہ کے بعد صلاح الدین ایوبی کے لیے ایک جوابی خط تحریر کیا گیا اور قطب الدین بن حسان خط لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوا۔



تخریب کاری

اپنے ہرکاروں کی اطلاع پر صلاح الدین ایوبی امیر قطب الدین کے بھرپور استقبال کے لیے پانچ سو گھڑسواروں کے ساتھ دمشق سے باہر نکلا۔ کیونکہ امیر قطب الدین خاندان زنگی کا معزز فرد تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے سلطان زنگی کی نسبت ہی سب کچھ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ خاندانِ زنگی کے ایک فرد کے ساتھ رازداری کی باتیں زیادہ پُر اعتماد ماحول میں ہوسکیں گی۔

امیر قطب الدین بن حسان کے ساتھ چالیس مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ تھا۔ جب صلاح الدین ایوبی کا اس سے سامنا ہوا تو وہ سلطان کے سفیر کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے گھوڑے سے اتر آیا۔

امیر قطب الدین نے ایوبی کے سلام کا جواب گردن کو محض تھوڑا سا خم دے کر دیا اور بدستور گھوڑے پر بیٹھا رہا۔ قطب الدین کی شکن آلود جبین اور چہرہ کبر ونخوت کے جذبات کا آئینہ دار تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ ملک الصالح کا یہ رشتے دار کس ارادے سے دمشق آیا ہے۔ وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور امیر قطب الدین کو اپنے ہمراہ لے کر محل میں پہنچا اور اسے ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں ٹھہرایا۔ اس نے خدمت گاروں کو تاکید کی کہ وہ شاہی سفیر کی بہترین خاطر مدارت کریں۔

خاندانی نخوت سے سرشار امیر قطب الدین کا خیال تھا کہ صلاح الدین ایوبی اس کی خدمت میں دوبارہ حاضری دے کر ایک غلام کی حیثیت سے اس کے سامنے منت اور گریہ زاری

کرے گا۔ لیکن صلاح الدین ایوبی نے ایک مرتبہ بھی ادھر کا رخ نہ کیا۔ رات کے کھانے پر جب دستر خوان چن دیا گیا تو بھی دستر خوان پر صلاح الدین ایوبی موجود نہ تھا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر امیر قطب الدین نے تحقیر آمیز لہجے میں خدمتگاروں سے کہا:

''مہمان نوازی کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ میزبان غیر حاضر ہے۔''

''عالی جاہ! ہمارے امیر ہر شخص کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے'' خدمت گار نے صلاح الدین ایوبی کی ہدایت کے مطابق جواب دیا۔ امیر قطب الدین اس جواب پر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ پھر اس نے خدمت گاروں کو انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا:

''اپنے امیر کو بتاؤ کہ ہم کھانے سے پہلے شراب پینے کے عادی ہیں، لہٰذا فوراً ہمارے لیے بہترین شراب کا اہتمام کیا جائے۔''

''محترم مہمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے امیر شراب کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس جرم کے مرتکب کو کوڑے مارے جاتے ہیں، اور اس سزا کے نفاذ میں امیر اور غریب کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا'' خدمت گار نے نہایت باوقار انداز میں جواب دیا۔

''اپنے امیر سے کہو کہ ہم اسی وقت اُسے ملنا چاہتے ہیں'' امیر قطب الدین غصے سے پھٹ پڑا۔

''ہمارے امیر کی ضروری مصروفیات کے باعث آپ سے اُن کی ملاقات تین دن بعد ہی ممکن ہے'' ناظم مہمان خانہ نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

امیر قطب الدین کو ایسی سبکی سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے اپنے فوجی افسران کے ہمراہ کھانا ایسے کھایا جیسے وہ بھیک میں دیے ہوئے نوالے نگل رہا ہو۔ اگلی صبح امیر قطب الدین نے ناظم مہمان خانہ کو اپنے کمرے میں بلوایا اور کہا:

''ہم والئ مصر سے آج ہی ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔''

"عالی جاہ! ابھی ایک ہی دن گزرا ہے، دو دن ابھی باقی ہیں۔ اس سلسلے میں مَیں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا" ناظم نے اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اپنے امیر کو جا کر بتا دو کہ ہم واپس حلب جا رہے ہیں۔ اور اس طرح ہماری واپسی کے نتائج بہت خوف ناک ہوں گے" امیر قطب الدین نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"میں آپ کا پیغام امیر محترم کو پہنچا دیتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ مہمان خانے سے چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آ گیا اور کہنے لگا:

"امیر محترم نے فرمایا ہے کہ اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو تشریف لے جا سکتے ہیں، ہمارے سپاہی دمشق کی سرحد تک بحفاظت آپ کو چھوڑ آئیں گے" ناظم مہمان خانہ نے بڑے ادب سے کہا۔

امیر قطب الدین کو اب سمجھ آ گئی کہ معاملہ کافی بگڑ چکا ہے۔ جس طنطنے کا مظاہرہ اس نے استقبال میں کیا تھا، وہ طنطنہ اس کے گلے کا طوق بن چکا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایوبی سے ملاقات کیے بغیر حلب کیسے جائے۔ اس نے جو منصوبہ بندی کی تھی، وہ سب دھری کی دھری رہ گئی۔



"اسے پڑھ اور ابھی اس کا جواب دو۔" امیر قطب نے صلاح الدین ایوبی کو شاہی مکتوب پکڑاتے ہوئے اس لہجے میں مخاطب کیا کہ جیسے کوئی آقا غصے میں اپنے غلام کو پکارتا ہے۔ اس کے چہرے پر غصے اور نفرت کا رنگ نمایاں تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے اسے تیسرے دن اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ خلاف عادت آج صلاح الدین ایوبی نے اپنے مہمان کا کھڑے ہو کر استقبال بھی نہیں کیا۔ ملک الصالح کے سفیر کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ والئ مصر اسے مسلسل نظر انداز کر رہا ہے۔ اس لیے وہ بھی کھڑا رہا اور اسی حالت میں حلب کے امراء کے مشورے سے لکھا گیا سرکاری خط صلاح الدین ایوبی کی طرف بڑھا دیا۔ ایوبی نے مسکراتے ہوئے وہ خط امیر قطب الدین کے ہاتھ سے لے لیا اور خود ہی

باآواز بلند پڑھنا شروع کر دیا۔

''نجم الدین ایوب کے بیٹے! اگر تو اپنی خاندانی حیثیت بھول گیا ہے تو ہم تجھے یاد دلاتے ہیں کہ تو سلطان نور الدین زنگی کا ایک حقیر غلام تھا۔ اسی حیثیت سے تجھ پر اپنے آقا زادے کی اطاعت فرض ہے۔ بصورت دیگر جن تلواروں نے تجھے مصر کا مالک بنایا تھا وہ تجھے مصر اور دمشق سے بے دخل بھی کر سکتی ہیں۔'' خط پڑھنے کے بعد صلاح الدین ایوبی خط پر ثبت مہروں کو دیکھ رہا تھا کہ امیر قطب الدین اسی تحقیر آمیز لہجے میں گویا ہوا:

''تو نے خط پڑھ لیا؟ اس سے پہلے کہ میں حلب کا رخ کروں، تو اپنے گھوڑے کی لگامیں مصر کی طرف موڑ لے۔''

صلاح الدین ایوبی کے ہونٹوں پر ایک مخصوص مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ جس میں طنز و حقارت کی بجائے صبر و تحمل اور بے نیازی کی جھلک نمایاں تھی اور پھر اس نے بڑے آرام سے اس خط کے دو ٹکڑے کیے اور پھر چھوٹے چھوٹے پرزے کرتا چلا گیا۔ حیرت کی شدت سے امیر قطب الدین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کیفیت سے جونہی وہ باہر آیا، صلاح الدین ایوبی کو بدترین گالیاں دینے لگا۔ والئ مصر نے انتہائی صبر و ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خادم کو آواز دی۔ دوسرے ہی لمحے دراز قامت مسلح سپاہی والئ مصر کے حکم کا منتظر کھڑا تھا۔ صلاح الدین ایوبی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کا تاثر جھلک رہا تھا۔

''تم لوگوں نے ملت اسلامیہ کے ساتھ جو منافقانہ روش اپنا رکھی ہے، اس کی کم از کم سزا یہ تھی کہ میں تمھارا منہ کالا کر کے تمھیں دمشق میں پھراؤں اور تمھارے کالے کرتوتوں سے تنگ عوام جوتوں سے تمھاری تواضع کریں۔ صرف سفیر کے منصب کا یہ تقاضا ہے کہ تمھاری تمام تر بے ہودگی کے باوجود تمھیں یہاں سے مناسب طریقے سے رخصت کر دوں۔'' صلاح الدین ایوبی نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر انتہائی تلخ لہجے میں گویا ہوا:

''اپنے اعلیٰ نسب امراء کو بتا دینا کہ آئندہ یہ غلام زادہ تم سے زبان یا قلم کی بجائے تلوار کی نوک سے بات کرے گا۔'' یہ کہہ کر صلاح الدین ایوبی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ امیر قطب الدین پر گویا سکتہ طاری تھا۔



''تم یہیں کھڑے رہتے ہو یا مکان کے اردگرد چکر بھی لگاتے ہو؟'' آدھی رات کے وقت ایمن آقاؤں کے پورے جلال کے ساتھ باڈی گارڈ پر گرج رہی تھی۔ یہ باڈی گارڈ صدر دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ ''ہمارے دمشق والے محافظ بہت چاک و چوبند تھے۔ تم نے اگر یہاں نوکری کرنی ہے تو چوکس بن کر رہنا پڑے گا۔ آقا بہت سخت طبیعت کے مالک ہیں۔'' ایمن کی بات سن کر محافظ نے احترام سے سر جھکا لیا۔ اس کے بعد وہ اس خیمے کی طرف چل پڑی جس میں دوسرے محافظ سوئے ہوئے تھے۔ دروازے والے پہرے دار نے اپنے کمانڈر کو جگایا اور بتایا کہ مالکہ معائنے کے لیے آئی ہے۔ کمانڈر ہڑبڑا کر اٹھا اور ایمن کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

اگلے خیمے کے قریب پہنچ کر وہ بلند آواز سے کمانڈر کو بھی ہدایات دینے لگی۔ عبید اسی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ آوازیں سن کر وہ بھی بیدار ہو گیا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا خیمے سے باہر آیا تو ایمن نے اس سے اس طرح بات کی جیسے وہ اسے اچھی طرح جانتی نہ ہو۔

''تم شاید پہلے والے محافظ ہو؟''

''جی محترمہ!'' عبید نے مودب لہجے میں کہا۔

''اس آدمی کو جلدی تیار کرو!' ایمن نے عبید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محافظوں کے کمانڈر کو حکم دیا۔ ''یہ میرے ساتھ قصر سلطنت تک جائے گا۔ دو گھوڑے فوراً تیار کرو۔''

''اگر آقا آپ کے متعلق پوچھیں تو میں انھیں کیا جواب دوں؟'' کمانڈر نے پریشان لہجے

میں پوچھا۔

''میں سیر سپاٹے کے لیے نہیں جا رہی'' ایمن نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''آقا کے ہی کام جا رہی ہوں۔ سرکاری امور سے متعلق کریدمت کرو۔ تم جلدی سے گھوڑے تیار کرو۔''

کمانڈر نے ایک پہریدار کو گھوڑے تیار کرنے کے لیے اصطبل کی طرف دوڑا دیا۔ چند لمحوں میں عبید مسلح ہو کر خیمے سے نکل آیا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی اہم واقعہ ہونے والا ہے۔ ایمن کی آج کی کارروائی کو دیکھ کر وہ جان گیا کہ ایمن واقعی ملکہ رضیع خاتون کی تربیت گاہ کی تربیت یافتہ ہے۔ ایمن اسے اصطبل کی طرف لے گئی۔

ایمن کے خاوند کا کمانڈر کو حکم تھا کہ وہ عبید پر نظر رکھے اور اسے گھر کے اندر نہ جانے دے۔ اب ایمن نے عبید کو ہی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ جب وہ دونوں اصطبل کی طرف چلے گئے تو کمانڈر دوڑ کر ایمن کے خاوند کو اطلاع کرنے چلا گیا تا کہ تصدیق ہو جائے۔ مالکہ ہونے کی حیثیت سے وہ ایمن کو روک بھی نہیں سکتا تھا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے آقا کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھل گیا۔ کمرے میں شراب کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ اندر قندیل جل رہی تھی جس کی روشنی میں اس نے اپنے آقا کو اس حال میں دیکھا کہ اس کا سر اور بازو پلنگ پر لٹک رہے تھے۔ ایک خنجر اس کے سینے میں پیوست تھا۔ بستر اور قالین پر خون ہی خون تھا۔ کمانڈر نے اس کی نبض دیکھی، وہ مر چکا تھا۔

ایمن نے عبید کو بتایا کہ اس نے اپنے خاوند سے فوجی منصوبہ معلوم کر لیا ہے۔ اس نے اپنے خاوند کو روزمرہ کی طرح اتنی زیادہ شراب پلائی کہ وہ بے ہوش گیا۔ وہ بے ہوشی کے عالم میں اسے چھوڑ کر نکل سکتی تھی لیکن اس کے جذبۂ انتقام نے اسے دیوانہ کر دیا اور اس نے اس کے خنجر سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا ہے۔ عبید نے لڑکی کو تسلی دی اور اسے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے کہا۔ وہ جونہی گھوڑوں پر سوار ہونے لگے، کمانڈر کی آواز سکوت شب کو چیرنے لگی: ''گھوڑے مت

دینا، انھیں روکو۔ وہ آقا کو قتل کر کے جا رہی ہے۔''

کمانڈر کے حکم پر دونوں محافظ تلواریں سونت کر برچھیاں اٹھائے اصطبل سے صدر دروازے کی طرف جانے والے راستے سے ان کی طرف بڑھے۔ عبید اور ایمن گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔ انھیں اسی راستے سے گزرنا تھا جہاں دونوں محافظ اور ان کا کمانڈر ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''اگر تم گھوڑا نہیں دوڑا سکتی تو میرے پیچھے بیٹھ جاؤ'' عبید نے نئی صورت حال کے پیش نظر ایمن کو کہا۔

''مجھے گھڑ سواری آتی ہے'' ایمن نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ''رضیع خاتون نے ہمیں شمشیر زنی اور نیزہ بازی بھی سکھائی تھی۔''

''ٹھیک ہے پھر تم اپنا گھوڑا میرے گھوڑے کے پیچھے رکھو'' عبید نے تلوار نیام سے نکالتے ہوئے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے پیچھے ایمن نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔

''رک جاؤ! ورنہ مارے جاؤ گے!'' محافظوں کے کمانڈر کی آواز رات کے سکوت میں گونجی۔

چاند کی چاندنی میں عبید نے دیکھا کہ محافظ اس کی طرف نیزے تانے ہوئے تھے۔ عبید نے پلک جھپکتے ہیں انھیں چکمہ دیا اور اچانک ان کی بغل میں جا کر ان پر تلوار کے پے در پے وار کر کے انھیں بے بس کر دیا اور گھوڑے صدر دروازے کی طرف بڑھا دیے۔

''کمانیں نکالو!'' کمانڈر پھر چلایا۔ ذرا سی دیر میں دو تیر عبید کے قریب سے گزرے۔ اس نے اپنے گھوڑے کو دائیں بائیں گھمانا شروع کر دیا تاکہ تیر انداز صحیح نشانہ نہ لے سکیں۔ ساتھ اس نے ایمن کو اشارہ کیا کہ وہ دروازے کھولے۔ ایمن کو چابی تلاش کرنے میں دیر نہ لگی۔ دروازہ کھلتے ہی وہ ایک زقند میں دروازے سے باہر تھے۔ محافظوں کو گھوڑے تیار کرنے میں جتنا وقت درکار تھا، اس دورانیے میں وہ شہر سے باہر نکل چکے تھے۔

شہر سے نکل کر ایمن دوڑتے گھوڑوں پر ہی بلند آواز سے بتانے لگی کہ اس نے اپنے خاوند سے کیا راز حاصل کیا ہے۔

''خطرے کی حدود سے نکل کر کسی جگہ پڑاؤ کریں گے تو میں تمھاری ساری باتیں اطمینان سے سنوں گا'' عبید نے ڈانٹنے کے انداز میں اسے کہا؛ لیکن ایمن نے اپنی بات جاری رکھی۔

''چپ ہو جاؤ! مجھے تمھاری کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی'' عبید نے کرخت لہجے میں اسے کہا۔

''پھر رک جاؤ! میں زیادہ دیر صبر نہیں کر سکتی'' ایمن نے کہا۔ عبید ابھی رکنا نہیں چاہتا تھا، جب کہ ایمن بولے جا رہی تھی۔ بالآخر اس نے ہاتھ لمبا کر کے عبید کے گھوڑے کی لگامیں پکڑ لیں۔ جب وہ لگام تھامنے کے لیے آگے کو جھکی تو عبید نے دیکھا کہ ایمن کے پہلو میں ایک تیر پیوست ہے۔ یہ دیکھتے ہی وہ گھوڑے سے اُتر پڑا۔ وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ مجھے وہیں لگ گیا تھا۔ دوڑتے گھوڑے سے میں تمھیں اسی لیے بات بتا رہی تھی کہ مرنے سے پہلے پہلے تمھیں راز کی بات بتا دوں۔''

''تم نے اپنے زخمی ہونے کے بارے میں اس وقت ہی مجھے کیوں نہ بتایا۔''

''اگر میں تمھیں اپنے زخمی ہونے کا بتا دیتی تو تم اس کی فکر میں لگ جاتے اور تمھارا تعاقب کرنے والے تمھیں آ لیتے۔ اور جو راز تمھیں میں دے رہی ہوں صلاح الدین ایوبی تک اس کا پہنچ جانا، میری زندگی کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے اور ایک جاسوس کی جان میرے جیسی عام لڑکی کی جان سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔''

عبید نے ایمن کو گھوڑے سے اتارا۔ اس نے تیر کو ہاتھ لگایا تو اسے اندازہ ہو گیا کہ تیر کافی اندر تک اتر چکا ہے جسے کوئی جراح ہی نکال سکتا ہے۔

''اسے چھیڑنے کا اب کوئی فائدہ نہیں، بس میری بات غور سے سُن لو'' ایمن نے عبید کا ہاتھ تیر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''سلطان الملک الصالح کے مشیر تمام مسلم ریاستوں کے امراء کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف متحد کر رہے ہیں اور انھیں یہ خوف دلا رہے ہیں کہ اگر آج وہ ایوبی کے خلاف متحد نہ ہوئے تو وہ دمشق کی طرح تمام امراء کی جاگیروں پر قابض ہو جائے گا۔ طرابلس کا صلیبی حکمران ریمنڈ بھی ان کی مدد پر آمادہ ہو گیا ہے۔ ریمنڈ اپنی فوج کے ذریعے مصر اور شام کے درمیان سلطان ایوبی کی رسد اور کمک کے راستے بند کر دے گا۔ حسن بن صباح کے پیروکار فدائیوں کے سربراہ شیخ سنان کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا سودا طے پا گیا ہے۔ صلیبیوں اور مسلمانوں کی یہ متحدہ افواج سردیوں میں تیاری کریں گی۔ سردیوں کے اختتام پر وہ دمشق کی طرف پیش قدمی کریں گے۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر کے توقف بعد وہ پھر گویا ہوئی:

''مجھے یقین ہے کہ ہمارے بارے میں کسی کو بھی یہ شک نہیں ہو گا کہ ہم حلب سے کوئی فوجی راز لے کر جا رہے ہیں۔ اس لیے منصوبے میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ میرے خاوند نے محافظوں کو خود میرے اور تمھارے تعلقات کے بارے میں چوکنا کیا ہوا تھا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ میں تمھاری محبت میں گھر سے بھاگی ہوں'' یہ کہہ کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر آنکھیں کھولیں اور عبید کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا: ''میری خواہش ہے کہ میری میت کو ملکہ رضیع خاتون کے قدموں میں ڈال کر کہنا کہ ملکہ عالیہ تم بیوہ ضروری ہوئی ہو اور اپنے بیٹے کے ہاتھوں دلبرداشتہ بھی لیکن امت کی وہ بیٹیاں جنھیں تم نے ایمان اور ملت کے دفاع کا مشن سونپا ہے، وہ بے وفا نہیں ہیں...... بس اب میں اطمینان سے مر سکتی ہوں'' اس نے غنودگی کی کیفیت میں کہا۔



''آہ! مسلمانوں کی حرماں نصیبی'' صلاح الدین ایوبی نے عبید کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ ''مسلمان اپنی ہوسِ اقتدار میں اس قدر بھی اندھا ہو سکتا ہے کہ وہ کفار کے کندھے سے کندھا ملا کر ملت اسلامیہ کی یکجہتی کو کھوکھلا کرنے لگے۔'' یہ کہہ کر وہ بے چینی کے ساتھ دیوان خاص میں

ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر کا کرب اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ وہ بار بار اپنی مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

''ایسے حکمرانوں پر خدا کی لعنت ہو جو اپنی چندروزہ عیش وعشرت کی خاطر مسلمانوں کے قاتل کفار سے دوستیاں کر رہے ہیں۔ حکمرانی کے نشہ کی تسکین کے لیے ایمان کو نیلام کر رہے ہیں۔''

پھر وہ عبید کی طرف پلٹا اور اس سے جواب طلب نگاہوں سے پوچھا:

''تم نے بتایا کہ وہ سردیوں میں لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے، کیا یہ بات درست ہے؟''

''جی حضور! میری معلومات کے مطابق ہمارے خلاف جنگ لڑنے کی تیاری کے لیے انھیں اتنا وقت تو ضرور لگے گا۔ اور ان کا خیال ہے کہ آپ سردیوں میں ان پر حملہ آور نہیں ہوں گے'' عبید نے جواب دیا۔

''وہ سردیوں میں لڑنا نہیں چاہتے'' ایوبی نے اپنی تلوار پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''میں ان سے سردیوں میں ہی لڑوں گا۔ برفانی پہاڑوں اور یخ بستہ میدانوں اور دریاؤں میں لڑوں گا'' صلاح الدین ایوبی نے جذبات سے مغلوب لہجے میں کہا۔

''جودت پاشا!'' ایوبی نے دمشق کی فوج کے کمانڈر کو کہا: ''کیا تمھاری فوج بارش اور برفباری میں لڑنے کی ہمت اور صلاحیت رکھتی ہے؟''

''جی امیر محترم! میری فوج ہر کٹھن مہم کو کامیابی سے سر کرنے کا جذبہ رکھتی ہے۔ سلطان مرحوم نے اسے اسی مقصد کے لیے تیار کیا تھا۔ اس کے جذبے کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فوج ملک الصالح کے عیش پرست حاشیہ نشینوں کے مفادات کی رو میں بہنے کی بجائے ملکہ رضیع خاتون کے مشن کے ساتھ ڈٹ کر کھڑی ہوگئی۔''

''لوگ چاہے مجھے پاگل کہیں لیکن جب موسم سرما عروج پر ہوگا اور ان پہاڑوں کا رنگ سفید ہوگا، میں ان سے جنگ شروع کروں گا'' ایوبی نے اپنی تلوار کی نوک نقشے پر گھماتے ہوئے کہا۔

''کیا تم میرے اس فیصلے کو قبول کرتے ہو؟''

''ہم اپنے امیر کا ہر حکم بجالائیں گے'' سب کمانڈروں نے بیک زبان کہا۔

صلاح الدین ایوبی نے نومبر ۱۱۷۴ء کی اسی رات سے سپاہیوں کی تربیت کا آغاز کروا دیا جس میں ہر سپاہی سردی کی شدت کے باوجود قمیض نکال کر مشقیں کرنے لگا۔ ٹھنڈے پانی میں تیراکی کی مشقیں ہونے لگیں۔



''مجھے جو خطرہ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قوم صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے سے ہچکچائے گی اور یہ اہل حلب کی سب سے بڑی کمزوری ہوگی کہ وہ ایک مسلمان فوج کے خلاف کیسے لڑیں؟'' حلب کی فوج کے کمانڈروں کے ایک اجلاس میں ایک صلیبی مشیر ونڈسر بات کر رہا تھا۔ ''یاد رکھیے کہ جنگ سے پہلے قوم کی نئی ذہن سازی کی ضرورت ہے۔ سردیوں کے موسم میں صلاح الدین ایوبی حملہ نہیں کر سکتا۔ آپ اس وقت سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے مقبوضہ علاقوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لوگوں کو اتنا بھڑکائیں کہ موقع آنے پر اس کی حمایت میں کوئی ایک آواز بھی بلند نہ ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے مسجد کے منبر و محراب کو بھی استعمال کریں۔''

سلطان الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف طرابلس کے صلیبی حکمران ریمنڈ سے جنگی تعاون کا معاہدہ کرنے کے بعد خطیر زر و جواہر کی صورت میں اجرت کی ادائیگی کر دی تھی۔ معاہدے کے مطابق ریمنڈ نے اپنے چند فوجی کمانڈر مشیر کی حیثیت سے حلب بھیج دیے تھے۔ ان مشیروں نے آتے ہی حلب، حماۃ اور حمص کے قلعوں کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لیا اور ان سب کی افواج کی ایک مشترکہ کمان ترتیب دی۔

ان مشیروں میں صلیبی محکمہ سراغرسانی کا ماہر ونڈسر بھی تھا جو تخریب کاری کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ ونڈسر نے حلب میں آتے ہی اپنے جاسوسی نظام کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ وہ روزانہ اس

بات کا جائزہ لیتا کہ کون کون سے معززین اور امراء ایسے ہیں جو صلاح الدین ایوبی اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کا درد رکھتے ہیں اور کسی وقت بھی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں، انھیں غیر موثر کیا جائے۔ سلطان الملک الصالح کے دربار میں موجود صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کو تلاش کیا جائے، اس معاملے میں وہ کافی خودسری پر بھی اتر آتا تھا۔



''صلاح الدین ایوبی مسلمانوں کا غدار ہے جس نے سلطان کی اطاعت سے انکار کیا ہے۔''

''ایوبی مرتد ہے کہ اس نے سلطان کی بیعت کو فسخ کر کے سلطان کی اہانت کی ہے۔''

''صلاح الدین فاسق ہے جس نے خطبہ جمعہ سے سلطان کا نام خارج کر دیا ہے۔ خطبہ میں سلطان کا نام نہ لیا جائے تو خطبہ مکمل نہیں ہوتا اور نامکمل خطبہ گناہ ہوتا ہے۔''

''ایوبی نمک حرام ہے جس نے سلطان زنگی جیسے محسن کے بیٹے کو اس کے پایۂ تخت سے بے دخل کر دیا ہے۔''

''صلاح الدین ایوبی دین اور ملت اسلامیہ کے نام کو محض اقتدار کی ہوس کے لیے استعمال کر رہا ہے۔''

مسجدوں، بازاروں، مسافر خانوں میں ہر طرف انھی جملوں کی تکرار تھی۔ صلاح الدین ایوبی کے خلاف لوگوں میں جنگی جنون پیدا کیا جا رہا تھا۔ ملک الصالح کے پاس کوئی بہت زیادہ فوج نہ تھی۔ کیونکہ آدھی فوج تو دمشق میں ہی اس کا ساتھ چھوڑ کر ایوبی کے ساتھ مل گئی تھی۔ اس لیے ملک الصالح کے مفاد پرست امراء شہریوں کو لڑنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ شہریوں کی فوجی تربیت اور جنگی جنون نے ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

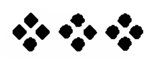
بڑی عمر کے مسلمان اس بات سے پریشان تھے کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑانے کے لیے سازشیں تیار ہو رہی ہیں۔ لیکن ان کی آواز صلاح الدین ایوبی کے خلاف نوجوانوں

کے نعروں اور شور و غوغا میں دبتی جا رہی تھی۔ صلیبیوں نے ایسی آوازوں کو دبانے کا سرکاری طور پر بھی اہتمام کروانا شروع کر دیا تھا۔ کئی ایک مساجد سے پرانے خطیبوں اور اماموں کو نکال دیا گیا کیونکہ وہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف بھڑکانے کو گناہ قرار دیتے تھے۔ انھیں صلاح الدین ایوبی کے ایجنٹ قرار دے کر معاشرے میں نکو بنا دیا گیا۔



صلاح الدین ایوبی کو حلب کی اس صورت حال نے خاصا پریشان کر دیا تھا۔ اگرچہ اس کے جاسوس ملک الصالح کے دربار تک رسائی پا چکے تھے اور کئی سراغرساں عوام میں بھی کام کر رہے تھے لیکن صلیبیوں کی تازہ مہم اگر اسی رفتار سے جاری رہتی تو مستقبل میں ایوبی کے لیے اتحاد ملت کے لیے قدم اٹھانا مزید مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ حلب میں صلیبی اثرات کا زور توڑنے کے لیے ایوبی کے محکمہ سراغرسانی نے عبید کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ دوبارہ حلب کی خفیہ مہم پر روانہ کر دیا۔

حلب پہنچ کر عبید اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اُس سرکاری ضیافت خانے کے خدمت گاروں میں بھرتی ہونے میں کامیاب ہو گیا جو صلیبی مشیروں کی آمد کے بعد ان کے ساتھ منعقد ہونے والی تقریبات کے لیے مخصوص تھا۔ ان تقریبات میں جہاں پیشہ ور رقاص عورتیں آتی تھیں وہیں رقاصاؤں کے روپ میں بہت سی صلیبی جاسوس خواتین بھی شامل ہوتیں جو ملک الصالح کے درباری امراء اور کمانڈروں کو اپنی انگلیوں پر نچاتی تھیں۔



تلافی

شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ضیافت گاہ میں بڑی چہل پہل تھی۔ناؤنوش کا دور چل رہا تھا۔کھانے چنے جا رہے تھے۔درباری امراء اور ان کے حواریوں کے ساتھ سراغرسانی کے صلیبی ماہرین آہستہ آہستہ ہال میں داخل ہو رہے تھے۔یہ ضیافت ریمنڈ کے ماہر سراغرسانی ونڈسر کے اعزاز میں منعقد ہو رہی تھی۔عبید اور اس کا ساتھی ضیافت کے اہتمام میں مصروف تھے کہ ونڈسر سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی۔اس نے عبید کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر پوچھا:

''تم اس مہمان خانے میں کب سے ملازم ہو؟''

''کچھ عرصہ پہلے ہی ملازم ہوا ہوں۔سلطان معظم کی حلب آمد کے بعد دمشق کے حالات خراب ہو گئے تو میں بھی ملازمت کی تلاش میں یہاں پہنچ گیا''عبید نے کہانی گھڑی۔

''تم مجھے جانتے ہو؟''

''جی! آپ ہماری سرکار کے معزز مہمان ہیں جن کی خدمت گزاری پر ہمیں مامور کیا گیا ہے؟''عبید نے بڑے بھولپن سے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ! میں تمھیں بتاؤں کہ میں تمھیں اتنا جانتا ہوں جتنا شاید تم مجھے نہیں جانتے۔''ونڈسر نے عبید کو ضیافت خانے کی عمارت کی دوسری طرف چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عبید اس کے ان الفاظ اور تیز نظروں سے ٹھٹھک گیا لیکن اس نے نئے حالات سے نپٹنے کے لیے خود کو نارمل ظاہر کیا۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے اس حصے میں آ گیا جہاں صلیبیوں کو ٹھہرایا گیا تھا اور چند ایک صلیبی مرد و خواتین وہاں گھوم پھر رہے تھے۔ ونڈسر اسے لے کر ایک کمرے میں داخل ہوا جس میں ایک نوجوان رقاصہ سج دھج کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ آتے جاتے یہ لڑکی اس کو بڑی توجہ سے دیکھا کرتی تھی اور اسے بھی یہ چہرہ کچھ شناسا سا لگتا تھا۔ ونڈسر نے اسے ایک نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''اگر تم مجھے سچ سچ بتا دو کہ تمھارے علاوہ صلاح الدین ایوبی کے اور کتنے جاسوس یہاں موجود ہیں تو نہ صرف تم سزا سے بچ سکتے ہو بلکہ تمھیں ایسے کام پر لگا دوں گا کہ تم زندگی بھر عیش کرو گے'' ونڈسر نے لڑکی کی طرف اسے متوجہ کرنے کے انداز میں کہا۔

''میں سمجھ نہیں پایا کہ میری ڈیوٹی سے ہٹا کر آپ نے میرے ساتھ مذاق کرنا کیوں شروع کر دیا ہے؟ میرے افسر نے مجھے ڈیوٹی سے غیر حاضر پایا تو مجھے کڑی سزا دے گا۔'' عبید نے بھولا بنتے ہوئے کہا۔ وہ جان گیا کہ اسے پہچان لیا گیا ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کے طریقے سوچنے لگا۔

''مجھے پتہ ہے کہ تم کس کی ڈیوٹی انجام دے رہے ہو اور اگر تم سلطان الملک الصالح کے وفادار ہو تو مجھے بتاؤ تم نے صلاح الدین ایوبی سے اپنی وفاداری کب تبدیل کی ہے؟''

''اللہ اور رسول کے بعد سلطان کی وفاداری ہی سب پر مقدم ہے اور اس میں صلاح الدین ایوبی بیچ میں کہاں سے آ گیا'' عبید نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

ونڈسر ٹہلتا ہوا عبید کے قریب آیا اور اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا:

''سنا ہے صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بڑے ماہر اور گھاگ ہوتے ہیں لیکن تم تو بالکل اناڑی دکھائی دیتے ہو۔ یہاں آ کر اپنا حلیہ ہی تبدیل کر لیا ہوتا۔ تم شاید ابھی تک مجھے پہچان نہیں پائے ہو۔ ڈیڑھ سال پہلے بھی ہماری کہیں مڈبھیڑ ہوئی تھی اور اس وقت میں کسی اور حلیے

میں تھا۔"

عبید اپنی سوچوں میں غرق کچھ بات نہ کر رہا تھا۔اس نے یہاں سے نکل بھاگنے یا مارنے اور مرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔اسے خاموش دیکھ کر ونڈسر پھر گویا ہوا:

"اگر تم میری پیش کش قبول کرلو تو جتنا معاوضہ چاہو گے، ملے گا۔جس شہر میں جانا چاہو گے وہاں بھیج دیا جائے گا۔وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بن کر رہو لیکن کام ہمارے لیے کرو۔وہاں ہمارے جاسوسوں کو جس وقت بھی کوئی خطرہ ہو تمھیں بروقت انھیں آگاہ کرنا ہے۔اس پیش کش کے ساتھ شرط صرف یہ ہے کہ یہاں جتنے بھی تمھارے جاسوس ہیں انھیں گرفتار کروادو۔یاد رکھو کہ میں تم پر اتنا بڑا احسان کر رہا ہوں جو میں نے کبھی کسی پر نہیں کیا۔"

"مجھے آپ کی پیش کش سے کوئی دل چسپی نہیں اور نہ یہ معلوم ہی ہے کہ یہاں کوئی جاسوس رہتا ہے" عبید نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمھیں اندازہ نہیں کہ میری پیش کش کو ٹھکرانے کی صورت میں میں تمھارے جسم کی کیا حالت بنا دوں گا۔میں تمھیں فوراً قتل نہیں کروں گا بلکہ تمھیں اذیتیں دے کر تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ابھی وقت ہے سوچ لو۔مجھے تمھارے بارے میں شک نہیں، یقین ہے کہ تم ایوبی کے جاسوس ہو۔"

"اگر تمھیں یقین ہے کہ میں صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہوں تو تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ایوبی کے جاسوس نہ لالچ کے پھندوں میں آتے ہیں اور نہ اذیتوں سے خوف زدہ ہوتے ہیں" عبید نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

ونڈسر نے جب دیکھا کہ وہ اس کی پیش کش کو ٹھکرا چکا ہے اور وہ اپنے فیصلہ میں اٹل دکھائی دیتا ہے تو وہ کسی محافظ کو بلانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھا۔لیکن عبید نے تیزی سے دروازہ بند کر کے اس کی زنجیر چڑھا دی اور پلک جھپکتے ہی اپنے لباس سے خنجر نکالا اور اگلے ہی لمحے اس کا خنجر ونڈسر کے سینے پر تھا۔نوک کے دباؤ کو بڑھاتے ہوئے اس نے ونڈسر کو دیوار

کے ساتھ لگا دیا اور اس نے لڑکی کو کہا:

''تم جہاں ہو وہاں سے ہلیں تو پہلے تمھارا کام تمام کر دوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا خنجر پلک جھپکتے ہی ونڈسر کی شہ رگ پر رکھ دیا اور پھر اس کو دباتا ہی چلا گیا۔ اور پھر ایک ہلکا سا خراٹا سنائی دیا۔

''کیا تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہو؟'' لڑکی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تمھیں اب بھی اس میں شک ہے تو میں اب دور کر دیتا ہوں'' یہ کہتا ہوا وہ لڑکی کی طرف بڑھا۔ ''ہمارے مذہب میں مردوں کا عورتوں کو قتل کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا لیکن تم صلیبی عورتیں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو سنہرے جال بنتی ہو، اس کی کم از کم سزا یہی ہے کہ تمھارے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کر دیا جائے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے خنجر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

''میں جس روحانی اور ذہنی کرب سے گزر رہی ہوں، اس کے باعث میرے لیے جینے اور مرنے میں کوئی دل چسپی نہیں رہی۔ میں تو لوگوں کے دل بہلاوے کے لیے ایک کھلونا ہوں جسے تم توڑ دو گے تو کوئی بڑا نقصان نہ ہو گا۔'' یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور پھر یکا یک بولی:

''یہ نہ سمجھنا کہ میں موت کو دیکھ کر رو رہی ہوں۔ یہ موت تو مجھے اس موت سے نجات دلا دے گی جس کا میں رات دن سامنا کرتی ہوں۔ میری موت تو اس وقت واقع ہو چکی تھی جب مجھے اغوا کر کے لوگوں کے سامنے ناچنے پر مجبور کیا گیا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ وہ اس بات سے بالکل خوف زدہ نظر نہیں آ رہی تھی کہ اس کے سر پر کوئی قاتل کھڑا ہوا ہے۔

''تم کون ہو؟'' عبید اس کے لہجے سے پس و پیش میں پڑ گیا تھا۔

''تمھاری غیرت کا جنازہ!'' لڑکی کے لہجہ میں تلخی نمایاں تھی۔

''کیا تم مسلمان ہو؟''

''کبھی ہوتی تھی، اب نہیں معلوم کہ میں کیا ہوں۔''

''دیکھو میرے پاس اب اتنا وقت نہیں کہ میں تمھاری پہیلیوں کو بوجھنے بیٹھ جاؤں۔ مجھے صاف صاف بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرنا۔''

''میں فلسطین کی ایک بستی کے ایسے گھرانے کی فرد ہوں جسے صلیبیوں نے اس شک میں قتل کر دیا کہ یہ گھرانہ نورالدین زنگی کے لیے جاسوسی کی خدمات ادا کرتا ہے۔ اور میری خوب صورتی اور جوانی میری اس اذیت ناک زندگی کا ذریعہ بن گئی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ نڈھال نڈھال سی دکھائی دے رہی تھی۔

اس نئی صورت حال نے عبید کو تذبذب میں مبتلا کر دیا تھا کہ آیا وہ اس لڑکی کی بات کا اعتبار کرے یا نہ کرے۔ ادھر امکان تھا کہ ضیافت میں ونڈسر کی زیادہ دیر تک غیر موجودگی کی صورت میں اس کے ساتھی اسے لینے کے لیے یہاں بھی آ سکتے ہیں۔ بالآخر لڑکی گویا ہوئی:

''آپ یہاں سے نکل جائیں۔ ونڈسر کے سوا تمھاری حقیقت سے اس وقت تک کوئی آگاہ نہیں تھا، میں اس راز کی حفاظت کروں گی۔''

''لیکن اس صورت میں وہ قتل کا شک تم پر ہی کریں گے'' عبید نے کہا۔

''مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے ایک سپاہی کی جان بچائی ہے۔''

''لیکن کسی کو اپنی جگہ مصیبت میں مبتلا کر کے خود بھاگ جانا صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں کا کام نہیں ہوتا ہے۔ کیا تم اس دلدل سے نکلنا چاہتی ہو؟''

''اگر آپ مجھے قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو میں اس جہنم سے نکلنے کے لیے تیار ہوں۔'' یہ کہہ کر

لڑکی نے جلدی جلدی زیورات اور بناؤ سنگھار اتارا۔ دیوار کے ساتھ ونڈسر کا ایک اوورکوٹ لٹک رہا تھا جس میں سر کو ڈھانپنے والا کپڑا بھی تھا، اس نے پہن لیا اور سر کو ڈھانپ لیا۔ مردانہ لباس کے ساتھ اس نے مردانہ جوتے بھی پہن لیے۔ سرسری نظر ڈالنے والا اسے نہیں پہچان سکتا تھا کہ وہ کوئی عورت ہے۔

باہر صحن میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ باہر نکلتے ہوئے انھوں نے دروازہ آہستگی سے بند کیا اور بڑے دروازے کی طرف بڑھے۔ وہاں پہریدار چوکس کھڑے تھے اور سلطان الملک الصالح کی آمد کے باعث وہ اندر داخل ہونے والوں کی سختی سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ انھیں اندر سے باہر جانے والوں پر توجہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ وہ دونوں آسانی سے بڑے دروازے سے باہر سڑک پر نکل گئے۔ وہ شہر کی مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے بالآخر شہر کے ایک کونے پر پہنچ گئے جہاں فاصلے فاصلے پر کچھ گھر موجود تھے۔ وہاں خالی زمینوں میں سے گزرتے ہوئے وہ ایک بڑے مکان کے پھاٹک کے سامنے رک گئے۔ عبید نے لڑکی کو وہاں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا اور خود مکان کی برابر والی سائڈ پر جا کر ایک چھوٹے سے دروازے پر بیک وقت دو دستک دیں۔ پھر تھوڑے وقفے کے بعد اس نے مسلسل تین دستک دیں۔ پھر کچھ وقفے سے ایک دستک دی تو اندر سے آواز آئی۔

''کون؟''

''عقاب''

''تو پرواز کرو''

''نہیں آرام چاہیے۔''

''ٹھیک ہے'' اس آواز کے ساتھ ہی اندر سے دروازہ کھلنے کی کھڑکھڑاہٹ سُنائی دی۔ عبید نے دور کھڑی لڑکی کو ہلکا سا اشارہ کیا۔ دروازہ کھلنے پر وہ دونوں ایک ڈیوڑھی میں داخل ہوئے۔

اندر روشنی تھی۔عبید کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر اہل خانہ نے جواب طلب نظروں سے عبید کی طرف دیکھا۔

''ذرا بیٹھنے کا موقع ملتا ہے تو بتاتا ہوں'' عبید نے کہا۔

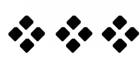
''میں شیخ صاحب کو جگا دوں؟'' دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔

''ہاں، ان کا جگانا ضروری ہے'' عبید نے کہا۔

تھوڑی دیر میں ادھیڑ عمر کا ایک شخص اس بڑے کمرے میں آ گیا جہاں عبید اور وہ لڑکی بیٹھے ہوئے تھے۔شیخ نے انھیں خوش آمدید کہا۔

عبید نے شیخ کو اپنی روداد سنائی چونکہ ابھی ان کا یہاں سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا، اس لیے طے پایا کہ فی الحال وہ یہیں قیام کریں کیونکہ یہ قتل معمولی آدمی کا قتل نہیں تھا۔صلیبی جاسوس کتے کی طرح قاتل کی بو سونگھتے پھریں گے۔جب حالات معمول پر آ جائیں گے تو نکلنے کا انتظام کر لیا جائے گا۔

شیخ کا یہ مکان دراصل حلب میں صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کی پناہ گاہ تھی۔شیخ شہر کی ایک جامع مسجد میں ہر دلعزیز خطیب کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔وہ صلاح الدین ایوبی کے ایک مخالف کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔وہ گاہے بگاہے صلاح الدین ایوبی کی مخالفت میں باتیں کرتے رہتے تھے۔اس وجہ سے حکومتی کارندے انھیں شک کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، اور اس طرح انھیں خود بھی صلاح الدین ایوبی کے خلاف سرگرم افراد تک رسائی حاصل ہو جاتی تھی جن سے دشمنان اسلام کے عزائم اور سازشوں کا انھیں پتہ چل جاتا تھا۔



امرائے شہر میں نئی رقاصہ کے فن اور حسن کے چرچے تھے اور وہ بڑی بے چینی سے ضیافت گاہ میں نئی رقاصہ کی آمد کے منتظر تھے۔جب سلطان الملک الصالح بھی اپنی نشست پر

براجمان ہو گیا اور ونڈسر کہیں نظر نہ آیا تو ادھر ادھر تلاش شروع ہوئی۔ اس کا نائب کمانڈر خود چل کر اس کے کمرے میں آیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازے میں خون جما ہوا ہے اور ایک دیوار کے ساتھ ان کا کمانڈر مردہ پڑا ہوا ہے۔ نئی رقاصہ بھی غائب تھی۔ عمارت کے اس حصے میں کسی کا بغیر اجازت داخلہ بھی ممنوع تھا۔ ڈیوٹی پر حاضر سنتریوں نے بتایا کہ ونڈسر ضیافت گاہ کے ایک ملازم کے ساتھ اپنے کمرے میں آیا تھا اور اسی کے ساتھ تھوڑی دیر بعد اس عمارت سے نکل گیا تھا۔

یہ قتل ایک معمہ تھا کہ یہ کرائے کے قاتلوں کی کارروائی ہے یا صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کی سازش کا نتیجہ۔ بالآخر ملازم اور لڑکی کے غائب ہونے کی بنا پر یہی خیال ہوا کہ یہ حسن و عشق کی رقابت کا نتیجہ ہے۔ لیکن ونڈسر کا قتل اتنا معمولی نہ تھا کہ صلیبی فوج کے نمائندے اور جاسوس اس کو اتنی آسانی سے ہضم کر سکتے۔ چنانچہ شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی اور شہر سے باہر بھی جاسوس دوڑا دیے گئے۔

ضیافت گاہ میں صلیبی فوج کے افسران الملک الصالح اور اس کے امراء پر غصے سے پھنکار رہے تھے اور وہ سب صلیبیوں کے سامنے بھیگی بلّی بنے دبکے اور سہمے ہوئے تھے۔ انھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں، سوائے ان کی خوشامد اور چاپلوسی کے۔ وہ سب صلاح الدین ایوبی کی دشمنی میں صلیبیوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔

''قاتل رات ہی رات میں شہر سے نہیں نکل سکتے'' صلیبی فوجی نمائندہ دھاڑا۔ ''ہر گھر کی تلاشی لی جائے۔ یہاں کی فوج لوگوں کے جاگنے سے پہلے گھروں میں تلاشی کے لیے داخل ہو جائے اور لوگوں کو اتنا پریشان کیا جائے کہ وہ قاتلوں کو خود ہی پیش کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔''

''آپ اطمینان رکھیں ایسا ہی ہوگا'' حلب کے ایک امیر نے کہا۔

''ایسا ہرگز نہیں ہوگا'' حماۃ شہر کے قلعہ دار جوردیک کی آواز گونجی۔ ''تلاشی صرف اس

گھر کی لی جائے گی جس پر شک کرنے کی کوئی پختہ بنیاد اور کوئی دلیل ہوگی۔''

سرکاری حکام کی منمناہٹ کے اس ماحول میں قلعہ دار کی پُر یقین آواز نے ساری فضا پر سناٹا طاری کر دیا۔ اس بات کا کوئی تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ کوئی مسلمان ریمنڈ کے نمائندے کو اس لہجے میں ٹوکے گا۔ تمام امراء پہلے ہی خوف زدہ تھے۔ اب وہ ڈر رہے تھے کہ اس آدمی کی یہ جرأت آمیزی انھیں کسی مصیبت میں پھنسوائے گی۔ وہ سب اسے خشمگیں نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''مسلمان پردہ نشیں خواتین کی یہ توہین برداشت نہیں کی جا سکتی کہ ایک قاتل کو تلاش کرنے کے لیے فوج چادر اور چار دیواری کے تقدس کو پامال کرتی پھرے'' جوردیک نے کہا۔

''ونڈسر جیسا قابل افسر قتل کر دیا گیا ہے، ہمیں کسی کی عزت اور چار دیواری کی کوئی پروا نہیں ہے''، صلیبی افسر نے رعب جمانے کے انداز میں کہا۔

''اور ہمیں بھی تمھارے افسر کے قتل کی پروا نہیں ہے'' جوردیک نے صلیبی نمائندے کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''خاموش رہو جوردیک!'' نوعمر سلطان نے حاکمانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ لوگ ہمارے مہمان بھی ہیں اور محسن بھی۔ وہ اتنی دور سے ہماری مدد کو آئے ہیں۔ ہمیں ہر صورت قاتل کو پکڑنا ہے۔''

''بالکل بالکل! قاتل کی گرفتاری کے لیے ہر حربہ اختیار کیا جائے۔'' سلطان کی تائید میں کئی آوزیں بلند ہوئیں۔

''سلطان معظم! اگر ہم نے شہریوں کو تنگ کیا تو وہ سب لوگ آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ اس طرح ایوبی کے خلاف آپ جو محاذ بنا رہے ہیں، وہ کمزور پڑ جائے گا۔ میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ سکتا ہوں لیکن اپنی قوم کے خلاف نہیں۔'' جوردیک نے سلطان کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

''ہمیں تمھاری قوم کے ردّعمل کی کوئی پروا نہیں، یہ قتل ایوبی نے کروایا ہے اور ہمیں ہر صورت قاتل کی گرفتاری مطلوب ہے''صلیبی نمائندے نے ڈھٹائی سے کہا۔

''اگر صلاح الدین ایوبی نے تمھارے ایک افسر کو قتل کروایا ہے تو تم بھی تو اس کے کئی افسران قتل کر چکے ہو اور خود صلاح الدین ایوبی کو قتل کروانے کی کوشش کر چکے ہو، کیا اس نے بھی اپنی رعایا کو کبھی اس طرح پریشان کیا ہے؟''

''یہ ایوبی کا ایجنٹ ہے''ایک امیر نے ہانک لگائی۔

''یہ ہمارے صلیبی دوستوں کو ناراض کر کے ایوبی کا مقصد پورا کر رہا ہے'' ایک اور امیر نے کہا۔

''یہ ہمیں مروائے گا'' خوف زدہ چہرے والا ایک امیر ممیایا۔

امرائے حلب کسی صورت بھی صلیبی افسران کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن جوردیک سب کے مقابلے میں ڈٹا رہا کہ بغیر کسی ثبوت کے گھروں کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔

''تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ تم بھی اس قتل میں ملوث ہو''صلیبی نمائندے نے کہا۔

''اگر اہل حلب کی پردہ دار خواتین کے تقدس کو پامال کیا گیا تو میں کسی کے بھی قتل میں ملوث ہو سکتا ہوں'' جوردیک نے جرأت مندی سے کہا۔

''ہم جب تک اس سرزمین پر ہیں، یہاں ہمارا حکم چلے گا''صلیبی نمائندے نے انتہائی رعونت سے کہا۔

''یہ ملک ہمارا ہے اور یہاں حکم ہمارا ہی چلے گا۔ یاد رکھو کہ تم یہاں اجرت پر آئے ہو اور اجرت پر کام کرنے والے کو اپنی حدود میں رہنا ہوگا۔ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی بے گناہ گھرانے کی حرمت پامال کی گئی تو میں انتقام لوں گا۔'' جوردیک اپنے موقف پر ڈٹا

ہوا تھا۔

ملک الصالح کے اشارے پر دو امراء جوردیک کو ضیافت گاہ سے باہر لے گئے۔ اس کی غیر حاضری میں صلیبی افسران نے آپس میں گفتگو کی کہ اس قلعہ دار کی دلیرانہ گفتگو سے لگتا ہے کہ اس کی فوج اس کی عقیدت مند ہے۔ ان حالات میں ہم قلعہ دار کو ناراض کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ مقامی امراء سے مشورہ کرنے کے بعد جوردیک کو اندر بلا لیا گیا اور اسے اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا گیا کہ شہریوں کو تنگ نہیں کیا جائے گا۔ البتہ قاتلوں کی تلاش جاری رہے گی۔ جوردیک نے تین چار دن تک حلب میں رہنے کا عندیہ دیا۔



چند دن بعد ''شیخ'' اپنے گھر سے اس طرح نمودار ہوئے کہ انھوں نے اپنے دونوں بازوؤں میں کفن پوش بچے کی ''میت'' اٹھائی ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ ان کے چند ملنے والوں میں عبید اور مردانہ لباس میں ملبوس لڑکی بھی تھی۔ ادھر ادھر سے گزرنے والے لوگوں کو وہ بتاتے جا رہے تھے کہ شیخ کے گھر رات کو بچہ پیدا ہوا تھا۔ وہ فوت ہو گیا ہے اسے دفن کرنے جا رہے ہیں۔ قبرستان شہر سے باہر تھا۔

شہر کے دروازے پر بیٹھے پہرہ دار بھی جنازے کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور یوں ''جنازہ'' کے تمام شرکاء قبرستان پہنچ گئے۔ کچھ لوگ قبر کی تیاری میں لگ گئے اور ''شیخ'' کا ایک عقیدت مند، عبید اور لڑکی کو قبرستان کی دوسری طرف درختوں کے جھنڈ کے پیچھے لے گیا۔ وہاں فوجی وردی میں ملبوس ایک سپاہی تین گھوڑے لیے مستعد کھڑا تھا۔ یہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دمشق کے راستے پر چل پڑے۔

دوپہر کو وہ ستانے کے لیے عام راستے سے تھوڑا سا ہٹ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ٹھہر گئے۔



جورد یک اپنے دس محافظوں کے ساتھ حماۃ کی طرف جا رہا تھا۔ جب وہ ٹیلوں اور چٹانوں کے علاقہ میں داخل ہوا تو اچانک دو تیر اس کے گھوڑے کی دونوں رانوں میں پیوست ہو گئے۔ گھوڑا بدک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد مزید دو تیر گھوڑے کی گردن پر آ لگے۔ جورد یک نے دوڑتے ہوئے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر اس سمت کا جائزہ لینے لگا جدھر سے تیر آئے تھے۔ اس کے محافظ تیراندازوں کو تلاش کرنے کے لیے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ وہ بڑی احتیاط سے صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا کہ آواز آئی:

''پکڑ لیے، پکڑ لیے۔'' جورد یک کے دو محافظ بیک آواز چلا رہے تھے۔ باقی محافظ بھی اسی طرف دوڑے۔ تین نقاب پوشوں کو محافظوں نے پکڑا ہوا تھا لیکن تینوں میں سے کسی کے پاس بھی کمانیں تھیں نہ ترکش۔

''تمھارے تیر اور ترکش کہاں ہیں'' جورد یک گرجا۔

''تلواروں اور نیزے کے سوا ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''چار تیر میرے گھوڑے کو لگے ہیں۔ میری خوش نصیبی کہ میں بچ گیا اور تم اب بھی جھوٹ بول رہے ہو'' جورد یک نے بڑی حیرانی سے کہا۔

''کون سے تیر؟'' ایک نقاب پوش نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے سوال کیا۔ ''ہمارے پاس تو کوئی تیر ہی نہیں۔ ہم مسافر ہیں اور سفری تھکن اتارنے کے لیے یہاں رکے تھے۔ اب جونہی چلنے کا قصد کیا، آپ کے لوگوں نے ہمیں دبوچ لیا۔''

''تمھارے تمام تر جرم کے باوجود میں تمھیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ اس لیے اگر جان بخشی چاہتے ہو تو سچ سچ اس آدمی کا نام مجھے بتا دو جس نے تمھیں میرے قتل کے لیے بھیجا ہے'' جورد یک نے نقاب پوش سے ہنستے ہوئے کہا۔ دو نقاب پوشوں نے تیراندازی میں ملوث نہ

ہونے کی قسمیں کھائیں جب کہ تیسرا نقاب پوش خاموش کھڑا رہا۔

''دیکھو کسی کے لیے خود کو ہلاک نہ کرو۔ ابھی موقع ہے کہ ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں معاف کر دوں گا'' جوردیک نے بڑے تحمل سے کہا۔ لیکن تیسرا نقاب پوش پُراسرار طور پر خاموش ہی رہا۔

''ان کے چہروں سے نقاب اتار دو اور تلواریں بھی ان سے لے لو'' جوردیک نے اپنے محافظوں کو حکم دیا۔

یکا یک نقاب پوشوں نے نیاموں سے تلواریں نکال لیں اور تیسرا پھرتی سے ان کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اس کے پاس تلوار بھی نہیں تھی۔

''اتنے سارے محافظوں کا مقابلہ کرنے چلے ہو، جب کہ تمھارے تیسرے ساتھی کے پاس تو تلوار بھی نہیں ہے'' جوردیک نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''بیوقوفو! میں تمھیں آخری موقع دیتا ہوں۔ ہاں، اگر تم نے حماقت کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو مجھے افسوس ہوگا۔''

''اور میں بھی تمھیں آخری بار کہتا ہوں کہ ہم نے کوئی تیر نہیں چلایا'' ایک نقاب پوش نے زوردار انداز میں کہا۔

محافظوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ محافظوں کا کمانڈر تیسرے نقاب پوش کے پیچھے تھا۔ اسے کچھ شک گزرا اور اچانک اس نے غیر مسلح نقاب پوش کا نقاب نوچ لیا۔ اور سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ ایک لڑکی تھی۔

''اسے میرے پاس لاؤ'' جوردیک نے اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو حکم دیا۔

''ہمارے لاشے گرائے بغیر تم لڑکی کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔'' ایک نقاب پوش نے حیران کن پھرتی کے ساتھ لڑکی کی طرف بڑھنے والے محافظ کے سینے پر تلوار رکھ کر للکارتے ہوئے کہا۔ ''ہماری پوری بات سنے بغیر اور اپنی بات ہمیں سمجھائے بغیر ہمیں پابند کرنا، اتنے محافظوں

والے شخص کو زیب نہیں دیتا۔''

''پیچھے ہٹ جاؤ۔'' جوردیک نے بڑے تحمل سے اپنے محافظوں کو حکم دیا اور پھر نقاب پوشوں کی طرف متوجہ ہوا۔'' سننے سنانے کی کون سی بات رہ گئی ہے۔ خلاصہ یہی ہے کہ تم کرائے کے قاتل ہو اور یہ لڑکی تمھارا انعام ہے۔''

''ان میں سے ایک بات بھی درست نہیں ہے'' نقاب پوش نے کہا۔'' کسی صلیبی جاسوس کو قتل کرنا کوئی جرم نہیں، بلکہ ہم نے ایک ملّی فریضہ ادا کیا ہے۔ رہی یہ لڑکی تو یہ ایک مظلوم فلسطینی ہے جسے صلیبیوں کے پنجے سے چھڑا کر ہم دمشق میں ملکہ رضیع خاتون کی نگرانی میں دے دیں گے۔'' نقاب پوش یہ سمجھا تھا کہ جوردیک کا اشارہ ونڈسر کے قتل کی طرف ہے اور وہ انھیں پکڑنے کے لیے نکلا ہوا ہے۔

''اچھا تو ونڈسر کو تم نے قتل کیا ہے؟'' جوردیک نے حیرت افزا انداز سے پوچھا۔

''تم نے درست سمجھا ہے'' نقاب پوش نے جواب دیا۔

''تم نے مجھ پر بھی ایوبی کا دشمن ہونے کی بنیاد پر تیر چلائے ہوں گے۔'' جوردیک کو نقاب پوشوں سے دلچسپی سی ہو گئی تھی۔

''ہمیں معلوم ہے کہ تم حماۃ کے قلعہ دار جوردیک ہو اور صلاح الدین ایوبی کے دشمن بھی۔ لیکن تمھیں یوں چھپ کر قتل کرنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ امیر صلاح الدین ایوبی حسن بن صباح اور شیخ سنان نہیں کہ وہ چھپ کر وار کرے۔ وہ جلد تمھیں میدان میں للکارے گا اور اللہ کی مدد سے ہم تمھاری فوج کو شکست دیں گے۔ اور پھر وقت فیصلہ کرے گا کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ باقی رہا ونڈسر کا قتل تو وہ حالات کی مجبوری بن گیا تھا۔ اس قتل میں صلاح الدین ایوبی کا کوئی اشارہ تک شامل نہیں ہے۔'' نقاب پوش نے کچھ دیر توقف کیا تو جوردیک بولا:

''تو گویا تم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ تم نے ہم پر تیراندازی کی ہے۔''

''جی بالکل! ہم اتنے اناڑی نہیں ہیں کہ بجائے سوار کے سواری پر مشق ستم جاری رکھیں'' نقاب پوش نے مردہ گھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ تو میں نے تمھاری گفتگو سے ہی اندازہ لگا لیا ہے کہ تم ایوبی کے عام سپاہی نہیں ہو'' جوردیک نے کہا۔

''صلاح الدین ایوبی کا ہر سپاہی تمھیں خاص سپاہی ہی نظر آئے گا کیونکہ مقصد کی لگن اور مشن سے وابستگی انسان کے اندر وہ جوہر پیدا کر دیتی ہے جو توپ و تفنگ سے مسلح مگر مقصد سے عاری جرنیلوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا، جب کہ تم ایک قلعہ دار ہونے کے باوجود درخت کی ٹوٹی ہوئی ٹہنی کی طرح حالات کے تھپیڑوں کی زد میں رہتے ہو۔ تم اپنی اصلیت بھول گئے۔ کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اور اس حیثیت سے کیا تم اسلام کے سپاہی نہیں ہو؟ چند روزہ عہدہ و منصب کے حصول کے لیے تمھیں صلیبیوں کی چاکری کرنے میں بھی کوئی عار نہیں۔ تم اتنے اہم نہیں ہو کہ صلاح الدین ایوبی تمھارے خون سے اپنے خنجر کو آلودہ کرے۔'' یوں محسوس ہو رہا تھا کہ نقاب پوش کے تلخ الفاظ نشتر بن کر جوردیک کے پھوڑوں کا آپریشن کر رہے ہوں۔ جس کا کرب اور تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھا۔

''میں ایک فلسطینی لڑکی ہوں'' لڑکی گویا ہوئی۔ ''مجھے میرے اہل خانہ کے قتل کے بعد آٹھ سال تک صلیبیوں کی محفلوں میں نچوایا گیا اور میری جیسی ہزاروں لڑکیاں ان کی تعیش گاہوں کی زینت ہیں۔ میں نے تم جیسے فریب خوردہ امراء کے بارے میں صلیبیوں کو سازشیں کرتے دیکھا اور سنا ہے، نہیں معلوم تمھاری غیرت کب بیدار ہوگی۔ کب تک اپنی بیٹیوں کی عزتوں کی نیلامی کر کے عہدوں کی ترقیاں حاصل کرنے میں لگے رہو گے۔'' لڑکی کے الفاظ گویا ہتھوڑے بن کر جوردیک پر برس رہے تھے۔

وہ اس طرح خاموش کھڑا تھا جیسے وہ عدالت میں اپنی فردِ جرم سن رہا ہو۔ اس کے محافظ بھی حیران تھے کہ اتنا خودسر اور سرکش قلعہ دار ایک معمولی لڑکی اور نقاب پوش کی باتوں کو کیسے برداشت کر رہا ہے۔ وہ سوچوں میں گم لڑکی اور نقاب پوش کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے ذہن کی سکرین پر ونڈسر کے ساتھیوں کی رعونت آمیز حاکمانہ گفتگو اور اپنی جھڑپ ابھر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں اچانک یہ خیال ابھرا کہ عین ممکن ہے کہ یہ واردات صلیبیوں کی طرف سے کی گئی ہو۔

''میں تمھیں اگر اپنے قلعہ لے جانا چاہوں تو؟'' اس نے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

''قیدی کی حیثیت سے؟'' نقاب پوش نے پوچھا۔

''نہیں! مہمان کی حیثیت سے۔ تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔'' جوردیک نے محبت آمیز انداز میں کہا۔ وہ ان کے جواب کا منتظر تھا کہ ان سب کو گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی جیسے کوئی قریب سے نکل کر جا رہا ہو۔

''لگتا ہے کہ تمھارے دشمن یہیں دبکے بیٹھے تھے'' نقاب پوش یہ کہتے ہوئے ایک گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی۔ جوردیک کے اشارے پر محافظوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو ٹاپوں کے تعاقب میں لگا دیا۔ لڑکی اور ایک نقاب پوش وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں بھاگنے والے نظر آنے لگے۔ وہ دو گھوڑوں پر سوار تھے۔ انھوں نے اپنے تعاقب میں آنے والوں سے فاصلہ بڑھانے کی بہت کوشش کی۔ اُنھوں نے مڑ کر پیچھے آنے والوں پر تیر چلایا جو خطا ہو گیا۔ اس دوران نقاب پوش اتنا قریب پہنچ گیا تھا کہ اپنا نیزہ ان پر پھینک سکے۔ نقاب پوش نے نیزہ اس مہارت سے پھینکا کہ وہ ایک سوار کے پہلو میں جا کر ترازو ہو گیا۔ اور وہ آگے کو جھکتا ہی چلا گیا۔ دوسرا گھڑ سوار بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن چٹانی راستے پر اس طرح بھاگنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جوردیک کے محافظوں نے اسے

جا گھیرا۔ اس کا ایک ساتھی نقاب پوش کے نیزہ لگنے سے موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا تھا۔

اس تیر انداز کو پکڑ کر جوردیک کے پاس لایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے اُگل دیا کہ ان دونوں کو حلب کے ایک امیر نے بیش بہا انعام کے عوض جوردیک کے قتل کے لیے کہا تھا۔ اس امیر کے ہاں ان دِنوں صلیبی نمائندوں کی اکثر آمدورفت رہتی تھی۔ حلب سے جوردیک کی روانگی کے ساتھ ہی وہ دو گھوڑوں پر اس چٹانی راستے میں آ کر چھپ گئے جہاں سے جوردیک نے گزرنا تھا۔ واردات کے بعد جب انھوں نے تین نقاب پوشوں کی گرفتاری کا چھپ کر نظارہ کیا تو انھیں اطمینان ہوا کہ ان کی طرف اب کسی کی توجہ مبذول نہ ہوگی۔ چنانچہ کچھ دیر کے انتظار کے بعد وہ خفیہ کمین گاہ سے نکلے تو دھر لیے گئے۔



''کیا تمھیں اب بھی میرے ساتھ چلنے میں کوئی ہچکچاہٹ ہے'' جوردیک نے محبت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ عبید کو کہا۔

''یہ مسئلہ ہمارا نہیں، آپ کا ہے کہ آپ صلاح الدین ایوبی کے دوستوں کو اپنے ساتھ رکھ کر صلیبیوں کے عتاب کا سامنا کر سکتے ہیں کہ نہیں'' عبید نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''صلیبیوں نے اپنے کمینہ فطرت ہونے اور میری غلطی کا مجھے احساس دلا دیا ہے۔ ایک طرف صلیبی میری فوج اور قلعہ کو استعمال کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف مجھے اپنے راستہ سے بھی ہٹانے کی سازش کر رہے ہیں۔ نورالدین زنگی کی بات آج مجھے یاد آ رہی ہے کہ جس دن مسلمان غیر مسلموں کی دوستی پر بھروسہ کریں گے، وہی دن ان کے خاتمہ کے آغاز کا دن ہوگا۔''

''میرے جیسے ایک معمولی سپاہی کو ایک قلعہ دار سے یہ پوچھنا زیب تو نہیں دیتا کہ اب ان حالات میں آپ کے کیا ارادے ہیں؟ البتہ ایک مسلمان کی حیثیت سے دوسرے مسلمان کو غلط راستے پر جاتے ہوئے یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ تم غلط سمت جا رہے ہو۔'' عبید نے جوردیک کو

اپنے ڈھب پر لانے کی تدبیر کرتے ہوئے کہا۔

"تمھیں مجھ پر یہ پورا پورا حق حاصل ہے" جورڈیک نے عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔

"کیا صلیبیوں کی سازشوں سے بچنے کا اس کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے جس کی طرف صلاح الدین ایوبی زعمائے ملت کو دعوت دے رہا ہے؟" عبید کے لہجے میں ایک داعیانہ تڑپ موجود تھی۔

"تم صلاح الدین ایوبی کو کہہ دینا کہ حماۃ کے قلعے کو اپنا قلعہ سمجھے۔ لیکن اپنے کسی معتمد سالار کو بھی پتہ نہ چلنے دے کہ میں نے یہ پیش کش کی ہے۔ میں کوئی ایلچی بھی اُن کی طرف نہیں بھیجوں گا اور نہ تحریری پیغام ہی بھیجوں گا۔ جب بھی تم حلب کی طرف پیش قدمی کرو، حماۃ کے راستے سے کرنا، حماۃ کے دروازوں کو ایوبی اپنے لیے کھلا پائے گا۔ انھیں کہنا جلدی کریں، ایک گناہ گار مسلمان اپنی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔"



حلب کی طرف کُوچ

دسمبر۱۱۷۴ء کے پہلے عشرے کی یہ کہر آلود صبح تھی جب حماۃ کے قلعے کے سنتریوں کو دھند میں ہلکے ہلکے سے متحرک سائے دکھائی دیے۔شاید کوئی قافلہ ہو یا راہگیر جو راستہ بھٹک گیا ہو۔ اتنی سردی میں کسی حملہ آور کا تو تصور مشکل ہی سے کیا جا سکتا تھا۔ جوں جوں سورج بلند ہوا، دھند ہٹتی گئی اور یہ متحرک سائے ایک باقاعدہ فوج کی صورت میں دکھائی دینے لگے۔فوج کو خبردار کرنے کے لیے طبل پر چوٹ پڑی اور یک بیک پُرسکون قلعے میں ہلچل مچ گئی۔سنتریوں کا کمانڈر فوراً جورد یک کو اطلاع کرنے پہنچ گیا۔ چند لمحوں میں ہی جورد یک کے کمانڈر بھی وہاں پہنچنا شروع ہو گئے۔

''سردی کے اس شدید موسم میں کسی کے حملہ آور ہونے کا امکان نہیں'' جورد یک نے اپنے کمانڈروں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔''البتہ ممکن ہے کہ صلیبیوں نے میرے قتل کی سازش میں ناکامی کے بعد ملک الصالح سے کسی اور قلعہ دار کے لیے حکمنامہ جاری کروا دیا ہو۔لہٰذا تم میں سے دو آدمی جا کر معلوم کریں کہ یہ کون لوگ ہیں اور کس مقصد سے آئے ہیں؟''

دو کمانڈر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جب باہر نکلے تو سامنے سلطان ایوبی کا پرچم لہرا رہا تھا۔یہ وہیں رک گئے۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اس لشکر سے ایک گھڑسوار ان کی طرف آیا۔ اس نے آتے ہی ان کو سلام کہا اور پھر وہ غور سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''ایسا بھی ہونا تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مقابلے پر آئیں گے'' حملہ آور دستے

کے کمانڈر نے قلعے کے کمانڈروں کو پہچانتے ہوئے کہا۔ ''سلطان زنگی کی زندگی میں ہم رفیق تھے اور اب دشمن بن گئے۔''

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' قلعے کے ایک کمانڈر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بات کہنے کہ قلعہ ہمارے حوالے کر دو!'' ایوبی کے کمانڈر نے کہا۔ ''قلعہ دار کو سمجھاؤ کہ وہ بغیر کسی خون خرابے کے قلعہ ہمارے حوالے کر دے ورنہ ہم تمھیں زیادہ مہلت نہ دیں گے۔ تمھارے قلعے کا محاصرہ کیا جا چکا ہے اور باہر سے تمھاری کمک کے تمام راستے بھی بند کر دیے گئے ہیں۔''

قلعے کے کمانڈر کوئی جواب دیے بغیر واپس جوردیک کے پاس چلے گئے اور ساری صورت حال اس کے گوش گزار کی۔ جوردیک نے ساری بات سننے کے بعد حکم دیا:

''قلعے کی فصیلوں پر سفید پرچم لہرا دو۔''

جوردیک اپنے چند محافظوں کے ساتھ قلعے سے باہر صلاح الدین ایوبی کے ہراول دستے کے کمانڈر کے پاس پہنچا۔ وہ ایوبی کے کمانڈر کی رہنمائی میں اس کے خیمہ میں پہنچ گئے۔ خیمہ کے دروازے پر جوردیک کو ایک جانا پہچانا چہرہ نظر آیا۔ وہ ''عبید، عبید'' کہہ کر اس سے لپٹ گیا۔

''ہاں بتاؤ! صلاح الدین ایوبی کو یہاں تک لانے میں مَیں نے کوئی تاخیر تو نہیں کی'' عبید نے خود کو جوردیک سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہ تو امید تھی کہ تم آؤ گے مگر اتنی سردی میں اتنی جلدی تمھاری آمد متوقع نہ تھی'' جوردیک نے کہا۔ چند لمحے کے توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوا ''آج میں تمھیں پھر اپنے ساتھ قلعے میں چلنے کی دعوت دینے آیا ہوں۔ اب پھر یہ سوال نہ کرنا کہ مہمان کی حیثیت سے یا قیدی کی حیثیت سے۔''

دونوں نے قہقہہ لگایا اور خیمے میں داخل ہو گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے جوردیک کو بڑی گرمجوشی کے ساتھ گلے لگا لیا۔ کچھ دیر کی گفتگو کے بعد اس نے صلاح الدین ایوبی کو قلعے میں آنے کی دعوت دی۔ اور پھر واپس قلعے میں آ گیا۔

اس نے اپنے تمام کمانڈروں کو طلب کیا اور انھیں کہا ''اب اس قلعہ پر ملک الصالح کی بجائے صلاح الدین ایوبی کا جھنڈا لہرائے گا۔ ہمیں نہ شکست ہوئی اور نہ ہم سے کسی نے ہتھیار ڈلوائے ہیں، اس لیے خود کو شکست خوردہ تصور نہ کرنا۔ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم صلیبیوں اور ان کے دوستوں کے خلاف لڑیں گے۔''

کچھ ہی دیر بعد صلاح الدین ایوبی اپنی مرکزی کمان کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا تو تکبیر کے نعروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا گیا۔ اپنی مہم کی پہلی پُر امن کامیابی پر صلاح الدین ایوبی سجدۂ شکر بجالایا۔

صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کے کچھ فوجی حماۃ کے قلعے میں متعین کیے تاکہ وہ حماۃ کے دفاعی انتظامات کو مستحکم کریں اور جوردیک کی آدھی فوج کو اپنی اگلی مہم کے لیے ساتھ چلنے کے لیے تیار کیا اور آدھی وہیں چھوڑ دی تاکہ وہ اس کی فوج کے سپاہیوں سے مزید تربیت لے سکیں۔ اس نے اس بات کا خصوصی اہتمام کیا تھا کہ اس کے حملے کی خبر حمص اور حلب تک نہ پہنچ سکے تاکہ وہ دشمن کے سنبھلنے سے پہلے ہی اسے جا دبوچے۔ اس مقصد کی خاطر اس نے حمص اور حلب کے راستے پر اپنے جاسوس فوجی پھیلا دیے تھے جنھوں ان شہروں کی طرف جانے والے افراد کو جگہ جگہ روک لیا تھا۔



رات گئے تک حمص کے قلعہ میں رقص و سرود اور شراب و کباب کی محفل کے باعث ایک ہنگامہ برپا رہا۔ نشے سے چُور کمانڈر اور اس کے دوست مخمور آنکھوں کے ساتھ محفل جمائے

بیٹھے تھے۔

''نورالدین زنگی نے تو ہماری زندگی کو بے کیف و بے سرور کر رکھا تھا۔ وہ مرا تو ہمیں معلوم ہوا کہ عیش و راحت کیا ہوتی ہے'' کمانڈر اپنے دوستوں سے خوش گپیاں کر رہا تھا۔

''لیکن اب صلاح الدین ایوبی اس کی جگہ لینے کی کوشش کر رہا ہے'' ایک دوسرے کمانڈر نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔

''اس کا انتظام بھی حشیشین جلدی کر دیں گے'' تیسرے کمانڈر نے لقمہ دیا۔

''وہ دیکھو! آگ جل رہی ہے۔'' قلعے کی فصیل پر کھڑے سنتری کی آواز آئی جو اپنے ساتھی کو متوجہ کر رہا تھا۔

''کوئی قافلہ ہوگا'' اس کے دوسرے ساتھی نے نیم دراز ہوتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

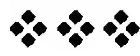
تھوڑی دیر گزری ہوگی کہ آگ کے چند گولے باہر سے بلند ہوئے اور پھر قلعے کی دیوار کے اندر آ کر گرے۔ اس کے بعد وقفے وقفے سے گولے اندر گرنے لگے۔ قلعے کے اندر رکھے ہوئے سامان رسد میں کئی جگہ آگ لگ گئی۔ نقارے بج اٹھے اور فوجی ہڑبڑا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ قلعہ دار کی رنگارنگ تقریب میں اتھل پتھل ہوگئی۔ سپاہی مقابلے کے لیے قلعے کی دیوار کی طرف لپکے تو سامنے سے تیروں کی اتنی شدید بارش ہوئی کہ انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ دروازے کے سنتریوں نے الگ شور مچا رکھا تھا:

''دروازہ جل رہا ہے، دروازہ جل رہا ہے۔'' یوں لگ رہا تھا کہ جیسے دروازے پر کسی نے آتش گیر مادہ پھینک دیا ہو۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنی یخ بستہ سرد رات میں کون حملہ آور ہو گیا ہے۔ کچھ دیر بعد ایک پکار سنائی دی۔ ''ہتھیار ڈال دو...... تمھیں کہیں سے مدد نہیں مل سکتی۔''

''صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دو۔ جان بچاؤ۔ تمھیں قیدی نہیں بنایا جائے گا۔''

یہ اعلان ساری رات وقفے وقفے سے ہوتا رہا اور تیر اندازی بھی دونوں طرف سے

جاری رہی۔ صبح کی روشنی میں جب قلعہ دار نے فصیلوں پر اپنے سپاہیوں کی لاشیں اور باہر صلاح الدین ایوبی کے لشکر کا محاصرہ دیکھا تو اسے صورت حال سمجھنے میں دیر نہ لگی اور بالآخر قلعہ دار کے حکم سے فصیلوں پر سفید پرچم لہرا دیے گئے۔ ایوبی نے اس قلعہ میں حماۃ کی فوج کا ایک دستہ متعین کیا اور اگلے دن حلب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ لیکن حلب پہنچنے سے پہلے ہی اس کے حملہ آور ہونے کی اطلاع حلب پہنچ چکی تھی۔



''بڑی حیران کن خبر ہے کہ اتنی شدید سردی میں ایوبی ہم پر حملہ آور ہو رہا ہے۔'' ملک الصالح کے ایک امیر نے کہا۔

''اچھا ہوا۔ صحرائی گرمی کی عادی ایوبی فوج کو جب حلب کی یخ بستہ ہواؤں کے تھپیڑے کھانے پڑیں گے تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے اور ایوبی کا کشور کشائی کا نشہ بھی ہرن ہو جائے گا'' دوسرے امیر نے قہقہہ لگایا۔

''آپ لوگ اس پر غور کریں کہ اب ایوبی کا مقابلہ کیسے کرنا ہے؟'' صلیبی مشیر نے ان کی گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا۔

''بس کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ صلاح الدین ایوبی شہر کی فصیل سے سر پٹختا رہے اور سردی میں ٹھٹھرتا رہے'' ملک الصالح کے امیر نے پھر قہقہہ لگایا۔

''ریمنڈ کی فوج ہمارے کام کب آئے گی؟'' ایک اور امیر نے سوال اٹھایا۔ اس کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی فوج اور اس کی صلاحیت پر کوئی بھروسہ نہ ہو۔

''ہماری فوج کے آنے میں تو وقت لگے گا'' صلیبی مشیر نے جواب دیا۔ ''وقت حاصل کرنے کے لیے فی الحال ایسا انتظام کرنے کی ضرورت ہے کہ ایوبی کو حلب کے محاصرے میں زیادہ سے زیادہ دیر تک الجھائے رکھا جائے۔ پھر ہماری فوج ایوبی کے عقب سے حملہ آور ہو اور

اندر سے سلطانی افواج ایوبی پر یلغار کریں'' صلیبی مشیر نے کہا۔

''لیکن ہمارے پاس تو اتنی فوج نہیں ہے جو ایوبی کی منجنیقوں اور ہتھیاروں کا مقابلہ کر سکے'' ایک امیر نے کہا۔

''اس کے لیے عوام کو ایوبی کے خلاف متحرک کرنا ہوگا۔ آپ لوگوں نے شہر کے عوام کو جس طرح بدظن کیا ہوا ہے، اس حالت میں آپ زیادہ دیر ایوبی کا مقابلہ نہیں کر سکتے'' صلیبی مشیر نے کہا۔

''اس کا حل کیا ہے؟'' ایک اور امیر نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کا حل بھی ہم نے سوچ لیا ہے۔ بس آپ لوگ بھی ذرا عوام میں گھل مل جائیں اور باقی ہمارے جاسوس یہ کام کریں گے'' صلیبی مشیر نے آہستہ سے کہا۔ چند ضروری امور طے کرنے کے بعد یہ اجلاس برخواست ہو گیا۔



''صلاح الدین ایوبی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ اس نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے جو کفر ہے۔''

''ایوبی کی افواج جس شہر کو فتح کرتی ہیں وہاں کی تمام خواتین کی اجتماعی آبروریزی کرتی ہیں اور شہر کو لوٹ کر آگ لگا دیتی ہیں۔''

''صلاح الدین ایوبی زنگی خاندان کا نمک حرام غلام ہے، وہ سلطان کا باغی ہے اور باغی کی شرعی سزا قتل ہے۔''

حلب کے گھر گھر اور گلی گلی یہی افواہیں زیر بحث تھیں۔ صلیبی ذہنی تخریب کاری کی مہم اس قدر پُر زور تھی کہ مساجد کے منبر و محراب بھی اس کی لپیٹ میں آ چکے تھے اور علما بھی صلاح الدین ایوبی کی گمراہی و بغاوت پر سیخ پا نظر آ رہے تھے۔ عالم کے روپ میں حلب میں موجود صلاح الدین ایوبی

کے جاسوس ''شیخ'' اور اس کے مریدوں نے اس صلیبی پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کی بہت کوشش کی مگر ان کو منہ کی کھانا پڑی۔ عوام کے اندر ایوبی کے خلاف بے پناہ جوش و خروش تھا۔ شہر کے سنجیدہ فکر اہل علم اور امراء بھی اپنی بات عوام کو سمجھانے میں ناکام نظر آ رہے تھے۔ صلیبی مشیر جانتے تھے کہ شہر میں ایوبی کے جاسوس بھی موجود ہیں۔ انھیں بے بس کرنے کے لیے پورے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تاکہ اندر کی کوئی بات صلاح الدین ایوبی تک نہ پہنچ سکے۔ صلاح الدین ایوبی کا ایک جاسوس شہر کی نئی کیفیت بتانے کے لیے کہ وہ کسی خوش فہمی میں نہ رہے، شہر سے نکلنے کی کوشش میں مارا گیا۔ شہر کے باشندوں کے قہر و غضب کے سامنے اب جاسوس بھی بے بس دکھائی دے رہے تھے۔ جاسوسوں کے بے بس ہونے کی وجہ سے صلاح الدین ایوبی کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ دشمن کے کیمپ میں کیا ہو رہا ہے۔



''اے حلب کے لوگو! تم میں جو بزرگ ہیں، وہ میرے باپ کی جگہ ہیں اور جو جوان ہیں، وہ میرے بھائی ہیں۔'' جوان سال سلطان ملک الصالح باب الغراق کے وسیع میدان میں ہزاروں انسانوں کے ہجوم سے مخاطب ہو رہا تھا۔ ''میرے والد محترم کے احسانات کو یاد کرو...... کیا تم بھی میرے والد کے نمک خوار صلاح الدین ایوبی کی طرح احسان فراموش بن جاؤ گے۔ آج وہ میری جاگیروں پر قبضہ کرتا ہوا حلب کے قریب آ پہنچا ہے۔ مجھے اس نمک حرام سے نجات دلاؤ۔'' یہ کہتے ہوئے ملک الصالح کی آواز رندھ گئی اور وہ روتے روتے پھر گویا ہوا:

''کیا تمام بزرگ اپنے سلطان مرحوم کے یتیم بیٹے کے سر پر دستِ شفقت نہ رکھیں گے؟ کیا نوجوان اپنے یتیم بھائی کو تنہا چھوڑ دیں گے؟''

''نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔'' پورا مجمع رو رو کر سلطان کو یقین دلا رہا تھا۔

''سلطان معظم! ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری لاشوں سے گزر کر ہی کوئی حلب

میں داخل ہوسکتا ہے۔''

بابِ الغراق کا میدان جذباتی نعروں اور پرشور آوازوں سے گونج رہا تھا۔

سازشی امراء نادان حکمران کو طوطے کی طرح سبق رٹوا کر لائے تھے۔ اہل حلب کے پُرجوش نعروں سے ملک الصالح بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ وہ خود کو پُر اعتماد محسوس کر رہا تھا۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی حلب میں داخل نہ ہو سکے گا، اور اگر اس نے ایسی غلطی کی تو سلطنت زنگی کے وفاداروں کی تلواریں ایوبی کا لہو چاٹ جائیں گی۔ اب وہ ہر صورت ایوبی کی سر بریدہ لاش دیکھنا چاہتا تھا۔ گمشتگین جیسے موقع پرستوں نے اس کے ذہن میں یہ بات نقش کر دی تھی کہ سلطنت زنگی کی زندگی کے لیے صلاح الدین ایوبی کی موت ضروری ہے۔



صلاح الدین ایوبی کی زندگی کا چراغ گل کرنے کے لیے آج ملک الصالح نے باطنی حشیشین کے مقامی سربراہ ابن قرمطہ کو شاہی محل میں بلوایا ہوا تھا۔ حلب شہر میں باطنیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ مصر اور دمشق میں سلطان زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے ان کا زور توڑ دیا تھا۔ ان دونوں جگہوں کے مفرور باطنی حشیشین حلب میں جمع ہو گئے تھے۔ باطنی بھی اپنا سب سے بڑا دشمن صلاح الدین ایوبی کو سمجھتے تھے اور ملک الصالح بھی۔ چنانچہ اپنے مخصوص درباریوں کے موجودگی میں اس نے اب قرمطہ کو حاضری کا اذن دیا۔

''ابن قرمطہ! آپ کا اور ہمارا دشمن ایک ہے۔ اگر آپ اسے ہمارے راستے سے ہٹا دیں تو ہم بیش بہا انعام سے نوازیں گے'' ملک الصالح نے حشیشین کے سرغنہ سے کہا۔

''سلطان معظم! ہمیں انعامات کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف اتنا کریں کہ آپ کے والد گرامی کے دور میں ہماری مذہبی رسوم کی ادائیگی پر جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں وہ فی الفور ہٹا دی جائیں۔ ہم آپ کو دشمن کے خاتمے کا یقین دلاتے ہیں۔'' ابن قرمطہ نے نہایت عیاری سے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

''والد گرامی کے قائم کردہ اصولوں میں مَیں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا'' نادان سلطان نے سوچے سمجھے بغیر جواب دیا۔

''اگر ہمیں حلب میں اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی کی بھی اجازت نہیں تو یہاں ہمارا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے'' ابن قرمطہ نے غصے سے مجلس سے اٹھتے ہوئے کہا۔''سلطان نورالدین زنگی نے تو پہلے ہی ہمیں قیدیوں کی حیثیت دی ہوئی تھی۔ اب اگر صلاح الدین ایوبی حلب میں داخل ہوکر ہمیں قتل کر دے، ہماری جاگیروں پر قبضہ کر لے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اب ہم کسی معاملے میں بھی حصہ نہ لیں گے۔'' ابن قرمطہ نے نہایت چالاکی سے ملفوف الفاظ میں یہ دھمکی دے دی تھی کہ ایوبی کے حملے کی صورت میں کوئی باطنی سلطان ملک الصالح کا ساتھ نہیں دے گا۔

باطنیوں کے ساتھ نہ دینے کا ایک مطلب یہ تھا کہ دمشق کی طرح حلب بھی آسانی سے صلاح الدین ایوبی کے قبضہ میں چلا جائے۔ یہ دھمکی ایسی کارگر تھی کہ سیاست کے پیچ وخم سے ناآشنا ملک الصالح ہی نہیں، گمشتگین اور امیر قطب الدین بن حسان جیسے گھاگ سیاستدان بھی گڑبڑا کر رہ گئے۔ جیسے ہی ابن قرمطہ جانے کے لیے کھڑا ہوا، گمشتگین نے اسے روکتے ہوئے کہا:

''بات ابھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی، ہمیں سوچنے کا موقع تو دیں۔''

''آپ حضرات خوب غوروخوض کر لیں مگر یہ یاد رہے کہ ہماری شرائط میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔'' ابن قرمطہ نرم لہجے میں ایک اور دھمکی دے کر چلا گیا۔

سلطان ملک الصالح نہیں جانتا تھا کہ اس کے باپ نے ان کی مذہبی رسوم پر پابندی کیوں لگائی تھی اور نہ اسے یہ اندازہ تھا کہ باطنی کس قدر طاقت ور اور خوف ناک لوگ ہیں۔ لیکن گمشتگین اور دیگر اہل دربار اس تخریب کار گروہ کی خباثتوں اور معاملے کی سنگینی کو جانتے تھے۔ چنانچہ گمشتگین نے سلطان کو مشورہ دیتے ہوئے کہا:

''سلطان معظم! اس وقت ہم صلاح الدین ایوبی کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہیں۔ ایسی

بحرانی حالت میں تو دشمن کے دشمن کو دوست بنانا ہی پڑتا ہے۔ لہٰذا اس جماعت پر عائد تمام پابندیاں ختم کردی جائیں۔''

''وہ پابندیاں کیسی ہیں؟'' ملک الصالح بیزار نظروں سے اپنے امراء کے چہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''سلطان مرحوم نے سیاسی مصلحت سے کام لیتے ہوئے کچھ پابندیاں باطنیوں کی رسوم کی اعلانیہ ادائیگی پر لگائی تھیں، اب سیاست کا تقاضا ہے کہ وہ پابندیاں ہٹالی جائیں'' چالاک گمشتگین نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''جیسے ہی ہمارا مطلب نکل جائے گا، وہ پابندیاں پھر عائد کردی جائیں گی۔ شطرنج کے مہروں کو حسب ضرورت گردش تو دینا ہوتی ہے نا۔''

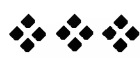
سیاسی پیچیدگیوں سے نابلد حکمران اپنے امراء کی چالوں کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ اگلے ہی روز ابن قرمطہ کو دربار خاص میں بلوا کر بتایا گیا:

''تم اپنی رسوم کی ادائیگی میں بالکل آزاد ہو مگر اس کے بدلے میں تمھیں حب الوطنی کا ثبوت دینا ہوگا۔''

''سلطان معظم! ابن قرمطہ نے انتہائی خوشامدانہ لہجے میں کہا؛'' آزمایش کی جب کوئی گھڑی آئی تو میری جماعت کا ایک ایک فرد سلطان کی آبرو اور ناموسِ وطن پر کٹ مرے گا۔''

پابندیوں کے خاتمے پر باطنیوں نے ایک خفیہ جشن کا اہتمام کیا، شراب و کباب سے سیر ہو کر انھوں نے نعرے لگائے:

''سلطان نورالدین زنگی سے انتقام لینے کا وقت اب آیا ہے۔ ملک الصالح کو پھانسی دے کر اس کی لاش چوراہے پر لٹکائیں گے اور نورالدین زنگی کی قبر کھود کر اس کی ہڈیاں بھی آگ میں جلائیں گے۔''



صلاح الدین ایوبی ملک الصالح کو مفاد پرست امراء کے نرغے سے نکالنا چاہتا تھا۔ جواں سال سلطان پر اتمام حجت کرنے کے لیے اس نے سلطان زنگی مرحوم کے ایک وفادار امیر عزالدین کو سفیر کے طور پر حلب بھیجا۔ ملک الصالح کے دربار میں کچھ ابتدائی رسمی گفتگو کے بعد امیر عزالدین نے سلطان سے خلوت میں ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ قطب الدین بن حسان اور گمشتگین نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایوبی کا سفیر تنہائی میں سلطان سے کیا کہنا چاہتا ہے؟ یقیناً صلاح الدین ایوبی کا کوئی ایسا پیغام ہی ہوگا جو ان امراء کے حق میں نہیں ہوسکتا۔

''سلطان معظم خلوت میں صرف اپنے ہم منصب افراد کو شرف باریابی بخشتے ہیں۔ سفیر کا کام صرف یہ ہے کہ وہ سلطان معظم کا وقت ضائع کیے بغیر اپنی آمد کا مقصد بیان کرے'' قطب الدین نے سفیر اور ملک الصالح کے درمیان مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''والئ مصر کی خواہش ہے کہ مسلمان باہمی خوں ریزی سے بچ جائیں تا کہ وہ کامل یکجہتی کے ساتھ صلیبی دشمنوں کا مقابلہ کرسکیں'' سفیر نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

ابھی ملک الصالح نے ایوبی کے سفیر کی بات کا جواب نہیں دیا تھا کہ گمشتگین بیچ میں بول اٹھا:

''یہ سفارت نہیں، منافقت ہے۔''

''والئ مصر ایک سچے اور کھرے انسان ہیں، جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر ہوتا ہے''۔ گمشتگین کی دلآزار گفتگو کے اثرات امیر عزالدین کے چہرے پر آسانی سے دیکھے جاسکتے تھے لیکن وہ خود پر ضبط کیے ہوئے تھا۔

''صلاح الدین ایوبی اگر اتنا ہی سچا اور کھرا ہے تو دمشق اور شام کے دیگر علاقے خالی کر کے مصر واپس جائے اور پھر ہم سے سفارت کاری کرے'' گمشتگین ایک بار پھر گفتگو میں حائل ہوا۔

''میں سلطان معظم سے بات کر رہا ہوں، آپ سے نہیں!'' گمشتگین کی بار بار کی مداخلت

سے امیر عزالدین کا لہجہ سخت ہو گیا۔ برسرِ مجلس اپنی سبکی پر گمشتگین ایک بار گڑبڑا گیا۔ اور پھر نئی چال چلتے ہوئے کہنے لگا:

''سلطان معظم! دیکھا آپ نے ایک غلام ابن غلام کا لہجہ، یہ سفارت کاری نہیں دھونس ہے دھونس۔''

''گمشتگین نے جو کچھ کہا ہے وہی ہمارا فرمان ہے۔'' نادان ملک الصالح اپنے امراء سے ہٹ کر سوچنے سے قاصر تھا۔ کمسن حکمران کی بے بسی کو دیکھ کر امیر عزالدین کے چہرے پر کرب واذیت کے آثار نمایاں ہوئے اور پھر وہ التجائیہ لہجے میں مخاطب ہوا:

''سلطان معظم! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کے عظیم تر مفاد کے لیے والئ مصر سے خود گفتگو کر لیں۔ یہ ملاقات دمشق اور حلب کے درمیان کسی مناسب جگہ پر ہو سکتی ہے۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ یہ ملاقات کتنی ضروری ہے۔''

''اگر والئ مصر کو ملی مفادات کا اتنا ہی خیال ہے تو وہ خود کیوں نہیں چلا آتا۔'' امیر قطب الدین بن حسان نے دوبارہ اپنی پرانی چال آزمائی۔ والئ مصر کے سفیر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ملک الصالح کو قائل کرنا اس کے بس میں نہیں رہا تو وہ جاتے جاتے کہنے لگا:

''سلطان معظم! والئ مصر شام میں کشور کشائی کے لیے نہیں بلکہ آپ کی جان اور سلطنت کو دوست نما دشمنوں سے بچانے کے لیے آیا ہے۔ آپ کے والد کے ایک مخلص اور وفادار سپاہی ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا کہ آنے والے طوفان کی تباہ کاریوں سے آپ کو آگاہ کر دوں۔'' یہ کہہ کر امیر عزالدین نشست گاہ سے تیزی کے ساتھ نکل گیا۔ جرأت و بے باکی سے کہی ہوئی ان باتوں سے ملک الصالح ایک بار چونکا ضرور تھا لیکن قطب الدین اور گمشتگین نے اپنی چرب زبانی سے کمسن حکمران کو مطمئن کر دیا۔



سازشوں کا جال

دریا کی اس طرف حلب کی فوج کے پڑاؤ میں سکوتِ شب کا سماں تھا۔صرف سنتری جاگ رہے تھے۔اتنی سرد رات میں دریا کے یخ بستہ پانی میں سے کسی کے گزر کر آنے کا بھی خطرہ نہ تھا۔ایک سنتری سردی سے ٹھٹھرتا ہوا ٹہل رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گردن دبوچ لی اور دوسرے نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔اور وہ اسے اٹھا کر ذرا فاصلے پر درختوں کے ایک جھنڈ میں لے گئے۔تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھی ہوئی تھی۔

''گھوڑے کہاں بندھے ہوئے ہیں؟ تمھیں یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ جھوٹ بولنے کا انجام کیا ہوگا؟'' ان میں سے ایک نے آہستگی سے اسے کہا۔

''اگر تم صلاح الدین ایوبی کے سپاہی ہو تو میں بھی تمھارا مسلمان بھائی ہوں۔ یہ بادشاہوں کے جھگڑے ہیں، ہم ایک دوسرے کا خون کیوں بہائیں'' سنتری نے انتہائی لجاجت سے کہا۔

''تم ہمارے سوال کا جواب دو'' یہ کہتے ہوئے اس نے تلوار کی نوک پر دباؤ اور زیادہ ڈال دیا تھا۔

''گھوڑے کسی ایک جگہ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔فوج تیاری کی حالت میں ہے۔اس لیے گھوڑے سواروں کے خیموں کے ساتھ ساتھ بندھے ہوئے ہیں'' سنتری نے جواب دیا۔

سے امیر عزالدین کا لہجہ سخت ہو گیا۔ بر سر مجلس اپنی سبکی پر گمشتگین ایک بار گڑ بڑا گیا۔ اور پھر نئی چال چلتے ہوئے کہنے لگا:

''سلطان معظم! دیکھا آپ نے ایک غلام ابن غلام کا لہجہ، یہ سفارت کاری نہیں دھونس ہے دھونس۔''

''گمشتگین نے جو کچھ کہا ہے وہی ہمارا فرمان ہے۔'' نادان ملک الصالح اپنے امراء سے ہٹ کر سوچنے سے قاصر تھا۔ کمسن حکمران کی بے بسی کو دیکھ کر امیر عزالدین کے چہرے پر کرب واذیت کے آثار نمایاں ہوئے اور پھر وہ التجائیہ لہجے میں مخاطب ہوا:

''سلطان معظم! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کے عظیم تر مفاد کے لیے والئ مصر سے خود گفتگو کر لیں۔ یہ ملاقات دمشق اور حلب کے درمیان کسی مناسب جگہ پر ہو سکتی ہے۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ یہ ملاقات کتنی ضروری ہے۔''

''اگر والئ مصر کو ملی مفادات کا اتنا ہی خیال ہے تو وہ خود کیوں نہیں چلا آتا۔'' امیر قطب الدین بن حسان نے دوبارہ اپنی پرانی چال آزمائی۔ والئ مصر کے سفیر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ملک الصالح کو قائل کرنا اس کے بس میں نہیں رہا تو وہ جاتے جاتے کہنے لگا:

''سلطان معظم! والئ مصر شام میں کشور کشائی کے لیے نہیں بلکہ آپ کی جان اور سلطنت کو دوست نما دشمنوں سے بچانے کے لیے آیا ہے۔ آپ کے والد کے ایک مخلص اور وفادار سپاہی ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا کہ آنے والے طوفان کی تباہ کاریوں سے آپ کو آگاہ کر دوں۔'' یہ کہہ کر امیر عزالدین نشست گاہ سے تیزی کے ساتھ نکل گیا۔ جرأت و بے باکی سے کہی ہوئی ان باتوں سے ملک الصالح ایک بار چونکا ضرور تھا لیکن قطب الدین اور گمشتگین نے اپنی چرب زبانی سے کمسن حکمران کو مطمئن کر دیا۔



سازشوں کا جال

دریا کی اس طرف حلب کی فوج کے پڑاؤ میں سکوتِ شب کا سماں تھا۔ صرف سنتری جاگ رہے تھے۔ اتنی سرد رات میں دریا کے یخ بستہ پانی میں سے کسی کے گزر کر آنے کا بھی خطرہ نہ تھا۔ ایک سنتری سردی سے ٹھٹھرتا ہوا ٹہل رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گردن دبوچ لی اور دوسرے نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اور وہ اسے اٹھا کر ذرا فاصلے پر درختوں کے ایک جھنڈ میں لے گئے۔ تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھی ہوئی تھی۔

''گھوڑے کہاں بندھے ہوئے ہیں؟ تمھیں یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ جھوٹ بولنے کا انجام کیا ہوگا؟'' ان میں سے ایک نے آہستگی سے اسے کہا۔

''اگر تم صلاح الدین ایوبی کے سپاہی ہو تو میں بھی تمھارا مسلمان بھائی ہوں۔ یہ بادشاہوں کے جھگڑے ہیں، ہم ایک دوسرے کا خون کیوں بہائیں'' سنتری نے انتہائی لجاجت سے کہا۔

''تم ہمارے سوال کا جواب دو'' یہ کہتے ہوئے اس نے تلوار کی نوک پر دباؤ اور زیادہ ڈال دیا تھا۔

''گھوڑے کسی ایک جگہ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ فوج تیاری کی حالت میں ہے۔ اس لیے گھوڑے سواروں کے خیموں کے ساتھ ساتھ بندھے ہوئے ہیں'' سنتری نے جواب دیا۔

پھر وہ چھاپہ مار سنتری کو کیمپ کے قریب لے آئے اور پوچھا:

''دستوں کے کمانڈر کہاں کہاں ہیں؟''

سنتری نے انداز ے کے ساتھ خیموں کی سمتوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اسے ساتھ لے کر پیچھے دریا کے کنارے کے قریب لے آئے۔

''یہاں کھڑے رہو اور تماشا دیکھو!'' ایک نے سنتری کو کہا، جب کہ دوسرا ڈھلوان سے نیچے اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چار آدمیوں کے ساتھ ایک چھوٹی سی منجنیق کھینچ کر اوپر لے آیا۔ اس منجنیق میں انھوں نے ایک جگہ ہانڈی رکھی۔ منجنیق کی گراری کے ساتھ پیوستہ ایک لمبا رسہ ان چاروں چھاپہ ماروں نے پکڑا اور پیچھے کو کھینچتے چلے گئے اور پھر یکدم اسے چھوڑ دیا۔ وہ ہانڈی منجنیق کے منہ سے اچھلی اور غلیلے کی طرح گھومتی ہوئی حلب کی فوج کے کیمپ میں جا گری۔ پھر اسی طرح دوسری اور تیسری ہانڈی منجنیق کے ذریعے پھینکی جانے لگیں۔ کھڑکا سن کو سنتریوں نے ہانک لگائی:

''کون ہے؟ کون ہے؟''

''خبردار! خبردار!''

تھوڑی ہی دیر میں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر ان ہانڈیوں کے تعاقب میں گرے جہاں ہانڈیوں میں سے نکل کر سیال آتش گیر مادہ بکھر گیا تھا۔ جلتے ہوئے تیروں کے فلیتوں نے آتشگیر مادے میں آگ بھڑکا دی۔ کئی ایک خیموں میں آگ لگ گئی۔ کیمپ کی مختلف اطراف میں مسلسل ہانڈیوں کے گرنے اور تیروں کے برسنے سے بھگدڑ مچ گئی۔ گھوڑے رسیاں تڑوا رہے تھے، ہر طرف شعلے بلند ہو رہے تھے۔ ایک میل سے زیادہ وسیع علاقہ روشن ہو چکا تھا۔ ادھر ادھر دوڑتے ہوئے سپاہی چھاپہ ماروں کے تیروں کی زد میں تھے۔ کمانڈروں کے سنبھلتے سنبھلتے چھاپہ مار تباہی مچا کر غائب ہو چکے تھے۔

کیمپ کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ بہت سارا سامان جنگ اور رسد جل چکا تھا۔ چھاپہ ماروں کے تیروں کی زد میں آ کر بہت سے سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر بِد کے ہوئے گھوڑوں نے نکال دی تھی۔ سحر تک سپاہی انھیں سنبھالنے میں لگے رہے کہ فجر کی نیم تاریک فضا میں پھر آواز گونجی:

''ہوشیار ہوشیار''

''خبردار خبردار''

ایک بار پھر قیامت ٹوٹنے لگی۔ اس دفعہ یہ چھاپہ مار نہ تھے بلکہ صلاح الدین ایوبی کے ایک دستے کا باقاعدہ حملہ تھا۔ حلب کے سپاہیوں نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی مگر ان کے پاؤں جم نہ سکے۔ پسپا ہوتی ہوئی حلبی فوج کو ان کے کمانڈروں نے بہت ہلا شیری دینے کی کوشش کی لیکن صلاح الدین ایوبی کے سپاہیوں کی للکار ان کے جذبوں کو ماند کر رہی تھی، جو کہہ رہے تھے ''تم صلیبی کافروں کے دوست ہو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اللہ کا قہر تم پر نازل ہو رہا ہے۔''

ایوبی فوج کا ہر سپاہی اس یقین سے لڑ رہا تھا کہ وہ حق پر ہے کیونکہ ان کا دشمن کافروں کا دوست ہے اور مرتد ہے۔ ملک الصالح کی فوج کے سامنے کوئی واضح مقصد اور نعرہ نہ تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے پسپا ہونے والی فوج کا زیادہ دور تک تعاقب نہ کیا۔ فی الحال اسے باقی فوج اور سامان رسد کے ساتھ دریا پار کرنے کے لیے جس مناسب جگہ کی ضرورت تھی، وہ جگہ اسے مل گئی۔

بلند چٹان پر چڑھ کر صلاح الدین ایوبی نے میدان جنگ کا نظارہ کیا۔ دشمن بہت سی لاشیں اور قیدی چھوڑ کر بھاگ چکا تھا۔ لیکن یہ منظر دیکھ کر ایوبی کے چہرے پر خوشی کی بجائے اداسی کے آثار نمایاں تھے۔

''یہ خون جو یہاں بہا ہے، کاش! صلیبیوں کے خلاف لڑائی میں بہا ہوتا'' یہ کہتے ہوئے

صلاح الدین ایوبی کی آواز رندھ گئی۔ ''اے اللہ تو جانتا ہے کہ مفاد پرست امراء تیرے نبیؐ کی امت کے جسم میں ایسا ناسور بن چکے ہیں جن پر نشتر چلائے بغیر جسدِ ملت صحت یاب نہیں ہوسکتا۔ اے الٰہ العالمین میرے عذر کو قبول فرما۔''



جنوری ۱۱۷۵ء کے اوائل میں ایوبی لشکر نے دریا پار کیا۔ حلب سامنے نظر آ رہا تھا۔ محاصرے کی ترتیب میں اس نے فوج کو آگے بڑھایا۔ اسے توقع تھی کہ حلب کے شہری مسلمان ہیں۔ اس لیے وہ دو مسلمان گروہوں کی جنگ سے لاتعلق رہیں گے۔ لیکن شہر سے نکل کر حملہ کرنے والے دستوں کے جارحانہ انداز نے اس کے دستوں کی پیش قدمی کو روک دیا تھا۔ جونہی شہر سے کوئی دستہ نمودار ہوتا، شہر کی فصیل سے ایوبی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی اور حلبی دستے ایوبی کی صفوں میں گھس جاتے۔ یہ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا۔

اس مڈبھیڑ میں حلب میں رکے ہوئے چند جاسوس بھی باہر آ گئے۔ انھوں نے صلاح الدین ایوبی کو بتایا کہ حملہ آور صرف فوج نہیں، عام شہری بھی ہیں اور شہریوں میں ایوبی لشکر کے خلاف جنگی جنون بھڑکایا جا رہا ہے۔ صلاح الدین ایوبی اہل حلب کی دلیری پر عش عش کر اٹھا لیکن اداس لہجے میں گویا ہوا:

''کاش! مسلمانوں کا یہ جذبہ صلیبی دشمنوں کے خلاف استعمال ہوتا۔ کفار اسی جذبے کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔''

جنگ میں اہل شہر کی گرمجوشی کے پیش نظر صلاح الدین ایوبی نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ اب نئی حکمت عملی زیر بحث تھی۔

''شہر پر منجنیقوں کے ذریعے آگ برسائی جائے'' ایک کمانڈر نے تجویز پیش کی۔

''نہیں! عیاش اور مفاد پرست امراء کے کرتوتوں کی سزا میں شہر کے معصوم بچوں

اور عورتوں کو نہیں دینا چاہتا۔ شہر کے جو مسلمان میرے چھاپہ ماروں کے مقابلے میں آکر مارے جاتے ہیں، انھیں تو میں نہیں بچا سکتا، البتہ گھروں میں بیٹھے ہوئے شہریوں کو میں حتی المقدور بچانے کی کوشش کروں گا۔'' صلاح الدین ایوبی کافی آزردہ نظر آرہا تھا۔

''عالی جاہ! اس کے بغیر جنگ طول کھینچ جائے گی'' کمانڈر نے خدشے کا اظہار کیا۔

''ہم جانتے ہیں۔ شہر کے لوگوں کی غلط فہمی دور ہونے میں وقت لگے گا اور ہماری یہ مہم صبر آزما ہوگی۔'' صلاح الدین ایوبی نے فصیل شہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر اپنے نائب کو حکم دیا:

''شہر کو مکمل محاصرے میں لے لیا جائے۔ حملہ روکا جائے اور خود حملہ نہ کیا جائے۔ محاصرے کو اتنا سخت کیا جائے کہ باہر سے کوئی فرد اور چیز اندر نہ جا سکے۔''

پورا ایک مہینہ حلب کی فوج محاصرے کو توڑنے کی کوشش کرتی رہی لیکن ناکام رہی۔



''ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، ابھی تک ہماری فوج حملہ آوروں کا محاصرہ نہیں توڑ سکی'' ملک الصالح اپنے امراء سے مخاطب تھا۔ ''کاروبار زندگی معطل ہے۔ ضروریات زندگی کے حصول کے لیے شہریوں میں دنگے فساد کی خبریں آرہی ہیں۔ تم قلعے سے نکل کر یکبارگی حملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم اس وقت باہر نکلو گے جب دشمن چار دیواری کے اندر داخل ہو جائے گا۔''

''سلطان ذی وقار! ہم اپنے سپاہیوں کو موت کے منہ میں کیوں جھونکیں۔ صلاح الدین ایوبی کب تک حلب کا محاصرہ جاری رکھے گا۔ موسم کی شدت بالآخر اسے محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دے گی۔'' گمشتگین نے ماہرانہ انداز میں اپنا تجزیہ پیش کیا۔ صلاح الدین ایوبی کی دہشت کے باعث حلب کے امراء اس کا سامنا نہ کرنا چاہتے تھے۔

''کچھ بھی ہو ہم اپنے والد کے نمک خوار کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔'' ملک الصالح نے غضب ناک لہجے میں اپنی آرزو کا اظہار کیا۔

''سلطان معظم! اہل دانش کہتے ہیں کہ اگر دشمن خود ہی مر جائے تو اس پر تیر ضائع نہیں کرنا چاہییں۔'' یہ کہتے ہوئے گمشتگین نے جبراً مسکرانے کی کوشش کی، جب کہ خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا کہ کہیں ملک الصالح اسے میدانِ جنگ میں اترنے کا حکم نہ دے دے۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارا تیر بھی ضائع نہ ہو اور دشمن بھی ہلاک ہو جائے؟'' سلطان الملک الصالح کا چہرہ بدستور غضب ناک تھا۔

'تیر تو ضائع ہوں گے مگر کسی اور کے۔'' یہ کہتے ہوئے گمشتگین سلطان کے قریب ہوا اور کچھ دیر سلطان سے سرگوشی کرتا رہا۔ چند لمحوں کے لیے ملک الصالح کے ہونٹوں پر تبسم ابھرا۔ شریک مجلس امراء حیران تھے کہ گمشتگین کون سی راز داری کی بات کر رہا ہے۔



''ابن قرمطہ! تیرے فرقے کی مذہبی رسوم پر عائد پابندی کس نے ہٹوائی؟'' گمشتگین اپنے محل کے خصوصی کمرے میں باطنیوں کے سربراہ ابن قرمطہ سے محو گفتگو تھا۔

''ہمارا ہر فدائی امیر گمشتگین کو اپنا حامی و مددگار سمجھتا ہے'' ابن قرمطہ نے عیارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''تو پھر اپنے تمام فدائیوں کو پابند کرو کہ وہ کل مسلح ہو کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف میدان میں اتریں اور سلطان سے کیے ہوئے اپنے عہد کو پورا کریں۔'' گمشتگین کی بات سن کر ابن قرمطہ ایک بار تو گڑبڑا گیا۔ جلد ہی اس نے خود کو سنبھالا اور گویا ہوا:

''ہمارے معاہدے میں یہ شرط شامل نہ تھی۔''

''اگر یہ شرط نہ تھی تو پھر معاہدہ کس بات کا ہوا تھا۔'' گمشتگین نے حیرت سے پوچھا۔ اب اس کی آواز بھی بھاری ہو گئی تھی۔

''بات یہ طے ہوئی تھی کہ صلاح الدین ایوبی کے حلب پر حملہ کی صورت میں ہمارے گروہ

کا ہر تندرست و توانا فرد ان کے خلاف جنگ کرے گا'' ابن قرمطہ نے کہا۔

''اور حملہ کس چڑیا کا نام ہے۔'' گمشتگین کے لہجے کی تلخی اور تیزی بڑھ گئی تھی۔

''یہ محاصرہ ہے۔'' ابن قرمطہ نے لفظی تاویل کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ ''اور جنگ وہ ہوتی ہے جب دونوں طرف تلواریں بے نیام ہو جائیں اور گردنیں کٹنے لگیں'' ابن قرمطہ نے عیارانہ اعتماد سے کہا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ والئی مصر اور ملک الصالح آپس میں بھڑ جائیں اور جب وہ دونوں لڑ لڑ کر کمزور ہو جائیں تو باطنیوں کو شام اور مصر کا اقتدار مل جائے۔ اس بحث و تمحیص کے نتیجے میں گمشتگین کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ رہا کہ ابن قرمطہ اس کی چال میں آنے کا نہیں ہے۔ لیکن اس کا فریبی ذہن ابن قرمطہ کی طاقت کو اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتا تھا۔ بالآخر اس نے ابن قرمطہ کو کہا:

''ایک بات یاد رکھو! اگر حلب میں صلاح الدین ایوبی کے قدم جم گئے تو ہم ہی تباہ نہیں ہوں گے، تمھاری جماعت بھی مٹ کر رہ جائے گی۔ صلاح الدین ایوبی تمھارا وہی حشر کرے گا جو نور الدین زنگی کرتا اگر اسے اور مہلت مل جاتی۔ اس لیے اگر تم جنگ نہیں کرنا چاہتے تو بھی زندہ رہنے کی کوئی راہ نکالو۔''

''والئی حلب! اب آئے ہیں آپ سیدھی راہ پر'' ابن قرمطہ نے بے تکلفانہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس سے غرض نہیں کہ تمھارا عقیدہ کیا ہے اور میرا کیا؟ میں یہ جانتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی میرا بھی دشمن ہے اور تمھارا بھی۔''

''اگر تم اسے بیچ سے ہٹا دیتے ہو تو والئی مصر ابن قرمطہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔'' گمشتگین نے باطنیوں کے سربراہ کو دانہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''اور باقی علاقے؟'' ابن قرمطہ نے آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''تجارت میں دو شرکاء کام اکٹھا کریں تو نفع برابر تقسیم ہوتا ہے۔ مصر تمھارا اور حلب و دمشق

میرا، کیوں سودا منظور ہے؟''

ہوس اقتدار میں مبتلا گمشتگین سلطنت زنگی کا بٹوارہ کرنے سے بھی نہیں ہچکچا رہا تھا۔

''منظور ہے۔'' ملت اسلامی کے باطنی دشمن ابن قرمطہ نے کہا اور اسی رات اپنی سازشوں کے جال بننے کے لیے حلب سے باہر چلا گیا۔



شام کے سرحدی علاقے میں باطنی حشیشین کی بڑی موثر اکثریت آباد تھی۔ جہاں شیخ سنان نامی شخص ان کی قیادت کرتا تھا۔ باطنیوں کے نزدیک دین کا ایک ظاہری پہلو ہے اور دوسرا باطنی۔ وہ دین کے ظاہری پہلو یعنی شریعت کو غیری ضروری قرار دے کر ہر شرعی حکم کی باطنی تعبیر وتشریح کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ شریعت کے حکم کے صحیح ہونے کا معیار قرآن وسنت ہے جس کی تشریح میں من مانی کرنے کی گنجایش کم ہی ملتی ہے، جب کہ باطن کے نام پر وہ جو بیان کرنا چاہتے، کرتے، جو عمل کرنا چاہتے، کر لیتے۔ اس طرح ہر برے عمل کا دینی جواز پا کر لوگوں کو مطمئن کر دیا جاتا۔

عباسی دور خلافت میں حسن بن صباح اور اس کے پیروکاروں نے خفیہ انداز سے اپنے نظریات کو پھیلایا۔ ہر قسم کی بے راہروی کا دینی جواز بنا کر نوجوانوں کو عیش وعشرت کی راہ پر لگا دیتے اور امت کے طے شدہ مسائل کو متنازع بنا کر ان کی ذہن سازی کرتے رہتے اور بالآخر کسی موقع پر اسے حشیش (بھنگ) کا مشروب پلا کر ایران کے پہاڑوں میں قلعہ الموت کے اندر بنائی گئی مصنوعی جنت میں لے جاتے۔ وہ وہاں حشیش کے نشہ میں جنت کی حور وقصور اور نعمتوں کا مشاہدہ کرتا اور پھر وہاں اسے کسی اہم مسلمان شخصیت یا بہت سے قائدین کو قتل کرنے کا ہدف دے کر دوبارہ ''دنیا'' میں بھیج دیا جاتا اور اسے بتایا جاتا کہ وہ حورانِ بہشتی کی آغوش میں اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب وہ دنیا میں اپنے ''مرشد'' کے حکم کے مطابق مہم سرانجام دے۔ چنانچہ وہ ''جنت'' کے حصول کے لیے اس قدر دیوانہ ہو جاتا کہ اس ''فانی دنیا'' میں اس کو جو

ہدف دیا جاتا اس کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا۔

شام کے سرحدی علاقے میں باطنی فدائیوں کا مرشد شیخ سنان رہتا تھا۔ ابن قرمطہ نے یہاں پہنچ کر شیخ سنان سے ملاقات کی اور حلب کے امراء کی پیش کش اس تک پہنچائی کہ اگر وہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں تو مال و دولت کے علاوہ مصر اور دیگر کئی شہر بھی انھیں سونپ دیے جائیں گے۔ عالم اسلام میں اب صلاح الدین ایوبی ہی وہ شخصیت تھی جس کو حشیشین اپنے باطل نظریات و خیالات کی ترویج و اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اسے قتل کرنا تو ان کے نزدیک عین عبادت تھا۔ ابن قرمطہ کی بات سن کر شیخ سنان نے دیوانگی کی سی کیفیت میں ایک قہقہہ لگایا:

''ابن قرمطہ! نورالدین زنگی کے بعد میرے آدم خور ایک عرصے سے کسی لذیذ خون کی اشتہا محسوس کر رہے تھے۔ بہت دنوں بعد انھیں کسی نے مدعو کیا ہے۔''

چالیس باطنی فدائیوں کا دستہ اس نے ابن قرمطہ کے ساتھ کر دیا اور اس سے کہا:

''صلاح الدین ایوبی کے قتل کے فوراً بعد ہی ملک الصالح کو اور پھر گمشتگین سمیت دیگر امراء کو قتل کر دینا۔''

حلب پہنچ کر یہ فدائی مختلف اوقات میں الگ الگ صلاح الدین ایوبی کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ صلاح الدین ایوبی اس وقت حلب کے باہر ''جبل جوشن'' کے مقام پر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔



''شہر کی رعایا اب ہر دوسرے تیسرے دن جلوس کی صورت میں قصر سلطنت کے باہر آ کر ہم سے فریاد کر رہی ہے کہ انھیں اس صورت حال سے نجات دلائی جائے جس کے باعث وہ کاروبارِ زندگی کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ شہر کے باہر تلاش روزگار کے لیے بھی نہیں جا سکتے۔''

سلطان ملک الصالح اپنے دربار میں امراء سے مخاطب تھا۔

''لیکن اس طرح تو رعایا ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب جائے گی۔'' نو عمری کے باوجود سلطان الملک الصالح تشویش میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

''سلطان عالی مقام! عوام کو زیادہ عیش و آرام بغاوت پر اکساتا ہے۔ عقل مند حکمران وہی ہوتا ہے جوان پر ایسے بوجھ لادتا رہتا ہے جوان کی کمر بھی جھکائے رکھے اور سر بھی۔'' گمشتگین کم سن سلطان کو رعایا پر ظلم کرنے پر ابھار رہا تھا۔



دونوں ہاتھوں میں دینار اچھالتے ہوئے شاہ یروشلم ریمنڈ قہقہہ لگا رہا تھا:

''سلطان زنگی! مجھے اپنی شکست، آٹھ سالہ قید کے دن اور تمھیں ادا کیا ہوا تاوان کبھی نہیں بھول سکتا۔ تُو تو دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن میں تیری اولاد سے اپنے تاوان کا سود بھی وصول کروں گا۔'' فاتحانہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

حالات کی ستم ظریفی کہ سلطان نورالدین زنگی آخری سانس تک بیت المقدس کی آزادی کے لیے صلیبیوں کے خلاف لڑتا رہا۔ طرابلس کا حکمران ریمنڈ حارم کی جنگ میں سلطان زنگی سے شکست کھا کر آٹھ سال تک سلطان زنگی کی قید میں رہا اور ڈیڑھ لاکھ دینار تاوان اور ایک ہزار مسلمان قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں رہا ہوا۔ آج سلطان زنگی کا بیٹا اسی ریمنڈ کو جنگی اخراجات ادا کر کے مسلمانوں پر حملے کی دعوت دے رہا تھا۔

شاہ یروشلم (بیت المقدس) اموری کا اکلوتا ولی عہد بالڈون کوڑھ کے مرض میں مبتلا تھا۔ تمام تر علاج کے باوجود تندرست نہ ہوا۔ بیٹے کے اسی غم میں مبتلا مسلمانوں کا یہ سب سے بڑا دشمن فوت گیا۔ دس سالہ بالڈون امور مملکت چلانے کے اہل نہ تھا بالآخر امراء کے طویل مشوروں کے بعد ریمنڈ کو یروشلم کا نگران بادشاہ بنا دیا گیا۔ اس کے انتخاب کی وجہ اس کی شاہ اموری کی طرح مسلمانوں سے شدید نفرت کرنا تھی۔ اس وقت شاہِ یروشلم کی حیثیت تمام بادشاہوں سے

زیادہ محترم تھی۔



''اہل حلب کو تنہا نہ سمجھنا۔ تمام عالم مسیحیت سلطان الملک الصالح کی پشت پر ہے۔ اگر سلامتی چاہتا ہے تو حلب کا محاصرہ اٹھا کر واپس مصر چلا جا۔''

شاہ یروشلم ریمنڈ کا مکتوب پڑھنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے ریمنڈ کے سفیر کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا:

''تمھارے بادشاہ کو میں نے خود حارم کی جنگ میں گیدڑ کی طرح بھاگتے اور پھر گرفتار ہوتے دیکھا ہے۔ اور پھر اس نے سلطان زنگی کے پاؤں پڑ کر اپنی زندگی کی جس طرح بھیک مانگی تھی، وہ منظر بھی میں بھول نہیں سکتا۔''

''شاہ یروشلم کس قدر طاقت ور ہیں، والئ مصر کو شاید اس کا اندازہ نہیں ہے۔ جب وہ میدان جنگ کا رخ کریں گے تو تمام مسیحی دنیا ان کے ساتھ ہوگی۔'' صلیبی سفیر نے صلاح الدین ایوبی کو مرعوب کرنا چاہا۔ لیکن ایوبی نے سفیر کی لاف زنی کو پرکاہ کے برابر وقعت نہ دی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں ریمنڈ کے سفیر کو کہا:

''آپ جا سکتے ہیں۔''

''شاہ یروشلم کے خط کا جواب؟'' صلیبی سفیر نے صلاح الدین ایوبی کو خیمے سے نکلتے دیکھ کر کہا:

''ہم شاہ یروشلم کی طاقت کا اندازہ میدان جنگ میں کریں گے۔''

ریمنڈ کے سفیر کا گمان تھا کہ صلاح الدین ایوبی مسیحی دنیا کی جنگ میں شرکت کی دھمکی سن کر گھبرا جائے گا اور صلح جوئی کی راہ چاہے گا لیکن صلاح الدین ایوبی ان تمام باتوں سے بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔



''مردود باطنیو! میں تمھیں خوب پہچانتا ہوں کہ تم کس ارادے سے یہاں آئے ہو۔ لیکن تم میرے ہوتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے'' صلاح الدین ایوبی کے لشکر کے ایک دستے کے کمانڈر امیر نجم الدین نے ایک مشکوک شخص کو گریبان سے پکڑا ہوا تھا اور وہ زور زور سے بولے جا رہا تھا۔ نجم الدین سلطان نورالدین زنگی کے دور میں شام کے سرحدی علاقے بوقبیس کا حاکم تھا۔

سلطان زنگی کی وفات کے بعد ملت کی سالمیت کی خاطر اس نے صلاح الدین ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ شام کے سرحدی علاقے میں باطنی جماعت کے اکثر افراد کو وہ پہچانتا تھا۔ اس نے اپنے علاقے کے ایک نامور باطنی کو لشکر میں مشکوک انداز میں دیکھا تو اسے پہچان لیا اور اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔

راز فاش ہوتے دیکھ کر ایک آدم خور نے زیر قمیض چھپا ہوا خنجر اس مہارت سے نکالا کہ دوسرے لمحے وہ نجم الدین کے شکم میں پیوست تھا لیکن امیر نجم الدین نے اس کا گریباں نہ چھوڑا اور چیخ چیخ کر کہا:

''امیر صلاح الدین کو آگاہ کرو کہ لشکر میں حشیشین گھس آئے ہیں۔'' نجم الدین کی آواز سن کر بہت سے باطنی فدائی پلٹے اور نجم الدین کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ گریبان سے پکڑے ہوئے آدم خور باطنی نے نجم الدین پر پے در پے کئی وار کیے لیکن انھوں نے اس آدم خور کو نہ چھوڑا۔ بالآخر نجم الدین کے ایک سپاہی نے باطنی آدم خور کو قتل کر دیا۔ زخموں سے چور اور خون بہہ جانے سے نڈھال نجم الدین لڑکھڑا کر گر پڑا۔ سپاہی نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی مگر نجم الدین نے اکھڑتی سانسوں کے ساتھ سپاہی سے کہا:

''مجھے چھوڑ دو، امیر صلاح الدین ایوبی کی حفاظت کرو۔''

اس دوران دو آدم خور صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں گھسنے کی کوشش کر چکے تھے لیکن

بروقت اطلاع کے باعث امیر طغرل نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔

صلاح الدین ایوبی جب امیر نجم الدین کے قریب پہنچا تو نجم الدین نے ایک بار آنکھیں کھولیں اور ایوبی کو سامنے دیکھ کر کہا:

''میرے امیر! اللہ آپ کی حفاظت کرے'' اور ساتھ ہی اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔
صلاح الدین ایوبی نے زمین پر بیٹھتے ہوئے نجم الدین کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

''ملت اسلامیہ کے جان نثار! اللہ تم پر رحمت کا نزول فرمائے۔''



''سلطان معظم! مبارک ہو! بالآخر آپ کا دشمن محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گیا ہے۔'' گمشتگین نے پر جوش لہجے میں ملک الصالح کو کہا جو قطب الدین بن حسان اور دیگر امراء کے ساتھ شہر کی فصیل پر کھڑا جبل جوشن کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں صلاح الدین ایوبی کے سپاہی اپنے خیمے اکھیڑ رہے تھے اور سامان باندھ رہے تھے۔ مہینہ بھر کے محاصرے کے بعد یکم فروری ۱۱۷۵ء کو صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں نے اسے بتایا کہ ریمنڈ حماۃ پر یلغار کے لیے آ رہا ہے۔ اگر وہ حماۃ پر قابض ہو جاتا تو صلاح الدین ایوبی کا عقب غیر محفوظ ہو جاتا۔ فوج کی رسد (سپلائی) کا سلسلہ کٹ جاتا۔ اور اس طرح ایوبی لشکر حلب کی فوج اور صلیبی فوجوں کے درمیان پس کے رہ جاتا۔

صلاح الدین ایوبی نے فوراً پیچھے چھوڑے ہوئے دستوں کو پیغام پہنچایا کہ وہ کوہ الرستان کے پہاڑی سلسلے میں تاک میں بیٹھ جائیں البتہ ریمنڈ سے دو بدو جنگ سے گریز کریں۔ اور خود بھی حلب سے محاصرہ اٹھا کر الرستان کی طرف چل کھڑا ہوا۔ ریمنڈ کا گمان تھا کہ سردی کی شدت کے باعث ایوبی کی صحرائی فوج اس کی یورپی اور برفانی علاقے کی فوج کا ڈٹ کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

ریمنڈ کی فوج کا ہراول دستہ الرستان کے پہاڑی سلسلے میں بخیر و خوبی آگے تک آ چکا تھا اور اب باقی فوج بھی الرستان کی گھاٹیوں میں سے گزر رہی تھی کہ یکا یک ایک طبل پر ضرب

پڑی جس کی گونج دور دور تک پہاڑوں میں سنی گئی، اور اس کے ساتھ ہی ریمنڈ کی فوج پر پہاڑوں سے تیر برسنے شروع ہو گئے۔ صلیبی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کا سماں تھا۔ برفانی پہاڑوں پر چھپنے کے مواقع بھی کم تھے۔ بہت سے جانی و مالی نقصان کے بعد فوج پیچھے ہٹی۔

ریمنڈ نے صورت حال کا از سر نو جائزہ لینے اور نئی حکمت عملی اختیار کرنے کے لیے پڑاؤ ڈال دیا لیکن ساتھ ہی موسم خراب ہو گیا۔ بارشیں رکنے کا نام ہی نہ لے رہی تھیں۔ ایک ہفتہ یونہی گزر گیا۔ اناج اور گھوڑوں کی خشک گھاس کم ہو رہی تھی۔ ریمنڈ نے رسد کا انتظام بہت اچھا کیا تھا۔ لیکن چند دن تو اس انتظار میں گزرے کے بارش ختم ہونے کے ساتھ رسد بحال ہو جائے گی لیکن جب مزید ایک ہفتہ گزر گیا کہ پیچھے سے کوئی مال نہیں آیا تو قاصد بھیجا گیا۔ دو دن بعد اس کا جواب آیا کہ ایوبی فوج نے پیچھے سے راستہ روکا ہوا ہے۔ ریمنڈ حیران تھا کہ صلاح الدین ایوبی اس کے عقب میں کیسے جا پہنچا۔ اس بات کی دیگر ذرائع سے تصدیق ہو گئی کہ ایوبی نے حلب کا محاصرہ اٹھا لیا ہے تو اس نے اپنے افسران سے کہا:

”گویا ہم جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ پورا ہو گیا ہے۔ اس لیے فوج تریپولی (طرابلس) کو واپسی شروع کرے۔“

ریمنڈ نے واپسی کے لیے ایک دشوار گزار راستہ اختیار کیا تاکہ وہ ایوبی لشکر سے ٹکرانے سے بچ جائے کیونکہ وہ اس بات سے مرعوب ہو گیا کہ جو فوج برفانی علاقے میں بھی اس شدت کے جاڑے میں لڑ سکتی ہے، اس سے مقابلہ آسان نہیں، خصوصاً اس صورت میں کہ آگے اور پیچھے دونوں طرف سے ایوبی لشکر نے اس کی رسد بھی مفلوج کر دی تھی۔ نیز اسے ملک الصالح کی خطیر رقم جنگی اخراجات کے نام پر ہضم کرنے کا بہانہ مل گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی حیران تھا کہ ریمنڈ مقابلے پر کیوں نہیں آیا۔



غدار کا انجام

''عالی جاہ! شاہ یروشلم ریمنڈ کا ایلچی دربار میں حاضری کا طلب گار ہے'' دربار کا حاجب اجازت طلب نظروں سے ملک الصالح کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ملک الصالح، گمشتگین، قطب الدین اور دیگر امراء کے چہرے تجسس آمیز بشاشت سے کھل اُٹھے۔

''اجازت ہے۔''

چند لمحوں بعد ہی صلیبی سفیر اندر داخل ہوا۔

''سلطان معظم! شاہ یروشلم کا خط پیش خدمت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک ملفوف خط ملک الصالح کو پیش کیا۔ ملک الصالح نے وہ خط اپنے قریب بیٹھے ہوئے گمشتگین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

''ہمارے دوست ریمنڈ کا خط تمام حاضرین کے سامنے پڑھا جائے۔''

گمشتگین نے خط پڑھنا شروع کیا:

''صلاح الدین ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو میں حسب معاہدہ آپ کی مدد کے لیے فوج لے کر نکلا۔ یہ صلیبیوں کا جاہ وجلال تھا کہ میرے لشکر کے حرکت میں آتے ہی ایوبی فرار ہو گیا۔ میں نے اس پر اس قدر خوف طاری کر دیا ہے کہ آئندہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اب ہمارا وہ فوجی معاہدہ جس کے تحت آپ نے مجھے سونا اور نقدی دی تھی، مکمل

ہو گیا ہے، لہٰذا میرے فوجی مشیروں کو واپس بھیج دیا جائے۔“

اہل دربار کے لیے خط میں ایک طرف خوش خبری تھی تو دوسری طرف صلیبی بادشاہ کی بے حسی اور خود غرضی جھلک رہی تھی۔

ریمنڈ کے ایلچی کی شاہی مہمان کی حیثیت سے خوب آؤ بھگت ہوئی۔ اگلی رات اس کامیابی کی خوشی میں شاہی جشن کا اہتمام کیا گیا جس میں ایلچی اور دیگر صلیبی مشیر موجود تھے۔ محفل ناؤ نوش جوبن پر تھی کہ شاہی جاسوسوں نے خبر دی کہ صلاح الدین ایوبی دوبارہ حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ شرکائے محفل حیران و پریشان تھے۔ گمشتگین اس قدر حواس باختہ ہوا کہ شاہی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صلیبی سفیر پر برس پڑا:

”تمھارے بادشاہ کی بات کو سچا مانیں یا اپنے جاسوسوں کی بات کو؟“

”شاہ یروشلم کچی بات کرنے کے عادی نہیں ہیں“ صلیبی مشیر نے اپنے بادشاہ کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے جاسوسوں کا آنکھوں دیکھا جھوٹ ہے۔“ گمشتگین کو اپنے جاسوسوں پر پورا اعتماد تھا۔

”والئی حلب نشے میں اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ ان کا مخاطب کون ہے؟ جو لوگ شراب کو برداشت نہیں سکتے انھیں اس کا نشہ نہیں کرنا چاہیے۔“ صلیبی سفیر نے گمشتگین کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

صلیبی سفیر امرائے حلب اور ملک الصالح کی کمزوریوں سے آگاہ تھا۔ اب وہ ملک الصالح کی طرف متوجہ ہوا:

”سلطانِ ذیشان! آپ کی موجودگی میں ایک دوسرے شخص کا مجھ سے جواب طلبی کرنا میری ہی نہیں، آپ کے منصب کی بھی توہین ہے۔ ایسی محفل جہاں میرے بادشاہ کے لیے توہین

آمیز الفاظ استعمال ہوتے ہوں، میں اس میں بیٹھنا گوارا نہیں کر سکتا''۔ یہ کہتے ہوئے صلیبی سفیر محفل سے اٹھ کر جانے لگا تو سلطان ملک الصالح بے ساختہ اپنی نشست سے اٹھا اور سفیر کو رکنے کے لیے کہا لیکن وہ شاید خود ہی حلب سے نکلنے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ کہنے لگا:

''سلطان معظم! آپ کے امراء انتہائی احسان فراموش ہیں۔ اگر آپ نے ان کا کوئی علاج نہ کیا تو یہ آپ کو لے ڈوبیں گے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے محفل طرب سے نکل گیا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ صلاح الدین ایوبی حلب کی طرف پھر لوٹ آیا ہے۔

''اس بدمزگی کے ذمہ دار تم ہو۔'' صلیبی سفیر کے جاتے ہی ملک الصالح انتہائی غضب ناک لہجے میں گمشتگین پر برسا۔ دربار میں گمشتگین کے اثر ورسوخ سے حسد کرنے والے امراء کی خوشی دیدنی تھی۔



''ایوبی کا لشکر آ گیا۔ ایوبی کا لشکر آ گیا۔''

لوگ بھاگ بھاگ کر شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد شہر کے دروازے بند کر دیے گئے۔ شہر کے باشندوں کو کھلی فضا میں چند ہی دن گزارنے کا موقع حاصل ہوا تھا کہ پھر محاصرے کے باعث شہر میں بند ہونا پڑا۔ باہر صلاح الدین ایوبی کا لشکر جبل جوشن پر پڑاؤ ڈال رہا تھا۔



''گمشتگین! یہ کیا مذاق ہے۔ ریمنڈ کو دس لاکھ دینار دے کر بھی ہم نے محاصرہ میں ہی رہنا تھا تو یہ کام تو مفت میں بھی ہو سکتا تھا۔'' ملک الصالح گمشتگین پر غضب ناک ہو رہا تھا۔ گمشتگین کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پا رہا تھا۔

''سلطان معظم!...... سلطان معظم!......'' وہ بولنا چاہتا تھا لیکن بولنے کے لیے اس کے پاس نہ الفاظ تھے اور نہ کوئی خیال ہی۔ ہر بار لفظ اس کی زبان کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

''یہ سودا تیرے کہنے پر طے ہوا ہے اور اب اس کے خسارے کا ذمہ دار بھی تو ہے۔''

نوجوان سلطان کے جارحانہ انداز کے سامنے آج گمشتگین بھیگی بلی بنا بیٹھا تھا۔

''تم فوراً یروشلم پہنچ کر ریمنڈ کو بتاؤ کہ ایوبی کی فوجیں دوبارہ محاصرہ کیے بیٹھی ہیں اور اگر وہ ایوبی کا سدِ باب نہیں کر سکتا تو ہماری رقم ہمیں واپس کرے۔''

اپنی بساط لپٹتے دیکھ کر گمشتگین بدحواسی کی حالت میں دربار سے نکلا۔ اس کے نکلتے ہی ملک الصالح کا رشتہ دار امیر قطب الدین بن حسان ملک الصالح کے کان بھرنے لگا:

''سلطان معظم! آپ سے یہ بات پوشیدہ تو نہ ہوگی کہ گمشتگین در پردہ باطنیوں کے ساتھ ملا ہوا ہے اور وہ ان سے مل کر حلب کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔''

''تخلیہ! تخلیہ'' ملک الصالح نے اہل دربار کی طرف دیکھا۔ جب تمام درباری رخصت ہو گئے تو ملک الصالح نے امیر قطب الدین سے کہا:

''گمشتگین کی عیاریوں نے مجھے میرے بہت سے ہمدردوں سے محروم کر دیا ہے۔ میں ایک بار ایوبی کے محاصرے سے نکل آؤں، پھر اس بچھو کا انتظام کرتا ہوں۔''

اپنے طاقت ور رقیب کو چاروں شانے چت کرنے کا یہ سنہری موقع پا کر امیر قطب الدین پھولا نہ سما رہا تھا۔

''سلطان ذیشان! میں یہ کہنے کی جسارت تو نہیں کر سکتا کہ زنگی خاندان سے باہر کے ایک فرد کو والئ حلب بنا کر آپ نے غلطی کی تھی لیکن اپنی خاندانی نسبت سے حوصلہ پا کر یہ ضرور کہوں گا کہ اپنا خون تو آخر اپنا خون ہوتا ہے'' امیر قطب الدین گرم لوہے پر چوٹ پر چوٹ لگائے جا رہا تھا۔ ''ناچیز کی زبان تو آپ کے احترام میں چپ تھی۔ ورنہ آپ کے نقصان پر میں آپ کو اذیت میں دیکھ نہیں سکتا۔ آپ کے اشارۂ ابرو پر خادم اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو عین سعادت سمجھے گا۔'' امیر قطب الدین اپنے تمام خوشامدانہ حربے استعمال میں لا رہا تھا۔

''ناخن اپنے گوشت سے جدا نہیں رہ سکتا۔ آئندہ والئی حلب تم ہی ہو گے۔'' سلطان الملک الصالح کی یقین دہانی پر امیر قطب الدین نے جھک کر ملک الصالح کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا:

''غلام اپنے آقا کے اعتماد کو رسوا نہیں ہونے دے گا۔''



''ہمارے سلطان اس بات پر برہم ہیں کہ آپ نے ان کے ساتھ معاہدے کا حق ادا نہیں کیا'' گمشتگین نے انتہائی سہمے ہوئے انداز میں شاہ یروشلم ریمنڈ سے کہا۔ اس وقت وہ اس کے کمرۂ خاص میں موجود تھا۔

''وہ کیسے؟'' شاہ یروشلم کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ ''کیا ہم نے صلاح الدین ایوبی کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور نہیں کر دیا۔''

''لیکن ایوبی نے حلب کا پھر محاصرہ کر لیا ہے'' گمشتگین نے منمناتے ہوئے کہا۔

''تو اس سے ہمارے معاہدے کا کیا تعلق؟'' ریمنڈ نے بڑے رُوکھے انداز سے کہا۔

''وہ جی آپ اس پر دباؤ ڈالیں نا تاکہ وہ واپس مصر چلا جائے۔'' گمشتگین نے ایک سہمے ہوئے بچے کی طرح اپنا مدعا بیان کیا۔ گمشتگین کی بات سن کر ریمنڈ نے ایک تضحیک آمیز قہقہہ لگایا اور پھر تاجرانہ انداز میں بولا:

''دس لاکھ دینار میں تو یہی کچھ ہو سکتا تھا جو ہم نے کر دیا۔ آئندہ کے لیے نئی شرائط اور نئی رقم کے ساتھ معاملہ طے پا سکتا ہے۔''

گمشتگین کو شاہ یروشلم سے اس جواب کی امید نہ تھی۔ کچھ دیر تک وہ پھٹی پھٹی نظروں سے شاہ یروشلم کو دیکھتا رہا۔ پھر جب اس نے دوبارہ ریمنڈ کو قائل کرنے کی کوشش کی تو شاہ یروشلم نے درشت لہجے میں کہا:

''تمھارے ساتھ ہمارا معاہدہ صلاح الدین ایوبی کے محاصرہ اٹھانے سے متعلق تھا اور یہ کام ہم نے کر دکھایا۔ اب اس کے دوبارہ لوٹ آنے کے ہم ذمہ دار نہیں۔ البتہ اگر آپ کے سلطان کوئی نیا عہد و پیمان کرنے کے خواہش مند ہیں تو اس کی شرائط طے ہو سکتی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے ریمنڈ نے اپنے خدام کو آواز دی۔ دو محافظ کمرے میں آئے تو ریمنڈ نے گمشتگین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا:

''انھیں بحفاظت ملک کی سرحد تک پہنچا دو۔''

گمشتگین جب محافظوں کے حصار میں شاہ یروشلم کے محل سے نکلا تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ وہ ملک الصالح کا سامنا کیسے کرے گا؟ یہ خیال ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔



ملک الصالح کے دربار میں جب گمشتگین پہنچا تو قطب الدین بن حسان، سلطان کے دائیں ہاتھ اس نشست پر بیٹھا تھا جہاں گمشتگین بیٹھا کرتا تھا۔ نشست کی تبدیلی اور امیر قطب الدین کے چہرے کی رعونت اسے یہ باور کرانے کے لیے کافی تھی کہ اس کے پیچھے کوئی انقلاب آ چکا ہے۔

''شاید مجھے والئی حلب کے عہدے سے معزول کر دیا گیا ہے؟'' اس نے سوچا۔

''کیا خبر ہے گمشتگین!'' ملک الصالح نے تحکمانہ انداز میں استفسار کیا۔

گمشتگین نے غلامانہ انداز میں جھک کر سلام کیا اور پھر حاضرینِ دربار پر طائرانہ نظر ڈالی اور پھر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوا:

''سلطان معظم! خبر بڑی ہی عجیب و غریب ہے۔''

''عجیب و غریب؟'' سلطان نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ پھر اس نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا: ''وہ عجیب و غریب خبر کیا ہے، بیان کی جائے۔''

''سلطان معظم! وہ خبر راز داری کا تقاضا کرتی ہے۔'' گمشتگین ملک الصالح سے تنہائی

میں بات کرنا چاہتا تھا۔

''تمام اہل دربار ہمارے رازدار اور ہمدرد و جاں نثار ہیں، لہٰذا بات بیان کریں۔'' سلطان الملک الصالح اہل دربار پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ گمشتگین کی باتوں سے متاثر ہونے والا نہیں ہے۔ اہل دربار کے سامنے ہونے والی اپنی سُبکی کے باوجود گمشتگین گویا ہوا:

''خاکم بدہن! میں سلطان مکرم کے اہل دربار کی وفاداری پر شک کروں لیکن اس خبر کا عام ہونا سلطنت زنگی کے حق میں اچھا نہیں ہے۔'' گمشتگین نے تیر اپنے ہدف پر چلا دیا تھا۔ ملک الصالح اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر تمام اہل دربار کھڑے ہو گئے۔ پھر ملک الصالح گمشتگین کو ساتھ لے کر اپنے مخصوص کمرے میں چلا گیا۔ امرائے دربار حیران تھے کہ گمشتگین یروشلم سے ایسی کیا خبر لایا ہے جو سلطان کو تنہائی میں ہی سنائی جا سکتی ہے۔ امیر قطب الدین الگ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اسے تو آج امید تھی کہ سلطان والئی حلب کے طور پر اس کے تقرر کا اعلان کرے گا لیکن ہوا یہ کہ سلطان نے پھر اسی مکار گمشتگین کو اپنی خلوت گاہ میں بٹھا لیا ہے۔ اسے اپنا بنا بنایا کھیل بگڑتا نظر آ رہا تھا۔

''سلطان معظم! عیسائی اس قدر کینہ پرور ہوتے ہیں، ہمیں اس بات کا اندازہ ہی نہ تھا۔'' گمشتگین بڑے حسرت واندوہ بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ ''یقیناً ریمنڈ نے ہم سے دس لاکھ دینار ہتھیانے کے لیے چالبازی کی......''

''تو کیا تو نے اس بات کی کوئی ضمانت نہیں لی تھی؟'' ملک الصالح نے گمشتگین کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''کام تسلی بخش طریقے سے ہی انجام پایا تھا لیکن میں صلیبی ذہنیت کے ایک پہلو سے بے خبر تھا۔''

''وہ کون سا پہلو تھا جو تمھاری نظروں سے پوشیدہ رہ گیا۔'' ملک الصالح نے بات کاٹتے

ہوئے بیزار لہجے میں کہا۔

''وہ ذلیل انسان سلطان مرحوم کی رُوح سے انتقام لینا چاہتا تھا۔''

''سلطان مرحوم کی روح سے انتقام، کیا مطلب ہے تمھارا؟'' ملک الصالح نے تحیّر آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اپنے والد سلطان نورالدین زنگی کے نام پر ملک الصالح سنبھل سا گیا تھا۔ ملک الصالح کو نرم پڑتا دیکھ کر گمشتگین نے اپنی چرب زبانی کا جادو جگانا شروع کر دیا۔

''محاصرے کی بدحواسی میں ہم ماضی کی اس بات کو نظر انداز کر گئے کہ ریمنڈ آٹھ سال تک سلطان مرحوم کا قیدی رہا تھا اور بالآخر ڈیڑھ لاکھ دینار اور ایک ہزار مسلمان قیدیوں کی رہائی کے عوض اسے رہائی ملی تھی۔ اس وقت آپ تو بہت چھوٹے تھے اور مسلمان ویسے بھی وسیع الظرف ہوتا ہے لیکن صلیبی اپنا کینہ عرصے تک پالتے رہتے ہیں۔'' ملک الصالح کے لیے یہ بات ایک انکشاف سے کم نہ تھی۔

''سلطان مکرم! مجھے بڑا دُکھ ہے کہ شاہی خزانے کا اتنا بڑا نقصان ہوا'' گمشتگین نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن آپ کے غلام نے بھی ایسی نفسیاتی چال چلی کہ ریمنڈ نے جوشِ جذبات میں وہ بات اُگل دی جو اس نے نو سال سے دل میں چھپا رکھی تھی کہ اگر ہمیں معلوم نہ ہوتی تو شاید ہم مستقبل میں بار بار ان کے ہاتھوں نقصان اٹھاتے رہتے۔''

''کون سی بات؟'' ملک الصالح نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔ گمشتگین اداس نظروں سے خلا میں تکنے لگا۔ یہ وہ لمحات تھے جب گمشتگین کی عیاری اپنے عروج پر تھی۔ وہ ملک الصالح کے اضطراب اور تجسس کو بڑھاتے ہوئے کہنے لگا:

''خاکم بدہن کہ میں اس بات کی تکرار سلطان معظم کے سامنے کروں۔'' یہ کہتے ہوئے گمشتگین کی آواز میں ارتعاش اور جسم پر کپکپی کی کیفیت طاری ہوگئی اور چہرے پر بھی رنج والم کے آثار نمایاں تھے۔

''ہم ہر بات سننے کے لیے تیار ہیں۔'' ملک الصالح کا تجسس و تحیّر بہت بڑھ چکا تھا۔

''نہیں سلطان معظم! ایسی گستاخانہ بات کو اپنی زبان پر لانے کا تصور بھی میرے لیے محال ہے۔'' گمشتگین نے انکار کیا تو ملک الصالح کا اصرار اور اضطراب بڑھتا رہا۔ بالآخر جب گمشتگین کو یقین ہو گیا کہ نوجوان سلطان اس کی چال کے حصار میں آکر مکمل طور پر وحشت زدہ ہو گیا ہے تو اس نے گرم لوہے پر چوٹ لگائی:

''کمینے صلیبی نے کہا تھا کہ میں نے ڈیڑھ لاکھ دینار کا سود تو دس لاکھ دینار کی صورت میں وصول کر لیا ہے لیکن آٹھ سالہ قید کا قرض ابھی باقی ہے اور اس قرض کی وصولی اسی صورت میں ہو گی جب میں سلطان زنگی کے بیٹے کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھوں گا۔'' گمشتگین نے جھوٹی کہانی کی اداکاری اس خوب صورتی سے کی کہ ملک الصالح کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔ گمشتگین نے اپنی بات کی شدت کو بڑھانے کے لیے تھوڑا سا توقف کیا اور پھر چہرے پر دہشت و خوف کے تاثر کو ابھارتے ہوئے کہنے لگا:

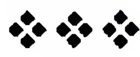
''اس نے یہ بات کہنے کے بعد تین مرتبہ صلیب کی قسم کھائی اور پھر کہنے لگا اگر میں سلطان الملک الصالح کو پابہ زنجیر قید خانے میں نہ ڈالوں تو میرے عیسائی ہونے پر لعنت۔''

گمشتگین نے یہ جھوٹ اس صفائی سے بولا تھا کہ ملک الصالح یوں محسوس کر رہا تھا کہ جیسے شاہ یروشلم زنجیریں لیے اس کے محل میں داخل ہو رہا ہے۔

''اب کیا ہو گا گمشتگین؟'' نوجوان سلطان کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ ''سلطان بابا نے ریمنڈ جیسے کینہ خصلت کو چھوڑ کر بہت غلط کیا۔ آج ہمیں ان کی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔'' کم فہم اور کم ہمت بیٹا اپنے اس عظیم باپ پر الزام تراشی کر رہا تھا جس کی ہمت و دانش کے نتیجے میں وہ سلطان بنا تھا۔

یہی وہ موڑ تھا جہاں گمشتگین ملک الصالح کو لانا چاہتا تھا۔ ''جب تک آپ کے غلام پر

آپ کا سایہ ہے، آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' گمشتگین ملک الصالح کی نظروں میں اپنا وقار بحال کرنے اور امیر قطب الدین کی آرزوؤں کا خون کرنے میں کامیاب نظر آرہا تھا۔



''ملت اسلامیہ کے تحفظ کے لیے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جو لوگ ہماری صفوں میں شامل ہو کر صلیبیوں کے مقاصد کو آگے بڑھا رہے ہیں اور دین وملت کو نقصان پہنچا رہے ہیں، ان منافقین کا صفایا کر دیں۔ آپ ہمارے درمیان، ثالثانہ کردار ادا کریں۔'' والئ موصل سیف الدین جو ملک الصالح کا چچا زاد بھی تھا، صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے خاندانِ زنگی سے اپنی وفاداری ثابت کرنے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی ایک بار پھر پیش کش تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید بدلے ہوئے حالات میں وہ عقل کے ناخن لیں۔ وہ اپنے خط کے جواب کا منتظر تھا۔ بالآخر والئ موصل کا سرکاری مکتوب ملا جس کی تحریر انتہائی مختصر تھی:

''سب سے بڑا منافق تو خود ہے۔''

خاندانِ زنگی کے امراء کی تحریروں اور زبانوں سے پہلے وہ ''غلام زادہ'' ہونے کے طعنے سنتا رہا تھا۔ اب والئ مصر کو منافق قرار دیا گیا تھا۔ خاندانی نسبتوں کا زعم، نسلی برتری کا احساس اور عام سپاہی کے بیٹے کی تحقیر انھیں ملت کی ضرورتوں کا ادراک کرنے سے روکے ہوئے تھی۔ صلاح الدین ایوبی سمجھ گیا کہ خاندانِ زنگی سلامت طبع رکھنے والے افراد سے محروم ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کو سبق سکھائے بغیر آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اس نے حلب کے محاصرے سے آدھی فوج لے کر موصل کے قریبی قلعہ بعلبک پر اچانک قبضہ کر لیا۔ سیف الدین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ صلاح الدین ایوبی اتنی تیزی کے ساتھ اس کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دے گا۔ مجبوراً اس نے ملک الصالح کے نام ایک خط دے کر اپنے چھوٹے بھائی عز الدین مسعود کو بھیجا۔

''برادرِ خورد! تم عمر میں مجھ سے اتنے چھوٹے ہو کہ میرے بیٹوں کی جگہ ہو۔ ہم اپنے گذشتہ اختلافات کو بھلا کر اپنے مشترکہ دشمن صلاح الدین ایوبی کے خلاف متحد ہو جائیں۔''

شاہ یروشلم ریمنڈ سے خوف زدہ ملک الصالح نے دوستی کے اس بڑھتے ہوئے ہاتھ کو غنیمت جانا اور پھر تمام امراء کے سامنے عزالدین مسعود اور ملک الصالح نے آخری سانس تک اپنے دشمن صلاح الدین ایوبی کے خلاف متحد رہنے کا حلف اٹھایا۔

خاندان زنگی کو یکجا ہوتے دیکھ کر گمشتگین کو حلب میں اپنی سیادت کی ناؤ ڈولتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ بالآخر ایک دن وہ ملک الصالح سے تنہائی میں کہنے لگا:

''سلطان معظم! آپ آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈال رہے ہیں، یہ بات میں کیسے برداشت کرسکتا ہوں'' گمشتگین نے بڑے فدویانہ انداز میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمھارا'' ملک الصالح کا انداز تحکمانہ تھا۔

''عالی جاہ! جن لوگوں نے آپ کی ریاست کے ایک حصے دیار جزیرہ پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، ان کی حمایت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔''

''ہمارے ایک طرف صلاح الدین ایوبی کا خطرہ ہے، دوسری طرف ریمنڈ کی خباثت ہے، ان دشمنوں سے نبٹنے کے لیے کسی قوت کا سہارا لینا تو ہماری ضرورت ہے'' ملک الصالح نے خدشات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن ایک طاقت اور بھی تو ہے جس سے ہم کام لے سکتے ہیں'' گمشتگین نے کہا۔

''وہ کون سی طاقت؟'' ملک الصالح نے حیرت سے استفسار کیا۔

''باطنیوں کی طاقت کو کیوں نہ آزمایا جائے؟''

''وہ سازشی گروہ جو چھپ کر تو وار کرسکتا ہے لیکن سامنے لڑنے کی ہمت ان کے بس کا روگ نہیں۔''

''لیکن والئی موصل بھی تو قابل اعتماد نہیں۔''

''نہ ہوں مگر اپنے بھائی تو ہیں'' سلطان الملک الصالح نے کہا۔

''برادرانِ یوسف کی طرح'' گمشتگین نے بے ساختہ کہا۔ ''کیا سانپ کی ڈسنے کی فطرت بدل سکتی ہے یا درندے گھاس کھانا شروع کر سکتے ہیں۔'' گمشتگین پُر اعتماد لہجے میں گفتگو کرتا چلا گیا۔ اُسے یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ یہ اندازِ گفتگو گویا سلطان الملک الصالح کی کم عقلی کا مذاق اڑانے کے مترادف تھا۔ ملک الصالح پہلے ہی ریمنڈ کے معاملے میں گمشتگین کی بے تدبیری اور باطنیوں کی پس پردہ حمایت پر برافروختہ تھا۔ یہ تضحیک آمیز باتیں سن کر غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے اپنے خدام کو آواز دی:

''عالی جاہ! ارشاد:'' دو خدام سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

''اسے گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ اور الٹا لٹکا دو'' ملک الصالح نے گمشتگین کی طرف نفرت آمیز لہجے میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''سلطان معظم! معافی......معاف کر دیجیے۔'' گمشتگین نے ملک الصالح کے پاؤں پڑتے ہوئے گھگھیائی آواز میں فریاد کی۔ ملک الصالح اچھل کر اس طرح پیچھے ہو گیا جیسے کوئی سانپ پاؤں کے نیچے آ گیا ہو۔

''اسے الٹا لٹکا کر دھونی دی جائے۔''

خدام اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور عقوبت خانے میں الٹا لٹکا دیا۔ سارا دن اس کے نیچے دھواں بلند ہوتا رہا۔ دھویں کی اذیت سے بچنے کے لیے وہ مچلتا رہا۔ آہستہ آہستہ وہ بالکل نڈھال ہو گیا اور پھر ہوس اقتدار میں مبتلا گمشتگین دنیا سے یوں رخصت ہوا کہ اس کی زبان اور آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔



حلب اور موصل کی افواج نے عز الدین مسعود کی سالاری میں صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ توڑنے کے لیے بھرپور حملہ کیا لیکن منہ کی کھائی۔ عز الدین مسعود ایسا بھاگا کہ موصل جا کر دم لیا

اور ملک الصالح دوبارہ قلعہ بند ہو گیا۔ بالآخر محاصرے سے تنگ آ کر اس نے صلح کی پیش کش کی۔ صلاح الدین ایوبی سلطان زنگی مرحوم کے بیٹے کو مفاد پرست امرا کے شکنجے سے نکالنا چاہتا تھا، اس لیے صلح پر رضا مند ہو گیا۔ سلطان الملک الصالح نے مصر کے ساتھ ساتھ دمشق پر بھی ایوبی کی ولایت کو تسلیم کر لیا اور اس طرح صلاح الدین ایوبی واپس دمشق چلا گیا۔

والئ موصل سیف الدین نے یہ خبر سنتے ہی ملک الصالح کو خط لکھا:

''تم نے اتنی جلد بازی میں دشمن سے صلح کر لی۔ اگر تم اس معاہدے کی منسوخی کا اعلان کر دو تو میں تمھاری مدد کے لیے جلد ہی صلیبی فوجیں صلاح الدین پر چڑھا دوں گا۔''

دوسری طرف والئ موصل نے صلاح الدین ایوبی کو اپنی طرف سے مطمئن رکھنے کے لیے اسے بھی خط لکھا: ''برادرِ عزیز! اے بے شک ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم صلیبیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سلطان عادل کے مشن کو پورا کریں اور ان کے بعد آپ ہی امت کے درد کے درماں ہیں۔ اپنی حرکات پر میں شرمندہ ہوں۔ مجھے آپ کی اعلیٰ ظرفی سے معافی کی امید ہے۔''

والئ موصل کا قاصد پہلے حلب پہنچا۔ سلطان الملک الصالح نے خط پڑھتے ہی جواب لکھا:

''برادرِ سیف الدین! معاہدہ صلح ہماری ایک وقتی ضرورت تھی۔ موقع ملتے ہی آپ کے حسب ارشاد اسے چاک کر دیا جائے گا۔''

ملک الصالح کا جوابی مکتوب لے کر قاصد دمشق آیا اور سیف الدین کے خط کی بجائے ملک الصالح کا یہ خط صلاح الدین ایوبی کو دے دیا۔ خط میں ملک الصالح کی بدعہدی کی نیت عیاں تھی۔ ایوبی کو بڑی قلبی اذیت پہنچی لیکن اس نے اپنی اندرونی کیفیت کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور تجاہل عارفانہ کے ساتھ خط واپس قاصد کو پکڑاتے ہوئے کہا:

''یہ خط شاید میرا نہیں، کسی اور کے لیے ہے۔''

اپنی غلطی پر قاصد ہڑبڑا کر رہ گیا۔ قاصد نے اب والئ موصل کا خط پیش کیا۔ پھر صلاح الدین

ایوبی نے والئی موصل کا خط پڑھا اور مختصر جواب لکھا:

''آپ نے جس کشادہ دلی کے ساتھ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، ان شاء اللہ آپ بھی مجھے کشادہ دل پائیں گے۔''

عالم اسلام کے دو امراء کی بدنیتوں اور بدعہدیوں پر صلاح الدین ایوبی آج بڑا ہی آزردہ تھا۔ اسی روز اس نے مصر میں اپنے بھائی ملک العادل کو خط لکھا:

''پانچ ہزار فوج لے کر دمشق پہنچو۔ مجھے یہاں فتنوں کی بُو آ رہی ہے۔''



تازہ دم فوج کے دمشق پہنچنے کے ساتھ ہی صلاح الدین ایوبی نے ملک الصالح کے نام ایک تہدیدی خط لکھا:

''سلطان مرحوم کی عقیدت کا طوق میرے گلے میں نہ ہوتا تو میں کبھی بھی آپ سے صلح نہ کرتا۔ مگر آپ کی بدعہدیاں دیکھ کر اب میں آپ کی اطاعت سے منحرف ہوتا ہوں۔ اب میری ولائت میں آپ کے نام کا خطبہ جاری نہیں ہوگا۔'' خط پڑھ کر ملک الصالح کچھ دیر کے لیے تو سکتے میں آ گیا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ صلاح الدین ایوبی اتنی تیزی کے ساتھ باغیانہ روش پر چل پڑے گا۔ صلاح الدین ایوبی کی ولایت مصر و دمشق میں ابھی تک سلطان الملک الصالح کا خطبہ ہی جاری تھا۔ یہ علامت تھی کہ صلاح الدین ایوبی اب بھی خود کو سلطان کی رعایا تصور کرتا تھا۔ وہ ملک الصالح پر سیاسی دباؤ ڈال کر اسے راہِ راست دکھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ناسمجھ سلطان نوشتۂ دیوار نہ پڑھ سکا۔

ملک الصالح صلاح الدین ایوبی کا خط لے کر اپنے چچا زاد والئی موصل سیف الدین کے پاس پہنچا۔ اسے صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر اپنے نام صلاح الدین ایوبی کا خط نکال کر اس نے سلطان الملک الصالح کو دکھاتے ہوئے انتہائی تحقیر آمیز انداز میں کہا:

''ایک طرف وہ غلام زادہ تمھارے نام کا خطبہ تک منسوخ کر رہا ہے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کے اتحاد کی دہائی دے رہا ہے۔ اس سے بڑی منافقت اور کیا ہوگی۔''

''برادر بزرگ! میں تو دمشق گنوا چکا۔ اگر ہم نے مل کر ایوبی کے بروقت دانت نہ توڑے تو وہ تمھارے موصل اور شام کو بھی ہڑپ کر جائے گا۔''

سلطان الملک الصالح کو اب صرف سیف الدین ہی سہارا دکھائی دیتا تھا۔ ملک الصالح اور سیف الدین نے اب مشترکہ جنگ کی تیاری کرنا شروع کی۔ صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں نے اسے تمام حالات سے آگاہ رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے والئ موصل کے نام خط لکھا:

''میں نے ملت اسلامیہ کے اتحاد کے لیے آپ لوگوں کے سامنے گداگروں کی طرح دامن پھیلایا لیکن افسوس کہ آپ نے اس کشکول گدائی میں کچھ ڈالنے کی بجائے اسے توڑنے کی ہی کوشش کی۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بندۂ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔ اتفاق سے میں تمھارے نام ملک الصالح کا وہ خط پڑھ چکا ہوں جس میں اس نے تمھاری شہ پر معاہدہ توڑنے کا ذکر کیا ہے۔ اگر تم نے یہ طے کر ہی لیا ہے کہ سرزمین شام مسلمانوں کے خون سے تر ہو جائے تو میں بھی اس طویل کش مکش کے نتیجے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ خون جو جسم میں فساد کا باعث ہے، اس کا بہہ جانا ہی بہتر ہے۔''



''حلب اور موصل کی افواج ایک بڑی تیاری کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے کوچ کر چکی ہیں۔''

''حرن کی افواج بھی حلبی فوج کے ساتھ قرون حماۃ کی طرف بڑھ رہی ہیں۔''

''صلیبیوں نے متحدہ افواج کے لیے آتش گیر مادہ، تیر کمان اور پانچ سو گھوڑے بھیجے ہیں''

صلاح الدین ایوبی کے جاسوس مختلف اطراف کی خبریں روزانہ صلاح الدین ایوبی کو

سنا رہے تھے۔ بالآخر صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھائی ملک العادل کا انتظار کیے بغیر قرون حماۃ کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا۔ سینگوں کی شکل کی چٹانوں کا یہ علاقہ گوریلا وار کے لیے ساز گار تھا۔ ایوبی اپنی مخالف افواج کو خود بھی وہاں لے آنا چاہتا تھا۔

اسے اپنے بھائی ملک العادل کی کمک کا انتظار تھا لیکن اگر وہ اس کے انتظار میں بیٹھا رہتا تو ممکن تھا کہ دشمن اس کی پسند کے میدانِ جنگ میں نہ ٹھہرے، اس لیے اس نے تیز رفتاری کے ساتھ قرون حماۃ کا رخ کیا اور دشمن کے پہنچنے سے پہلے ہی مورچہ بندی کرنا شروع کر دی۔ دشمن کی افواج بھی قریب پہنچ چکی تھیں لیکن اس کی کمک ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اس کے پاس فوج کی شدید کمی تھی۔ اگر ملک العادل کی فوج بروقت نہیں پہنچتی ہے تو وہ محاصرے میں بھی آ سکتا ہے، یہ بات ایوبی کے لیے بڑی پریشان کن تھی۔

''بارِالٰہا! میں تیرے قبلہ اوّل کی آزادی کے لیے نکلا تھا لیکن تیرے رسول ﷺ کے نام لیوا میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ میری رہنمائی فرما، اگر میں درست ہوں تو میری مدد فرما۔''

صلاح الدین ایوبی بڑی دیر تک سر جھکائے اپنے رب کے حضور کھڑا تھا۔ چند لمحوں بعد اس کے خیمے پر دستک ہوئی:

''اجازت ہے۔''

''امیر محترم! قاصد اذنِ باریابی کا طلبگار ہے'' دربان کی آواز آئی۔

''فوراً بھیجو!''

تھوڑی ہی دیر میں گرد آلود لباس میں ملبوس مگر چاک و چوبند آدمی اندر داخل ہوا۔

''کہو کیا خبر ہے؟'' سلطان ایوبی نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

''امیر محترم! دشمن کی افواج کل کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی ہیں۔''

جاسوس کی خبر سن کر ایوبی بے چینی کے ساتھ کمرے میں ٹہلنے لگا۔



خواتین رضا کار

صلاح الدین ایوبی مورچہ بندی دیکھتا پھر رہا تھا کہ دُور افق سے اسے گرد اٹھتی دکھائی دی۔ گرد کے پھیلاؤ سے پتہ چلتا تھا کہ سوار ایک صف میں نہیں چار چار چھ چھ کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے آرہے ہیں۔ کیا یہ مصر سے آنے والی پانچ ہزار کی کمک ہے؟ لیکن یہ تو اتنی بڑی تعداد دکھائی نہیں دے رہی۔ تو کیا پھر یہ دشمن کا کوئی دستہ ہے؟ یہ خیال آتے ہی ایوبی نے غضب آلود آواز میں پوچھا:

''کیا اس راستے پر ہمارا ایک نگران بھی نہیں تھا؟ فوراً تیاری کرو۔''

نقارے پر چوٹ پڑتے ہی مسلح گھڑ سوار ترتیب میں آنے لگے۔ لیکن آنے والوں کی چال حملہ آوروں کی سی چال نہ تھی۔

''دو سوار دوڑاؤ جو معلوم کریں کہ یہ کون لوگ ہیں؟'' ایوبی نے حکم دیا۔

دو گھڑ سوار تیزی کے ساتھ ادھر کو لپکے۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آئے تو دور سے ہی چلانے لگے:

''دمشق سے رضا کار آئے ہیں جن کے ساتھ عورتوں کی فوج ہے۔''

''عورتوں کی فوج؟'' صلاح الدین ایوبی نے حیرانی سے زیر لب کہا۔ ''یہ ضرور میری بہن رضیع خاتون نے بھیجی ہوگی۔ یہ کام وہی کرسکتی ہے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ ہنسنے لگا اور پھر ہنستے ہنستے سنجیدہ ہو گیا:

''میری قوم کی بچیاں تمھیں فتح یاب کر کے رہیں گی'' ایوبی نے اپنے قریب کھڑے سالاروں سے کہا۔ ''لیکن میں انھیں میدان جنگ میں نہیں رکھوں گا۔ اگر ایک بھی لڑکی دشمن کے ہتھے چڑھ گئی تو......'' وہ اپنی بات مکمل کیے بغیر چٹان سے اتر گیا۔

خواتین اور رضا کاروں کی فوج قریب آ چکی تھی۔ ان کے کمانڈر نے امیر مصر کو سلام کیا اور رضیع خاتون کا مکتوب پیش کیا۔ صلاح الدین ایوبی نے خط لے کر پڑھنا شروع کیا:

''میرے بھائی! اس مشکل گھڑی میں میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ مجھ سے جو بن پایا، وہ پیش خدمت ہے۔ پختہ عمر کے ایک سو مرد رضا کاروں کے حفاظتی حصار میں چار سو لڑکیوں کو بھیج رہی ہوں۔ ان لڑکیوں کو زخمیوں کی مرہم پٹی ہی نہیں بلکہ پوری جنگی تربیت دی گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تمھیں ان لڑکیوں کو محاذ جنگ پر رکھنے میں ہچکچاہٹ ہو گی لیکن یہ خیال رہے کہ اگر تم نے انھیں واپس لوٹا دیا تو اہل دمشق کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

خط پڑھتے پڑھتے امیر مصر کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ پھر اس نے لڑکیوں کو مخاطب کیا:

''میں تمھارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ اس کا صلہ تمھیں اللہ ہی دے سکتا ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں قوم کی بیٹیوں کو میدان جنگ میں اتاروں گا۔ میں تمھارے جذبات کو مجروح بھی نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن میں اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ تاریخ یہ کہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی بیٹیوں کو جنگ میں جھونک دیا تھا'' امیر مصر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اور ہم بھی اس بات سے ڈرتی ہیں کہ تاریخ یہ کہے کہ قوم کی بیٹیوں نے صلاح الدین ایوبی کو غداروں کے درمیان تنہا چھوڑ دیا تھا'' لڑکیوں میں سے ان کی ایک نمائندہ لڑکی نے کہا۔

''امیر محترم! آپ ہمیں لڑنے کا موقع دیں ہم ثابت کریں گی کہ ہم مردوں سے کم تر نہیں ہیں'' ایک اور لڑکی بولی۔

''میری امارت میں تم لڑائی میں شریک نہیں ہوسکتیں، البتہ تمھیں چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر کے زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیا جاسکتا ہے۔ ہر ہر ٹولی کے ساتھ ایک ایک رضا کار ہوگا۔''

پچھلے پہر مصری فوج کی کمک بھی قرون حماۃ پہنچ گئی۔

شام تک چار چار لڑکیوں کے چار خیمے اور ایک خیمہ ان کے نگران مردوں کے لیے قریب ہی نصب ہو چکا تھا جس میں لڑکیوں کے ہر خیمے کے معاون چار چار مرد ایک دوسرے کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ عشاء کے وقت ایوبی فوج کا ایک کماندار لڑکیوں کے خیموں کا معائنہ کرنے کے لیے آیا تو ایک رضا کار فواد نے اسے باتوں میں لگا لیا۔ فواد بڑی جوشیلی اور جذباتی گفتگو کر رہا تھا۔ وہ جس خیمے کے قریب کھڑے تھے، اس میں ایک لڑکی وردہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''لیکن اتنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ آپ تین فوجوں کا مقابلہ کیسے کریں گے؟'' فواد نے کماندار سے پوچھا۔

''یہی تو صلاح الدین ایوبی کا کمال ہے۔'' کماندار نے فواد کی جذباتی گفتگو سے متاثر ہو کر جنگی سکیم بتانا شروع کر دی۔ ''ہم دشمن سے وہاں نہیں لڑیں گے جہاں دشمن کو توقع ہے، ہم اسے وہاں تک اپنے پیچھے لے آئیں گے، جہاں ان کے لیے پھندا تیار ہے۔'' کماندار نئی کمک اور فوج کی تقسیم کے بارے میں بتاتا رہا۔



''جو باتیں میں نے تمھیں بتائی ہیں، ان کی تصدیق ان باتوں سے بھی ہوگئی ہے جو تم نے کماندار کے منہ سے اگلوائی ہیں۔'' لڑکیوں والے خیمے کے قریب ہی کوئی مرد دوسرے مرد سے آدھی رات کے وقت آہستہ آہستہ باتیں کر رہا تھا۔ ''ایوبی کا سارا جنگی پلان تمھیں سمجھ آ گیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری فوجیں کل ہی اندھا دھند حملہ کر دیں اور ایوبی کے پھندے میں آ جائیں، اس لیے تم ابھی سے نکل جاؤ۔''

''لیکن مجھے تو راستے کا پتہ ہی نہیں ہے'' یہ سہمی ہوئی آواز فواد کی تھی۔ خیمے کے باہر دو افراد کی کھسر پھسر سے وردہ کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کون کس سے بات کر رہا ہے۔

''میں تمھیں راستہ بھی سمجھا دیتا ہوں'' وہ آدمی فواد کو راستہ سمجھانے لگا۔ ''تم نے پیدل ہی جانا ہے، صبح سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ بس انھیں کہنا کہ قرون کے اندر نہ آئیں۔''

پھر وردہ کو دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے آہستگی سے خیمے کا پردہ ہٹا کر خیمے سے باہر نظر ڈالی، وہاں ان کے خیمے کا نگران رضا کار فواد کھڑا تھا۔ پھر وہ ایک طرف چل پڑا۔ وردہ کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ رضا کار دراصل دشمن کا جاسوس ہے جو دمشق سے ان کے ساتھ آیا ہے۔ وردہ نے اپنا خنجر سنبھالا اور خاموشی سے فواد کے تعاقب میں نکلی۔ لیکن وہ ابھی یہ یقین کر لینا ضروری سمجھتی تھی کہ آیا وہ واقعی دشمن کا جاسوس ہے۔

رات کی تاریکی میں دور فاصلے سے وہ اسے ایک سائے کی طرح لہراتا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک دو مرتبہ متحرک سایہ رک گیا تو وہ بھی رک گئی۔ اطمینان کرنے کے بعد جب سایہ متحرک ہو جاتا تو وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑتی۔ یہ کوئی ہموار راستہ نہ تھا۔ چھوٹی بڑی چٹانوں میں سے کہیں تنگ راہگزر اور کہیں جھاڑیوں اور ٹیلوں کے باعث الجھا ہوا۔ لیکن فواد کی چال میں اب تیزی آ گئی تھی جیسے کسی کو اپنی منزل کے قریب ہونے کا یقین ہو اور پیچھے سے کسی کے تعاقب سے محتاط ہونے کی ضرورت بھی نہ رہی ہو۔ وہ اب سیدھا دشمن کے کیمپ کا رخ کیے ہوئے تھا۔ وردہ کا شک اب یقین میں بدل چکا تھا کہ وہ دشمن کا ایجنٹ ہے۔

تھکاوٹ کے باعث وردہ کے لیے اس کے ساتھ تیز چلنا بھی اب مشکل ہو رہا تھا اور اس کو پکڑنے کا مطلب اب دوبدو مقابلہ کرنا تھا۔ کیا وہ ایک مرد کا مقابلہ کر پائے گی؟ اس نے خنجر زنی کی تربیت رضیع خاتون کی تربیت گاہ سے حاصل کی تھی لیکن دشمن سے مقابلے کا تو اسے کبھی موقع

نہ ملا تھا۔ وہ کیا کرے؟ اسی ادھیڑ بن میں اس نے دیکھا کہ متحرک سایہ ایک جگہ ساکت ہو گیا ہے اور پھر وہ سایہ اسے واپس آتا دکھائی دیا۔ اسے قریب ہی ایک درخت نظر آیا وہ جلدی سے اس کی اوٹ میں ہو گئی۔ درخت کے ساتھ جگہ ذرا بلند تھی وہ اس کے ساتھ ہونے کے لیے جونہی چڑھنے لگی اس کا پاؤں پھسل گیا۔ بہت سے کنکر اور روڑے اس کے پاؤں کے نیچے سے پھسل رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں آواز دور تک سنائی دی۔ متحرک سایہ اسی طرف محتاط انداز میں بڑھتا آ رہا تھا۔ وہ سانس روک کر درخت کے پیچھے بیٹھی اسے آتے دیکھتی رہی۔ خنجر پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

فواد کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ جونہی وہ درخت سے آگے سے گزرنے لگا، وردہ نیچے کو جھکی اور فواد کے ٹخنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور پھر انھیں پیچھے کی طرف اس طرح جھٹکا دیا کہ فواد سنبھل نہ سکا اور منہ کے بل گر پڑا۔ اگلے ہی لمحے وہ جست لگا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی اور خنجر اس کی گردن کے پیچھے چبھو دیا۔ فواد کی تلوار اس کے ہاتھ سے گر چکی تھی۔

''کون ہو تم'' اوندھے منہ پڑے پڑے فواد نے بے بسی سے پوچھا۔

''غداروں کی موت'' وردہ نے کہا۔

''تم تو عورت معلوم ہوتی ہو۔''

''ہاں، ایسی عورت جسے تم جانتے بھی ہو۔''

''یہ کیا مذاق ہے؟ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ یہ تمھارا خنجر تو میری کھال میں اترتا محسوس ہو رہا ہے، اسے ہٹاؤ اور مذاق بند کرو'' فواد نے ہنسنے کے انداز میں کہا۔

''یہ مذاق نہیں...... تم سچ سچ بتاؤ کہ کہاں جا رہے ہو؟''

''واللہ میں کسی لڑکی کے پیچھے نہیں جا رہا۔ تمھارے ہوتے ہوئے کسی کو دوسرے کی طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟'' وہ سمجھ رہا تھا کہ وردہ شاید کسی رقیبانہ جذبے کے ساتھ اس

کے پیچھے آئی ہے۔

''جب تم کسی لڑکی کے پیچھے نہیں جارہے تو پھر اس جنگل میں رات کو یہ چہل قدمی کس لیے؟''
وردہ نے خنجر کی نوک کو مزید دباتے ہوئے پوچھا۔

''اگر تم مجھے چاہتی ہو تو میں بھی تمھیں چاہتا ہوں۔ یقین کرو میں تمھیں دھوکہ نہیں دے رہا۔''

''مجھے کیا تم پوری قوم کو دھوکا دے رہے ہو۔''

''تم نے کیا سمجھ کر میرا تعاقب کیا ہے؟''

''صلیبیوں کا جاسوس جو صلیبیوں کے دوستوں کو صلاح الدین ایوبی کا جنگی پلان بتانے جارہا ہے۔''

''تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''یہ کہو کہ قوم کے غداروں کے بارے میں خوش فہمی دور ہوئی ہے۔''

''تم گھریلو لڑکی کیا جانو کہ جاسوس کیسے ہوتے ہیں۔''

''تمھیں دیکھ کر یہ بھی معلوم ہو گیا۔ خوش وضع اور لش لش چہرے کے ساتھ چند روزہ سامان زندگی کے حریص۔''

''اچھا خنجر ہٹاؤ! میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''بات کرو! تمھاری زبان کو بولنے سے کس نے روکا ہوا ہے۔''

فواد خاموش ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا۔ وردہ کے لیے اب مشکل یہ تھی کہ وہ اسے کیسے باندھے۔ اگر محض قتل کرنا ہوتا تو وہ اسے آسانی سے قتل کر سکتی تھی۔ اسے تربیت کے دوران بتایا گیا تھا کہ جاسوس بہت قیمتی ہوتا ہے خواہ اپنا ہو یا دشمن کا۔ وہ اسے زندہ صورت میں صلاح الدین ایوبی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔

''کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ ادھر آؤ ادھر آؤ۔'' سکوت شب میں اس کی آواز گونجی لیکن اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے کیمپ سے بہت دور نکل آئی ہے۔

اچانک فواد ایک جھٹکے سے اس طرح اچھلا کہ وردہ اس کی پیٹھ سے ایک طرف لڑھک گئی۔ وہ فوراً تلوار کی طرف لپکا لیکن وردہ نے اسے پیچھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ آگے کو گرا اور تلوار وردہ نے سنبھال لی۔ اب فواد کے پاس فرار کا ہی ایک راستہ بچا تھا۔ اس نے دوڑ لگا دی۔ شور مچاتی وردہ بھی پیچھے پیچھے دوڑ پڑی۔ کچھ ہی فاصلہ طے ہوا تھا کہ آگے گہری ندی آگئی جہاں فواد کو کچھ دیر کے لیے رکنا پڑا۔ وہ ندی میں کودنے کے لیے کوئی مناسب جگہ دیکھ رہا تھا کہ وردہ کا واویلا سن کر دور تک گشت کرنے والے سنتری اس طرف دوڑے آئے۔ فواد نے جب سنتریوں کو قریب آتے دیکھا تو اس نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔

''جانے نہ پائے یہ جاسوس ہے، یہ جاسوس ہے'' وردہ چلائی۔

سنتری بھی ندی میں کود گئے اور فواد کو پکڑ کر باہر لے آئے۔

''میں جاسوس نہیں ہوں، میں جاسوس نہیں ہوں۔ یہ لڑکی یونہی مجھ سے بگڑ گئی ہے۔ آپ اس کی بات پر یقین نہ کریں۔ مجھے چھوڑ دیں'' فواد بولے جا رہا تھا۔ ''میں آپ لوگوں کو مالا مال کر دوں گا۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔''

''فی الحال تو تم ہمارے ساتھ چلو، تم دونوں۔ کیمپ میں چل کر معلوم ہو جائے گا کہ تم میں کون جاسوس ہے یا تم دونوں آوارگی کے لیے نکلے ہو۔''

جب وہ کیمپ میں پہنچے تو صبح کی اذانیں ہو رہی تھیں۔

سنتری انھیں اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے اور پھر کمانڈر انھیں لے کر ایک اور خیمے میں پہنچ گیا۔ جہاں خالی بستر پڑے ہوئے۔

''تم یہاں ان کی نگرانی کرو! شاید وہ نماز کے لیے نکلے ہیں۔ میں بھی نماز پڑھ کر آتا ہوں''

کمانڈر نے سنتریوں کو حکم دیا۔

کچھ دیر بعد کمانڈر ایک اور فوجی افسر کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ وہ ان کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہہ رہا تھا۔ کمانڈر کے ساتھ افسر نے وردہ کو غور سے دیکھا اور گویا ہوا:

''تمھارا چہرہ مجھے جانا پہچانا سا لگتا ہے۔''

''آپ نے شاید مجھے نہیں پہچانا لیکن میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ عبید ہیں نا!'' وردہ نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔

''کیا تم لوگوں نے اس کی جامہ تلاشی لے لی ہے'' عبید نے سنتریوں سے پوچھا۔

''نہیں محترم!'' ایک سنتری نے کہا۔

عبید کے اشارے پر انھوں نے اسے ایک طرف کر کے جامہ تلاشی لی تو انھیں ایک کاغذ ملا جس پر آڑھی ترچھی لکیریں موجود تھیں جس میں ایوبی فوج کی پوزیشن ظاہر کی گئی تھی۔ گویا کہ پورا جنگی پلان دشمن افواج کے پاس جا رہا تھا۔

''اس کے بعد بھی کسی شک کی گنجایش رہ گئی ہے؟ بولو! سب کچھ اگل دو......'' عبید نے فواد کو کاغذ دکھاتے ہوئے کہا۔

''رب کعبہ کی قسم......'' فواد نے اتنا ہی کہا تھا کہ عبید نے اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ فواد اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ وہ چکرا کر پہلو کے بل زمین پر آ رہا۔

''جاسوسی کعبہ کے دشمنوں کے لیے کرنا اور قسم رب کعبہ کی کھانا، میں تم سے تمھاری صفائی نہیں مانگ رہا، تم اپنے جاسوس ساتھیوں کے نام بتاؤ کہ وہ کہاں کہاں ہماری فوج میں موجود ہیں''

''مجھے بخش دو، میں سب کچھ بتا دوں گا'' فواد نے ہاتھ جوڑتے ہوئے گھگیائے انداز میں کہا۔

''مجھ پر شرطیں عائد مت کرو، میرے سوال کا جواب دو'' عبید نے کہا

"میں تنہا ہی ہوں" اس نے جھوٹ بولا۔

"وہ شخص جس نے تمھیں رات کو اس مہم پر روانہ کیا تھا، وہ کون تھا؟"

"وہ اندھیرے میں آیا اور اندھیرے میں چلا گیا، میں اسے نہیں پہچانتا۔"

"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، اسے لے جاؤ اور اس سے سب کچھ اگلواؤ" عبید نے اپنے قریب کھڑے دو سپاہیوں کو حکم دیا۔



دوپہر ہو چکی تھی۔ کیمپ سے کافی دور ایک درخت کے ساتھ فواد الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس کے سر کے نیچے آگ دہک رہی تھی۔ ایک سپاہی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اس آگ میں کچھ دانے پھینکتا تھا جس کے دھوئیں اور بُو سے فواد کھانستا اور تڑپتا تھا۔ اس کا سارا خون چہرے پر اترا ہوا تھا۔ آنکھیں باہر کو آ گئی تھیں۔ عبید نے آ کر اسے اتروایا تو وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو سکا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے پانی طلب کیا۔

"سب کچھ ملے گا، لیکن میرے سوالوں کا جواب دینا پڑے گا" عبید نے کہا۔ "اور اگر جواب نہ دیا تو جسم کا ایک ایک جوڑ الگ الگ کر دیا جائے گا۔"

پانی پینے کے بعد اس نے رضا کاروں میں شامل دو افراد کے نام بتا دیے۔ عبید نے دونوں رضا کاروں کی گرفتاری کا حکم جاری کیا اور فواد کو صلاح الدین ایوبی کے سامنے حاضر کر دیا۔

"کہاں کے رہائشی ہو؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

"دمشق کا۔"

"کس کے بیٹے ہو؟"

فواد نے ایک جاگیردار کا نام بتایا۔

''میں جانتا ہوں ۔تو کیا وہ دمشق میں ہے؟''

''وہ ملک الصالح کے ساتھ ہی حلب چلا گیا تھا۔''

''اور تمھیں جاسوسی کے لیے پیچھے چھوڑ گیا۔''

عالی جاہ! میں مسلمان ہوں، مجھے میرے باپ نے گمراہ کیا تھا اور اگر آپ مجھے اپنے ساتھ رکھ لیں تو میں اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا'' فواد نے ہاتھ جوڑتے ہوئے التجا کی۔

''اللہ سے معافی مانگو مجھ سے نہیں۔'' ایوبی نے کہا۔

''آپ مجھے ایک موقع دیں۔''

''اس کا فیصلہ قاضی کرے گا۔ میں اللہ کے قانون میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا مردِ مسلماں ہے جسے ایک عورت نے گرالیا۔''

''اگر وہ میرے پیچھے سے ٹخنے نہ پکڑ لیتی تو میں نہ گرتا۔''

''ایمان فروش تمھاری ہی طرح گرا کرتے ہیں۔ مومن تو دس کافروں پر بھی بھاری ہوتا ہے۔ اصل طاقت جسم اور تلوار میں نہیں، ایمان میں ہوتی ہے'' صلاح الدین ایوبی نے کہا۔

''مجھے بے ایمانی کی راہ میرے باپ نے سُجھائی، اسے کون سزا دے گا؟'' فواد جذباتی ہو رہا تھا۔

''وہ بھی اپنی مکافات عمل دیکھ لے گا۔''

''میں گرفتار ہوا ہوں تو مجھے احساس ہوا ہے کہ میں نے گناہ کیا ہے۔ آپ نے میرے اندر ایمان کی چنگاری کو ہوا دی ہے۔ مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقع دیا جائے۔''

صلاح الدین ایوبی نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر عبید کو اشارہ کیا تو وہ فواد کو باہر لے گیا۔



محافظوں کی نگرانی میں فواد کو قاضی دمشق کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اسے ہاتھ باندھ کر ایک گھوڑے پر بٹھایا ہوا تھا۔ اس کے دونوں اطراف دو گھڑ سوار تھے۔ راستے بھر آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ فواد نے اپنی جذباتی گفتگو سے انھیں متاثر کر لیا تھا۔ شام کے وقت جب انھوں نے رات بسر کرنے کے لیے پڑاؤ ڈالا تو فواد نے انھیں کہا کہ وہ اس کے ہاتھ کھول دیں۔ محافظوں نے اس خیال سے کہ یہ تنہا کہاں بھاگ کر جائے گا، اس کے ہاتھ کھول دیے۔ وہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ مناسب موقع دیکھ کر فواد نے دوڑ لگا دی اور قریب کھڑے ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ محافظوں کے گھوڑوں پر سوار ہونے میں جتنی دیر لگی اتنی دیر میں وہ ان سے فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔ رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی نے اس کا ساتھ دیا۔ محافظوں نے بہت تعاقب کیا لیکن نامراد رہے۔

اگلے دن تھکے ہارے محافظوں نے عبید کے سامنے خود کو پیش کر دیا۔ عبید نے انھیں گرفتار کر لیا لیکن وہ خود گھبراہٹ کا شکار تھا کہ اتنے خطرناک جاسوس کے بھاگ جانے کی خبر کس طرح صلاح الدین ایوبی کو سنائے کہ اس جاسوس کے پاس سارے جنگی پلان کی معلومات تھیں۔



جاسوس قیدی کے فرار کی خبر سن کر صلاح الدین ایوبی کی رنگت تبدیل اور زبان گنگ ہو گئی۔ وہ نہایت اضطراب کی حالت میں اپنے خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ دیر بعد وہ چلتا چلتا رک گیا۔ کھڑے کھڑے اس کے ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوئے:

''ربِ ذوالجلال! کیا مجھ گناہگار کے اعمال کی سزا ملّتِ اسلامیہ کو دے گا۔ میرے کسی عمل میں اخلاص کی کمی ہے یا یہ کام تجھے پسند نہیں ہے تو میری رہنمائی فرما۔ میں تیری نصرت کا طلب گار ہوں۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوا:

''عبید! ان دونوں سپاہیوں کو غلطی کی سزا ضرور دینا مگر زیادہ نہیں۔ سزا سے بچنے کے لیے

وہ مفرور بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن وہ پھر بھی تمھارے پاس آ گئے۔ ان کے سچ بولنے کا انھیں صلہ بھی ضرور دینا۔''

دشمن کے لیے ایوبی نے جو پھندہ تیار کیا تھا، اس راز کے ساتھ دشمن کا جاسوس فرار ہو گیا تھا۔ وہ اگرچہ جنگی پلان کا پورا نقشہ تو نہیں لے جا سکا لیکن بڑی حد تک معلومات اس کے پاس تھیں۔ ایوبی کے لیے یہ بڑی پریشانی تھی کہ اتنی محنت سے بنائے گئے مورچے کیسے ضائع کرے۔ اور اب جنگی پلان کو تبدیل کرنے کی مہلت بھی زیادہ نہ تھی۔ سالاروں کے مشورے سے جنگی پلان تبدیل کیے بغیر چھاپہ مار دستوں میں اضافہ کر کے انھیں اس کام پر لگا دیا کہ وہ دشمن کے آتش گیر مادے کے ذخیرے کو آگ لگانے کے لیے جان پر کھیل جائیں۔



''عالی جاہ! دشمن ایک میل کے فاصلے پر آ پہنچا ہے اور اس کا رخ قرون کی طرف ہے'' پسینے سے شرابور جنگی قاصد نے صلاح الدین ایوبی کو خبر دی۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ جاسوس رات کو دشمن کے کیمپ میں پہنچ گیا ہے'' صلاح الدین ایوبی زیر لب بڑبڑایا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک اور ہرکارہ خیمے میں داخل ہوا۔ ایوبی کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔

''امیر محترم! دشمن کا ایک لشکر ہمارے دائیں پہلو کی طرف بڑھ رہا ہے'' قاصد بولا۔

صلاح الدین ایوبی جسے اپنے دائیں پہلو کی کمزوری کا احساس تھا، اس خبر سے اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس کے اعصاب پر فواد سوار تھا جو نہایت قیمتی راز چرا کر لے گیا تھا اور اس کی دی ہوئی معلومات کے مطابق دشمن نے حملہ کر دیا تھا۔ اس کے حکم پر چٹانوں میں چھپے ہوئے تیر انداز چوکس ہو گئے، جب کہ قرون کے درمیان خیمے یونہی ایستادہ رہے اور سپاہی ان خیموں میں ایسے گھومتے پھر رہے تھے کہ دشمن یہ تصور کرے کہ وہ ابھی جنگ کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

دشمن کے ہراول دستے نے جب دیکھا کہ ایوبی فوج کے خیمے ابھی تک کھڑے ہوئے ہیں تو انھوں نے اس خیال سے اپنی چڑھائی تیز کر دی کہ انھوں نے ایوبی فوج کو بے خبری میں آلیا ہے۔ ایوبی کی ہدایت کے مطابق اس کے سپاہیوں نے گھوڑوں پر زینیں اس وقت کسنا شروع کیں جب دشمن بالکل ہی قریب آ گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی پیدل اور سوار فوج کا کچھ حصہ دشمن کے مدمقابل آیا لیکن جلد ہی اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔

''جانے نہ پائے! صلاح الدین ایوبی کو زندہ گرفتار کر لو۔''

''ملت کے غداروں کے سر کچل دو۔'' دشمن کا لشکر للکارتے ہوئے چڑھا آ رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کے گھڑ سواروں نے دشمن کی اگلی صف کا مقابلہ کیا۔ لیکن دشمن کا دباؤ اس قدر تھا کہ وہ اپنے خیموں کی طرف پسپا ہوتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ دشمن کی فوج قرون حماۃ کے ڈیڑھ دو میل کے اس وسیع وعریض میدان میں داخل ہو گئی جو چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ ایوبی کے لیے یہ حیران کن لمحات تھے کہ جاسوس کے فرار کے باوجود دشمن کی فوج اس کے پھندے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ کیا جاسوس نے ہمارا سارا جنگی پلان نہیں بتایا؟

دشمن کا لشکر ایوبی لشکر کی خیمہ گاہوں تک پہنچ چکا تھا کہ اچانک ان پر دو اطراف کی چٹانوں سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ حلبی فوج کے گھوڑے تیر کھا کر بدکتے اور اپنے ہی پیادوں کو کچلتے پھر رہے تھے۔ دشمن کو توقع تھی کہ ایوبی فوج خیموں میں موجود ہوگی لیکن انھیں حیرانی ہوئی کہ ان خیموں میں اب کوئی ذی نفس نہ تھا۔ مقابلہ کرنے والی ساری ایوبی فوج خیموں کی اوٹ سے آگے چٹانوں کے درمیان سے گزر کر اگلی وادی میں غائب ہو چکی تھی۔ اب میدان میں خیموں کی رسیاں ان کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی تھیں تو دوسری طرف تیروں کی بوچھاڑ نے ان کے لیے تمام راستے بند کر دیے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں ایوبی فوج کے تیر اندازوں نے اپنے ہی خیموں پر آتشیں تیر چلانے

شروع کر دیے جن سے خیموں میں آگ لگ گئی۔ اس سے حلبی فوج میں افراتفری کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ بدکے ہوئے گھوڑوں کی ہنہناہٹ، زخمیوں کی چیخ و پکار، فوجی کمانڈروں کے واویلے کا اتنا شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس بھگدڑ میں ان کی ہلاکتوں میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ کمانداروں کو اپنی افواج کے دستے ترتیب دینے میں مشکلات کا سامنا تھا۔ کمانڈروں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ پیچھے کو نکلنے کی سبیل کریں لیکن جونہی وہ تھوڑا سا پیچھے ہٹے تو انھوں نے عقب میں صلاح الدین ایوبی کی افواج کو صف بستہ پایا۔ گویا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی کیفیت تھی۔

''ہتھیار ڈال دو۔''

''تم ہمارے بھائی ہو ہم تمھیں ہلاک نہیں کریں گے۔''

''ہتھیار پھینک دو۔'' ایوبی فوج کی طرف سے یہ اعلان ہو رہا تھا۔ حلب کی افواج میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ مزید لڑ سکیں۔ کیونکہ ان کی آدھی فوج ہلاک یا زخمی ہو چکی تھی۔ جو بچ رہے تھے ان پر اتنی دہشت اور مایوسی طاری تھی کہ جلد ہی انھوں نے ہتھیار پھینکنے شروع کر دیے۔

ایک لشکر سے لڑائی میں تو صلاح الدین ایوبی کو کامیابی حاصل ہوگئی لیکن دوسری فوج جو دائیں طرف سے آ رہی تھی، بڑے منظم انداز سے آگے بڑھ رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک طرف پہلے والے تیر اندازوں کو فوری طور پر اپنی پوزیشنیں تبدیل کر کے نئے حملہ آوروں کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ دوسری طرف اس نے چھاپہ مار دستے کو دشمن کے عقب میں موجود اس کے آتش گیر مادے کو تباہ کرنے کا ہدف دیا۔ یہ ہدایات جاری کرتے ہوئے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی فوج پر تھکاوٹ کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور دشمن کی تازہ دم فوج کے مقابلے میں اس کے پاس کوئی تازہ دم فوج بھی نہیں ہے۔ لیکن عین اسی لمحے اس کے قاصد نے اسے بتایا:

عالی جاہ! ہماری دائیں طرف سے چار پانچ سو سواروں کا ایک دستہ آگے بڑھتا آ رہا ہے''

''وہ کون سا دستہ ہے اور اسے آگے آنے کی کس نے اجازت دی ہے؟'' صلاح الدین ایوبی نے غصے سے پوچھا۔ وہ میدان جنگ میں نظم وضبط کی خلاف ورزی کو برداشت نہ کیا کرتا تھا۔

''فوراً جاؤ اور ہمیں بتاؤ کہ سوار کون ہیں؟'' صلاح الدین ایوبی نے قاصد کو حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ قاصد یہ خبر لایا کہ یہ چار سو لڑکیاں اور ایک سو رضا کار ہیں جو سالار شمس الدین کی کمان میں آئے ہیں۔ ایوبی انھیں روک سکتا تھا لیکن جس انداز سے وہ آگے بڑھ رہے تھے وہ سمجھ گیا کہ کمان واقعی شمس الدین کے ہاتھ میں ہے۔ جس پہلو پر اُسے کمک کی ضرورت تھی، یہ گھڑ سوار اس ضرورت کو پورا کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ سوار اپنے دشمن کو چٹانوں کی طرف دھکیل رہے تھے۔ انھوں نے دشمن کو اس طرح الجھا لیا تھا کہ دشمن کی پیش قدمی رک گئی تھی، اور ایوبی کو اپنی پہلے سے لڑنے والی فوج کی پوزیشنیں بدلنے اور انھیں منظّم کرنے کا موقع مل گیا۔

لڑکیاں اپنے بھائیوں اور باپوں کے دوش بدوش معرکہ کارزار میں سرگرم تھیں۔ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا تھا۔ دونوں طرف سے تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ شام تک یہ معرکہ جاری رہا۔ بالآخر دشمن کا حوصلہ اور ہمت جواب دینے لگا۔ دشمن کی فوج نیم محاصرے کے اندر آ چکی تھی۔ اچانک دشمن کے پیچھے آتشگیر مادے کے ذخیرے میں آگ کے شعلے بڑھک اٹھے۔ شام کے دھندلکے میں اس آفت کا نزول ان کے لیے مزید گھبراہٹ کا ذریعہ بن گیا۔ آہستہ آہستہ دشمن کے سپاہیوں نے محسوس کیا کہ ان کے سالاروں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی۔ انھیں یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ ان کے سالار میدان سے فرار ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بھی ہتھیار ڈالنے شروع کر دیے۔

زخمیوں کی چیخ و پکار سے رات لرز رہی تھی۔ دن بھر کی تھکی ہاری رضا کار لڑکیاں اب زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں۔ رات بھر شہدا کی تدفین جاری رہی۔

یہ ۱۳/ اپریل ۱۱۷۵ء کی سحر کا وقت تھا جب صلاح الدین ایوبی نے اپنے ایک دستے کے

ہمراہ پھر دشمن کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ اسے کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ ملک الصالح اور سیف الدین فرار ہو چکے تھے۔ خیموں میں مغنیات اور سازندے تھے۔ رنگ برنگے پرندوں کے خوشنما پنجرے تھے۔

شام کے وقت صلاح الدین ایوبی نے رضا کار خواتین کے کیمپ کا دورہ کیا تو کمانڈر شمس الدین اس کے ساتھ تھا۔ ایوبی نے کہا:

''رضیع خاتون کی تربیت یافتہ لڑکیوں نے دشمن کو شکست دینے میں اس وقت ہماری مدد کی جب ہمیں ایک ایک سپاہی کی اشد ضرورت تھی۔ یہ لڑکیاں فرشتے بن کر ہمارے لیے غیبی مدد کے طور پر آئیں لیکن میں انھیں مسلسل میدان جنگ میں نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے ایک دو دن میں ان کی دمشق واپسی کا انتظام کر دیا جائے۔''

لڑکیاں اس پر احتجاج کر رہیں تھیں۔ تمام لڑکیاں اپنی بات سنانے کے لیے چیخ چیخ کر بات کر رہی تھی۔ اس کے سوا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے جوش و جذبے کا اظہار کر رہی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی انھیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے ایک گھڑ سوار اپنی طرف دُور سے تیزی کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے نیزے کو آسمان کی طرف بلند کیا ہوا تھا اور نیزے کی انی پر کوئی چیز اڑسی ہوئی تھی۔ وہ جب قریب آیا تو سب نے دیکھا کہ اس نے اپنے نیزے پر کسی انسان کا سر ٹانکا ہوا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی مفرور جاسوس فواد تھا جو محافظوں کی حراست سے بھاگ گیا تھا۔ اس نے گھوڑے سے اتر کر نیزے پر ٹانکا ہوا انسانی سر صلاح الدین ایوبی کے قدموں میں ڈالتے ہوئے کہا:

''عالی جاہ! میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے معاف کر دیں، میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ نے میری التجا نہ مانی۔ چونکہ میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے ارادہ میں مخلص تھا، اس لیے اللہ نے مجھے بھاگنے کا موقع فراہم کر دیا۔ چونکہ آپ کی

جاسوسی اور ملّت سے غداری کے مشن پر مجھے میرے باپ نے لگایا تھا جو دنیاوی لالچ میں صلیبیوں کا ہمنوا بن چکا تھا۔ اس لیے میں فرار ہو کر حلب کے لشکر میں گیا اور اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے پاس لے آیا ہوں۔ اگر اب بھی میرے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہوا تو مجھے قید کر لیں یا یہیں میرا ابھی سر کاٹ کر میرے باپ کے سر کے ساتھ ڈال دیں۔''

ایوبی نے عبید کو کہا: ''اسے اپنے پاس رکھو اور اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرو۔ البتہ میری ایک الجھن کا جواب جو مجھے اب تک نہیں ملا تھا، وہ مل گیا ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ دشمن کا جاسوس ساری معلومات کے ساتھ فرار ہو گیا لیکن دشمن پھر بھی میرے پھندے میں آ گیا۔ اب معلوم ہوا کہ یہ شخص دشمن کی فوج کو خبر دینے نہیں، اپنے باپ کو قتل کرنے گیا تھا۔ جس دن ملّتِ اسلامی کے نوجوانوں کو یہ سمجھ آ گئی کہ خونی رشتوں کو دین کے اوپر قربان کیا جا سکتا ہے وہ دن اس ملت کے احیاء اور غلبے کا دن ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ فواد سے بغل گیر ہو گیا۔

اتحادی افواج کو شکست دینے کے تھوڑے ہی عرصے بعد قلعہ بوزا اور منبج کے امیروں نے صلاح الدین ایوبی کی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد عصیات اور اعزاز کے قلعے بھی ایوبی نے فتح کر لیے۔ حلب کے اردگرد کے مددگار مراکز کا زور توڑنے کے بعد اب صلاح الدین ایوبی نے حلب کا پھر سے محاصرہ کر لیا۔

اعزاز کا قلعہ حلب سے زیادہ دُور نہ تھا۔ قلعہ اعزاز میں ملک الصالح کی افواج کی بدترین شکست نے اہل حلب کے حوصلے بھی پست کر دیے تھے۔ پہلے محاصرے کے دوران اہل حلب نے بڑی پامردی کے ساتھ ایوبی افواج کی مزاحمت کی تھی لیکن اب انھیں معلوم تھا کہ ان کی فوج میں اتنا دم خم نہیں ہے کہ وہ ایوبی کی منظم اور مشنری جذبے سے سرشار فوج کا مقابلہ کر سکے۔ حلب کے شہریوں پر گویا مردنی چھائی ہوئی تھی۔



بخشش ودرگزر

''سلطان نور الدین زنگی مرحوم کی صاحبزادی شمس النساء آپ سے ملنا چاہتی ہے۔''
سلطان الملک الصالح کا سفیر محاصرے کی اگلی صبح صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں کھڑا تھا۔

''کیا وہ آپ کے ساتھ آئی ہے؟'' صلاح الدین ایوبی نے جواب طلب نظروں سے سفیر کی طرف دیکھا۔

''جی عالی جاہ!''

''اسے اندر لے کر آؤ!'' صلاح الدین ایوبی نے خیمے کے دروازے پر کھڑے خادم کو حکم دیا اور اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

چند لمحوں کے بعد دو فوجی سالاروں کے درمیان گیارہ بارہ سالہ ایک بچی اندر داخل ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی نے آگے بڑھ کر بچی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ بچی کو دیکھ کر ایوبی پر ایک جذباتی کیفیت طاری تھی۔ وہ اس حالت میں تھا کہ بچی نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ایک شاہی قرطاس صلاح الدین ایوبی کی طرف بڑھا دیا۔

صلاح الدین ایوبی نے شاہی مکتوب کو کھول کر پڑھا۔ اس میں ملک الصالح نے اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے صلاح الدین ایوبی کی اطاعت کا اظہار کیا تھا۔

پیغام پڑھ کر صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر نمودار ہوئی لیکن اس

کے انداز سے کسی قسم کا تفاخر نمایاں نہ تھا۔

''یہ پیغام تم خود بھی لا سکتے تھے'' ایوبی نے ملک الصالح کے سفیر اور سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اس بچی کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

سالاروں نے سوال کا جواب دینے کی بجائے شمس النساء کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ سلطان مرحوم کی صاحبزادی نے بڑی معصومیت سے کہا:

''ماموں جان! مجھے خود صالح بھائی نے آپ کی طرف بھیجا ہے، اس مقصد کے لیے کہ آپ ہمیں حلب میں رہنے دیں اور اعزاز کا قلعہ بھی ہمیں دے دیں۔ بھائی آپ سے آئندہ کبھی لڑائی نہیں کریں گے'' شمس النساء نے بڑے کھلنڈرے انداز میں کہا۔

''تم شرطیں منوانے کے لیے زنگی مرحوم کی بچی کو لے کر آئے ہو؟'' صلاح الدین ایوبی نے ساتھ آئے ہوئے سالاروں کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر وہ بچی کی طرف متوجہ ہوا:

''شمس النساء بیٹی! قلعہ اعزاز اور حلب میں تمھیں دیتا ہوں۔'' پھر اس نے حکم جاری کیا کہ قلعہ اعزاز سے فوج نکال لی جائے اور حلب کا محاصرہ بھی اٹھا لیا جائے۔ پھر وہ حلب کے سالاروں سے کہنے لگا:

''میں نے حلب اور قلعہ اعزاز اس معصوم بچی کو دیا ہے، تم بزدل اور ملت فروش تو اس قابل بھی نہیں کہ فوج میں تمھیں سپاہی کے طور پر برداشت کیا جائے۔''

۱۴ ذی الحج ۵۷۱ھ (۲۴ جون ۱۱۷۶ء) کو صلاح الدین ایوبی اور ملک الصالح کے درمیان معاہدہ طے پا گیا۔ جس کی رُو سے ملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو سلطان تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت اختیار کر لی۔ سلطان ایوبی نے حلب اور اعزاز کو سلطنت اسلامی میں شامل کرتے ہوئے ان علاقوں میں ملک الصالح کو نیم خود مختاری کی حیثیت دے دی۔

ملک الصالح نے تسلیم کیا کہ سلطان ایوبی کو جب کبھی اپنے دشمنوں کے خلاف فوج کی ضرورت پڑے گی، وہ اپنی فوج سے سلطان ایوبی کی مدد کرے گا۔



صلیبی حکمران بالڈون نے سلطنت اسلامی پر بھرپور حملہ کیا لیکن سلطان ایوبی نے اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ بالڈون بری طرح شکست سے دوچار ہوا۔ وہ ابھی اپنے زخم چاٹ رہا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی نے آرمینیا کی ریاست قارا حصار کے حکمران ابن الاعون کی طاقت کو بری طرح کچل کر رکھ دیا ہے۔ آرمنی حکمران صلیبیوں کے دوست تھے۔ ان کی شکست صلیبیوں کے لیے شدید چوٹ تھی۔

اسے اس اطلاع سے مزید دکھ ہوا کہ قارا حصار پر حملے میں سلطان ایوبی کے ساتھ الملک الصالح کی فوج کے دستے بھی شامل تھے۔ صلیبیوں کو توقع تھی کہ ملک الصالح سلطان ایوبی سے کیے گئے معاہدے پر عمل نہیں کرے گا۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کا تابع ضرور ہو گیا تھا لیکن اپنی خصلت کے باعث اس نے صلیبیوں سے درپردہ تعلقات نہیں توڑے تھے۔ بالڈون اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے دن رات فوجی مشقوں میں مصروف تھا۔ لیکن اس کی فتح کے خواب کی تعبیر اسی وقت ممکن تھی جب وہ ملک الصالح کو اپنے ہاتھوں پر ڈال لے۔



''شاہ بالڈون کا سفیر اذنِ باریابی چاہتا ہے۔'' ملک الصالح کے دربان نے اجازت چاہی۔

''اجازت ہے'' الملک الصالح نے فوراً کہا۔

صلیبی سفیر نے دربار میں جھک کر آداب کہا اور بالڈون کی طرف سے بیش قیمت ہیروں اور جواہرات کے تحفے پیش کیے۔

''عالی جاہ! شاہ بالڈون کے دیے ہوئے مزید تحائف باہر آپ کی نظر التفات کے منتظر ہیں۔

اگر آپ ان پر ایک نظر ڈال لیں تو ناچیز کے اعزاز وافتخار میں اضافہ ہوگا'' سفیر نے ہاتھ سینے پر رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

ملک الصالح سفیر کے ساتھ باہر کھلے میدان میں آیا جہاں اعلیٰ نسل کے پچاس گھوڑے کھڑے تھے۔ لیکن جس تحفے پر اس کی نظریں جم کر رہ گئیں وہ ایک جواں سال حسین وجمیل لڑکی تھی جو اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے حواس پر چھاتی جا رہی تھی۔

''عالی جاہ! شاہ بالڈون کا یہ پیغام باہمی امن ومحبت کے رشتوں کو مضبوط کرنے کا باعث بنے گا'' سفیر نے ایک ملفوف شاہی مکتوب ملک الصالح کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ملک الصالح نے وہ مکتوب ہاتھ میں پکڑ لیا لیکن اس کی نظریں اور توجہ اس لڑکی سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھیں۔

''سلطان معظم! ہم جانتے ہیں کہ آپ کی پے در پے ناکامیوں نے آپ کو صلاح الدین ایوبی کا اطاعت گزار بننے پر مجبور کر دیا۔ حتیٰ کہ ابن الاعون پر حملہ کے وقت آپ صلاح الدین ایوبی کو فوج دینے پر مجبور ہوئے۔ لیکن ہم بحیثیت ایک بادشاہ کے جانتے ہیں کہ آپ جیسا غیرت مند اور خاندانی سلطان یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ ایوبی نے آپ کو جو داخلی خودمختاری دی ہے، وہ اس نے کوئی احسان نہیں کیا، بلکہ اس طرح سے وہ آپ کو اور آپ کی رعایا کو آہستہ آہستہ غلام بنا رہا ہے۔

ایوبی نے قارا حصار کو آپ کی فوج کے ذریعے تاخت وتاراج کیا لیکن جتنے سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے خزانے وہ مصر لے کر چلا گیا ہے، اس نے مال غنیمت میں سے آپ کو اور آپ کی فوج کو کیا دیا؟ اتنے وسائل اور فوج کے ساتھ اس نے ہمارے خلاف یروشلم پر چڑھائی کیوں نہ کی، جب کہ وہ بیت المقدس کے نام پر مسلمانوں کو جذباتی کرتا رہتا ہے۔ اگر آپ ان سوالوں پر غور کریں گے تو آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ صلیبیوں کے خلاف اس

کے پراپیگنڈے کا مقصد آپ حکمرانوں کے خلاف مسلمان عوام کو بھڑکا کر آپ کی سلطنتوں پر قبضہ کرنا ہے۔

پچھلے چند سالوں میں جنگ و جدل میں مصروفیت کے باعث میں اس قابل نہ رہا تھا کہ بروقت آپ کی مدد کر سکتا لیکن اب آپ خود کو تنہا محسوس نہ کریں۔ میں نے جو پچاس گھوڑے بھیجے ہیں یہ آپ کے لیے تحفہ ہیں۔ میں آپ کی فوج کے لیے ایسے سیکڑوں گھوڑے اور جدید ہتھیار بھجوا سکتا ہوں۔ اگر آپ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو ہم آپ کی جنگی اور مالی ضروریات کا جائزہ لینے کے لیے ماہرین فن اور مشیر بھیج دیں گے۔ میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ صلاح الدین ایوبی سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیں لیکن درپردہ اپنے دفاع کی تیاری رکھنا تو آپ کا حقِ حکمرانی ہے۔ ضرورت کے وقت آپ ہمیں اپنے ساتھ پائیں گے۔''

یہ ۱۱۸۰ء کا زمانہ تھا۔ اب ملک الصالح کوئی بچہ نہ تھا، وہ سترہ اٹھارہ سال کا بھرپور جوان تھا۔ جس کی جوانی کی امنگ کو صلیبی لڑکی کے طلسماتی حسن نے دوآتشہ کر دیا تھا۔ اس نے حالات سے مجبور ہو کر سلطان ایوبی کی اطاعت ضرور اختیار کی تھی لیکن خودمختاری اور بادشاہی کا خبط اس کے دماغ سے نہیں نکلا تھا۔ شاہ بالڈون کے خط نے اسے خودمختاری کے خواب دیکھنے کی راہ پر لگا دیا تھا۔ اس نے سفیر کی خوب آؤ بھگت کی۔

رات کو صلیبی لڑکی شراب کی صراحی سمیت اس کی خواب گاہ میں آئی اور بڑے ناز سے شراب پیش کرتے ہوئے کہنے لگی:

''آپ کے حرم میں تو کچھ بھی نہیں۔ کیا آپ حرم کو آباد کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے؟'' کچھ دیر بعد پھر بولی:

''بادشاہ کی ذہنی و جسمانی آسودگی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا حرم نازنینوں سے معمور ہو، میں آپ کے حرم کو اپنے جیسی لڑکیوں سے بھر دوں گی۔ آپ کو پتہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی

کا خفیہ حرم انتہائی حسین وجمیل نازنینوں سے آباد ہے۔"

ملک الصالح کے اعصاب پر سوار لڑکی کا ہر جملہ اس کی نئی ذہن سازی کر رہا تھا۔ یورپی شراب کے نشے میں دھت ملک الصالح لڑکی کے ریشمی بالوں کی زنجیر میں جکڑا جا چکا تھا۔ جب صبح نمودار ہوئی تو الصالح نے لڑکی سے کہا:

"میری ایک بہن بھی میرے ساتھ محل میں رہتی ہے۔ جسے شادی کے بغیر کسی لڑکی سے میرا میل جول رکھنا پسند نہیں آئے گا۔ اس لیے تم اس کے سامنے نہ آنا۔ کسی مناسب موقع پر اسے بتا دوں گا کہ تم مسلمان ہو اور میرے ساتھ شادی کرنے آئی ہو۔"

"آپ اسے اتنا آزاد خیال تو بنائیں کہ وہ اس بات کا برا نہ منائے کہ آپ کے حرم میں کون آتا جاتا ہے۔ اسے اس بات کا عادی بنائیں کہ وہ مردوں کی مجالس میں اٹھنے بیٹھنے لگے" لڑکی نے کہا۔

"ہمارے ہاں غیر محرم عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول کو پسند نہیں کیا جاتا۔"

"آخر وہ شہزادی ہے، اور ہم آپ کی بہن کو ایک الگ سلطنت دے کر سلطانہ بنا دیں گے۔ لیکن اس کے لیے اسے حکومتی معاملات کی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے جو مردوں کے ساتھ میل جول سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہ عام لوگوں کی روایات کی گھٹن اور پابندیوں سے بالاتر ہوتے ہیں۔"

ملک الصالح اپنے طرز زندگی پر شرمندگی سی محسوس کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ خود مختار بادشاہت کا تصور اس کے اندر پھر سے انگڑائی لے رہا تھا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کو ایک محسن کی بجائے ایک غاصب کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔



صبح دم والئی موصل سیف الدین زنگی کا خادم جب اس کی خواب گاہ میں داخل ہوا تو وہ اپنے

بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر خون جما ہوا تھا۔ سفید ریشمی پلنگ پوش پر سبز رنگ کا ایک دھبہ نمایاں تھا۔ بظاہر مرنے سے پہلے والئی موصل نے قے کی تھی۔

پورے محل میں کہرام برپا تھا۔ سیف الدین زنگی کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی سرگوشیاں جاری تھیں۔ سیف الدین کے دو چھوٹے بھائی عزالدین مسعود زنگی اور عمادالدین زنگی تھے۔ عزالدین مسعود بڑا ہونے کے سبب جانشینی کا حق دار سمجھا جاتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی سے پے در پے شکست کھانے اور خود اپنی عیش پسندانہ طرز زندگی کے باعث سیف الدین زنگی ایک عرصے سے کثرت شراب نوشی کے باعث ناکارہ زندگی گزار رہا تھا۔ اسی وجہ سے عزالدین مسعود کے خیر خواہ امراء نے اسے کئی بار مشورہ دیا تھا کہ وہ سیف الدین کو معزول کر کے خود اقتدار پر قبضہ کر لے لیکن بڑے بھائی کے احترام کے پیش نظر عزالدین نے اپنے مشیروں پر یہ واضح کر دیا کہ وہ سیف الدین کی زندگی میں تخت نشین ہونے کی گستاخی نہیں کر سکتا۔

سیف الدین کے خوشامدی امراء کو عزالدین مسعود کی تخت نشینی میں اپنی موت نظر آتی تھی۔ ان کے بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی وہ عزالدین مسعود کو بھائی کا قاتل قرار دے کر چھوٹے بھائی عمادالدین کی تخت نشینی کے لیے راہ ہموار کر دیں تاکہ ان کے اختیارات اور مفادات پر کوئی قدغن لگانے والا نہ رہے۔

خاندان زنگی کے افراد کی زبانیں خاموش تھیں لیکن ان کی نگاہوں میں عزالدین مسعود کے لیے بدگمانی کے سائے لرز رہے تھے۔ عزالدین مسعود نے کئی بار اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر عمادالدین اور دوسرے قریبی عزیزوں نے اس کے آنسوؤں کو مگرمچھ کے آنسو قرار دیا۔ حالات نے اسے مجرم کی قبا پہنا دی تھی۔

''مرحوم کے بستر پر سبز دھبہ اور ہونٹوں پر خون، اس بات کی واضح نشانی ہے کہ زہر خورانی

کے اثر سے ان کا دل پارہ پارہ ہو گیا'' ایک ریا کار امیر نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

''اقتدار کی ہوس میں انسان اس حد تک بھی جا سکتا ہے، توبہ توبہ......'' ایک اور مصاحب نے انسانی ہمدردی کی ہانک لگائی۔

''والئ موصل ایک طویل عرصے سے عارضۂ جگر میں مبتلا تھے'' شاہی طبیب نے اپنی ماہرانہ رائے پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''بدقسمتی سے اس رات انھوں نے کثرت سے شراب نوشی کی نتیجتاً جگر اور پتہ جو پہلے ہی کمزور تھے، پھٹ گئے۔ گہرا سبز نشان صفراوی مادے کا ہے۔''

تمام شاہی طبیبوں نے اتفاق رائے سے اس موت کو طبعی قرار دیا تو خاندان زنگی کے افراد کی باہمی بدگمانیاں دور ہو گئیں۔ الزام تراشی کرنے والے چرب زبان امراء نے جان بچانے کے لیے اپنے سر عزالدین کے قدموں میں رکھ دیے۔ سیف الدین کی تدفین اور سرکاری سوگ کے دن پورے ہونے کے بعد جب عزالدین مسعود تخت نشین ہوا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان تمام زمانہ ساز امراء کو قتل کروا دیا۔

اپنے مرحوم بھائی کے عہد حکومت میں بطور سپہ سالار عزالدین مسعود نے صلاح الدین ایوبی سے دو مرتبہ شکست کھائی تھی۔ صلاح الدین ایوبی کا خوف اور نفرت اب بھی اس کے اعصاب پر سوار تھے۔ اس خوف سے نجات حاصل کرنے اور گزشتہ معاہدوں اور تعلقات کی تجدید کے لیے عزالدین نے اپنا سفیر یروشلم کے صلیبی حکمران ریمنڈ کی طرف بھیجا۔

عزالدین کا مکتوب پڑھ کر ریمنڈ کا شاطر ذہن خاندان زنگی سے انتقام لینے کے لیے نئے جال بننے لگا۔ اس نے عزالدین مسعود کے نام ایک خط لکھا:

''آپ کی مخلصانہ تحریر پڑھ کر مجھے انداز ہوا کہ میری طرح آپ بھی صلاح الدین ایوبی کے توسیع پسندانہ اور غاصبانہ عزائم کے بارے میں فکر مند ہیں۔ آج نہیں تو کل وہ موصل اور حلب کی طرف ضرور پیش قدمی کرے گا۔ اگر آپ اپنی سلطنت کی مکمل ضمانت چاہتے ہیں تو میں

اس کا انتظام کر سکتا ہوں۔ آپ کی دفاعی ضروریات کا جائزہ لینے اور فوجوں کی تربیت کے لیے ماہرین کی ٹیم بھیجوا دوں گا۔ لیکن ان خدمات کے لیے آپ ہمیں ایک لاکھ دینار سالانہ ادا کریں گے۔ پچھلا معاہدہ اس وقت کی ضرورت تھا۔ نئی صورت حال اور نئے تقاضوں کے مطابق ہمارے درمیان ایک نیا معاہدہ تحریر ہو گا۔"



ریمنڈ کا خط پڑھ کر عزالدین بدحواس ہو گیا۔ اگر وہ ریمنڈ کا مطالبہ مان لیتا تو مالی نقصان کے علاوہ وہ ایک عیسائی ریاست کو مستقل خراج ادا کرنے والا بن جاتا۔ عین ممکن تھا کہ جب اس رُسوائُن معاہدے کی خبر عوام کو پہنچتی تو وہ بھی اپنے حکمران سے بدگمان ہو کر بغاوت پر اتر آتے۔ وہ اگر شاہ یروشلم کی پیش کش ٹھکرا دیتا تو ریمنڈ پہلے ہی اپنے خط میں سابقہ معاہدے کے خاتمے کی درپردہ الفاظ میں دھمکی دے چکا تھا۔ اس صورت میں وہ صرف صلاح الدین ایوبی کے رحم وکرم پر رہتا۔ ریمنڈ سے نئے معاہدے کی صورت میں صلیبی ماہرین کی شکل میں فرینکس (صلیبی فدائین) کی موصل میں داخلہ کی راہ بھی کھلتی تھی جو کسی وقت بھی خود عزالدین مسعود کے اقتدار کے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔

مسئلے کی پیچیدگی نے والئی موصل کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ اس پیچیدگی سے نکلنے کے لیے بالآخر اس نے اپنے خاص خاص امرائے سلطنت کا اجلاس طلب کیا اور ان کے سامنے ساری صورت حال اور اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"عالی جاہ! غاصب صلاح الدین ایوبی سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم طاقت ور حلیف تلاش کریں۔ اور شاہ یروشلم سے طاقت ور حکمران ہمارے علاقے میں اور کوئی نہیں ہے" امیر شارب نے کہا۔

"لیکن ہر سال اتنی زیادہ رقم دینا بھی تو ایک کڑی شرط ہے" والئی موصل نے اپنی تشویش

کا اظہار کیا۔

''عالی جاہ! وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ گرمی کے بعد سردی کا موسم آنا بھی لازمی ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح قیامت خیز گرمی کو گزار دینا چاہیے پھر اچھا موسم آتے ہی اس معاہدہ کو توڑ دیں گے۔ سیاست اسی کا نام ہے کہ خود کو ہلاکت سے بچایا جائے'' امیر بلقان نے امیر شارب کے مشورے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

والئی موصل عزالدین مسعود کا خیال تھا کہ اس کے امراء کی اکثریت نفرت وحقارت سے شاہ یروشلم کی رُسوا کُن پیش کش کو رد کر دے گی لیکن اس کو انتہائی حیرت ہوئی کہ ایک ایک کر کے تمام ہی امرا نے ریمنڈ کی پیش کش کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا۔

صرف ایک شخص حیرت واذیت کے ساتھ ان مشیروں کی گفتگو اور دلائل خاموشی سے سن رہا تھا۔ جب سب نے اپنی اپنی تجاویز اور دلائل دیے تو عزالدین نے اسے خاموش پا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا:

''امیر مہدی! تم نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی۔'' عزالدین مسعود نے خاموش آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''عالی جاہ!'' امیر مہدی تاسف آمیز لہجے میں گویا ہوا۔ ''جب تمام امراء ایک رائے پر متفق ہو چکے ہیں تو میرے جیسے ایک فرد کی رائے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔'' امیر مہدی کے جملے سے اس کے اندر کے کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔

''اس کے باوجود ہم تمھاری رائے سننے میں دل چسپی رکھتے ہیں'' والئی موصل نے نرم لہجے میں کہا۔

امیر مہدی چند لمحے کھوئی کھوئی نظروں سے والئی موصل کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر چند قدم آگے بڑھا۔ اس نے اپنی کمر سے تلوار کھولی اور اسے والئی موصل کے قدموں میں رکھ دیا۔

امیر مہدی کے اس طرز عمل سے دیوان خاص کی فضا پر گہرا سناٹا چھا گیا۔ ہر امیر اپنی اپنی جگہ شدید حیرت میں مبتلا تھا۔ والئی موصل نے مضطرب لہجے میں پوچھا:

''امیر مہدی یہ کیا ہے؟''

''یہ شمشیر مجھے آپ کے مرحوم بھائی نے عطا کی تھی۔'' امیر مہدی کا لہجہ بہت افسردہ تھا۔

''تو پھر اس نشانی کو خود سے جدا کیوں کر رہے ہو؟'' والئی موصل کی حیرت جوں کی توں برقرار تھی۔

''عالی جاہ! جب کسی سپاہی کو شمشیر دی جاتی ہے تو گویا درپردہ اس سے حلف لیا جاتا ہے کہ وہ اس تلوار کے دینے والے کی اطاعت اور اس کی سلطنت کی حفاظت میں اپنی جان لڑا دے گا۔ لیکن اب میں اس حلف کو توڑنے کا اعلان کر رہا ہوں کیونکہ اس حلف کو توڑے بغیر وہ بات کرنا ممکن نہیں جو آپ کو شاید ناگوار گزرے۔''

''امیر مہدی! پہیلیاں بجھوانا ہمیں پسند نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہم صاف اور واضح بات سننے کے عادی ہیں'' عزالدین مسعود نے شکن آلود پیشانی کے ساتھ سخت لہجے میں کہا۔

''امیر محترم! پہلے میں خاندان زنگی کے ایک وفادار ملازم کی حیثیت سے دمشق سے حلب تک گیا لیکن جب سلطان الملک الصالح کو خوشامدی امیروں کے نرغے میں بے بس پایا، تو اس امید پر موصل چلا آیا کہ شاید میرے سپاہیانہ اور سرفروشانہ جذبات کی یہاں تسکین ہو سکے لیکن یہاں بھی میرے نادان ساتھی انھی یہود و نصاریٰ سے اپنی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں جن کے بارے میں قرآن نے واضح کر دیا کہ وہ کبھی بھی تمھارے دوست نہیں ہو سکتے۔ کیا ہم اس طرح ان اہل ایمان کو دھوکہ نہیں دے رہے جو صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ہماری امارتوں کے جوئے میں جتے ہوئے ہیں؟ کیا ہم احکام الٰہی کا مذاق نہیں اڑا رہے؟'' یہ کہتے کہتے امیر مہدی کا لہجہ انتہائی تند اور تلخ ہو گیا تھا۔ ''کیا روئے زمین پر بسنے والے تمام کلمہ گو مر چکے ہیں

جو ہم موصل کے دفاع کے لیے اپنے بدترین دشمنوں سے اپنے دفاع کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی سے ہمارے اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن کیا اس کی مخالفت میں ہم اس حد تک بھی گر سکتے ہیں کہ اسلام کے کھلے دشمنوں کی گود میں سکون و عافیت تلاش کرنے لگیں، اور ان کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہلکان ہو رہے ہوں۔

کیا دنیا کا کوئی ہوش مند انسان جانتے بوجھتے ڈاکوؤں اور لٹیروں کو اپنے گھر کی نگہبانی پر متعین کر سکتا ہے؟ اگر موصل کے خزانے میں اتنی فالتو دولت جمع ہو چکی ہے کہ ہر سال صلیبیوں کو بطور خراج دی جا سکے تو پھر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ اتنی رقم ہم اپنی فوجوں کو بہتر بنانے اور جنگی ہتھیار تیار کرنے پر خرچ کریں، اور ہمارے امراء غریب لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں، تو خدا کی رحمت سے امید ہے کہ یہ مسلمان سلطنت کی حفاظت کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔''

امیر مہدی کی اس گفتگو پر امراء بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ امیر مہدی نے اب والئی موصل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنا شروع کیا: ''اے سلطان عادل کے لائق احترام وارث! اپنے عظیم بزرگوں کے اس قیمتی ورثے کو غیروں کے ہاتھ اتنے سستے داموں فروخت نہ کریں کہ ہماری آنے والی نسلیں ہماری قبروں پر آ کر اپنے بچوں سے یہ کہیں کہ یہ سو رہے ہیں وہ ننگِ دیں وننگِ ملت جنھوں نے کثرت تعداد اور باوسائل ہوتے ہوئے بھی غلامی کی دستاویز پر دستخط کیے اور مٹھی بھر عیسائیوں کو خراج دینا قبول کر لیا۔''

امیر مہدی نے بے مثال جرأت اظہار سے کام لیتے ہوئے ایک ایک امیر کے چہرے سے منافقت و ریاکاری اور مفاد پرستی کا نقاب نوچ پھینکا تھا۔ شراب و شباب کے رسیا بے ضمیر امراء ایک غیرت مند انسان کی حقیقت بیانی کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ عزالدین مسعود کے منہ چڑھے دو امراء امیر بلقان اور امیر شارب طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ دوسرے امرا

بھی ان کی تقلید میں کھڑے ہو گئے۔

''سلطان ذیشان! ہم جان نثارانِ سلطنت اس سے زیادہ اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمیں اجازت دیجیے!''

امیر بلقان اور امیر شارب جیسے خوشامدی امراء عزالدین مسعود کی اس کمزوری سے واقف تھے کہ اس کے اندر سلطان زنگی کی طرح ''سلطان'' کہلوانے کی خواہش مچل رہی ہے۔ اس لیے وہ اسے سلطانِ ذیشان کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اس لقب سے اس کے نفس کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ اس طرح ان خوشامدی امراء کے لیے والئ موصل سے ہر جائز و ناجائز بات منوانا آسان ہو جاتا تھا۔ اس سے پہلے کہ عزالدین مسعود ان امراء کے احتجاج پر اپنا ردِ عمل ظاہر کرتا، امیر مہدی نے باوقار مگر بے نیازانہ انداز میں کہا:

''حضرات! آپ نے کہاں جانا ہے، جانا تو میں نے ہے۔ آپ میرے جس جرم پر احتجاج کر رہے ہیں، سیاست کے مذہب میں یہ ایسا گناہ عظیم ہے جس کے لیے کوئی معافی نہیں ہوتی۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کے بعد مجھے بولنے نہیں دیا جائے گا۔

میری زندگی کی سانسیں رب کے ہاں شمار کی جا چکی ہیں۔ میں ان میں نہ اضافہ کر سکتا ہوں اور نہ آپ ان میں کمی کر سکتے۔ مجھے یہ اطمینان ہے کہ آپ نہیں تو اس ایوان کے در و دیوار قیامت کے روز یہ گواہی دیں گے کہ سلطان عادل کے ایک نمک خوار نے کس طرح حقِ نمک ادا کیا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے امیر مہدی کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم نمایاں ہوا جس میں ایک گہرا اطمینان اور سکون شامل تھا۔



''میری لاش کو موصل میں دفن نہ کرنا، ممکن ہو تو تن مردہ کو دمشق میں مدرسہ نوریہ کے کسی گوشے میں سپرد خاک کر دینا۔'' شاہی قید خانے میں ملاقات کے لیے آئے ہوئے بیٹے اور

بیوی کو امیر مہدی نے وصیت کی۔ یہ سن کر اس کی بیوی اور بیٹا رونے لگے تو اس نے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''صبر کے ساتھ اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمھارا باپ حرام موت نہیں مر رہا۔'' اور پھر اس نے اپنی شریک حیات کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

''اہل ایمان کے لیے اللہ کی رحمت کا سایہ ہی کافی ہے، باقی سب سایے ڈھل جانے والے ہیں۔'' اس کے بعد اس نے بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

'بیٹا تمھیں جب بھی موقع ملے مسلمانوں کے حقیقی امیر صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا اسلامِ عقیدت پیش کرنا۔ میں والئ موصل کی ملازمت سے فارغ ہو کر صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا لیکن حالات نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ اللہ تم دونوں کا حامی و ناصر ہو۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا، تاکہ اس کی بیوی اور بیٹا اس کی آنکھوں میں اترنے والے آنسوؤں کو نہ دیکھ سکیں۔



موت وحیات کی کش مکش

۱۵رنومبر ۱۱۸۱ء کی صبح ملک الصالح کے محل سے کچھ ہی دور تجارتی سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے نے پڑاؤ کیا۔ شہر کے لوگ ان سے خرید وفروخت کرنے لگے۔ اہل قافلہ کے تین افراد جو عربی لباس میں ملبوس تھے، محل کی طرف چل پڑے۔ جب وہ محل کے دروازے پر پہنچے تو دربان نے انھیں روک لیا۔

''ہم بادشاہ سلامت سے ملنا چاہتے ہیں'' ایک نے شُستہ عربی میں کہا۔

''کس مقصد کے لیے؟'' محافظوں کے کماندار نے استفسار کیا۔

''ہم ہیرے جواہرات کے تاجر ہیں۔ ہمارے پاس دیگر قیمتی سامان بھی ہے جو بادشاہ ہی خرید سکتے ہیں'' تاجروں کے نمائندے نے کہا۔ محافظوں کے کماندار نے انھیں سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔ ان کی باتوں میں دل چسپی لیتے ہوئے بہت ہی بے تکلف ہوگیا اور پھر کہنے لگا:

''لیکن تجارت کی بات چیت براہِ راست تو بادشاہ کے ساتھ کبھی نہیں ہوتی، آپ اپنا اصل مقصد بتائیں۔''

''ہم اپنا مقصد بتا چکے ہیں۔''

''یروشلم سے آئے ہو یا عکرہ سے؟'' کماندار نے پوچھا۔

''ہم تاجر ہیں اور ہر ملک میں جاتے ہیں، یروشلم اور عکرہ بھی جاتے ہیں۔ آپ کس شک

میں پڑ گئے ہیں؟'' تاجر نے سوال کیا۔

''شک میں نہیں۔'' کماندار نے انھیں ایک طرف لے جاتے ہوئے آہستگی سے کہا: ''مجھے یقین ہے کہ میں آپ تینوں کو جانتا ہوں، لیکن آپ نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا، ہرمن مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔''

ہرمن صلیبیوں کے نظام جاسوسی کا سربراہ تھا۔ کماندار نے چند خفیہ الفاظ (کوڈ ورڈز) بولے جو صلیبی جاسوسوں کے ہاں اپنی شناخت کے لیے بولے جاتے تھے۔ یہ سن کر ان کے درمیان زیرلب مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ اور پھر کماندار گویا ہوا:

''میں آپ کا مقصد جاننے پر اصرار نہیں کروں گا لیکن آپ کو خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہاں قدم قدم پر ایوبی کے جاسوس پھر رہے ہیں۔ انھیں آپ لوگوں پر شک ہو گیا تو پھر آپ کی لاشیں ہی محل سے نکلیں گی۔ اس سے پہلے ہم وِنڈسر جیسے ماہر سراغرساں کو گنوا چکے ہیں۔ جس کا مجھے اب تک افسوس ہے اور اس کی وجہ بھی ان کے ساتھیوں کا ہمیں اعتماد میں نہ لینا تھا۔ اب اگر آپ کو کوئی گزند پہنچتی ہے تو یہ ہمارے لیے دوسرا بڑا نقصان ہوگا'' کماندار نے بڑے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

ان تینوں نے اپنے خفیہ الفاظ اور طریقوں سے یقین کر لیا کہ کماندار ان کا اپنا آدمی ہے تو انھوں نے اسے بتایا کہ وہ شاہ بالڈون کے فوجی مشیر ہیں اور ملک الصالح سے فوجی امور پر معاہدہ طے کرنے آئے ہیں۔ اس کے بعد کماندار نے اندر جا کر ملک الصالح کو اطلاع دی۔

''عالی جاہ! چند غیر ملکی تاجر شرفِ باریابی چاہتے ہیں۔''

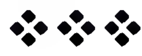
''تم محافظ دستے کے نئے کماندار ہو؟'' ملک الصالح نے پوچھا۔

''جی عالی جاہ!'' اس نے جواب دیا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''دمشق کے قریب کے گاؤں کا۔''

''ہم ہر وقت ہر کسی سے نہیں مل سکتے۔ اچھا آئندہ خیال رکھنا، ان تینوں کو اندر بھیج دو۔'' اس نے باہر جا کر تینوں کو اندر جانے کو کہا اور آنکھ کے اشارے سے ہدایت کی کہ محتاط انداز سے بات کریں۔



''شیخ'' کے حجرے سے لوگ اپنے اپنے تعویذ لے کر نکل رہے تھے۔ ان کے پاس اب صرف دو افراد بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ادھیڑ عمر عورت حجرے میں داخل ہوئی اور بولی:

''مجھے فوری تعویذ دیں ورنہ میرا نقصان ہو جائے گا۔''

''آپ مسئلہ بتائیں؟'' شیخ نے کہا۔

''پہلے انھیں فارغ کریں''

''یہ تعویذ لینے والے نہیں، دینے والے ہیں۔'' شیخ نے مطمئن لہجے میں کہا ''آپ بات کریں۔ مسئلے کا حل مشاورت سے نکل آئے گا۔''

''شیخ محترم میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ وہ صلیبی لڑکی صرف شکل وصورت، ناز وادا اور زبان کی چاشنی کے لحاظ سے ہی جادو نہیں ہے، اپنے فن کے اعتبار سے بھی بہت ہوشیار ہے۔ اس کا جلد از جلد کوئی انتظام کیا جائے۔ میں تو ملک الصالح کی خادمہ کی حیثیت سے ایک ایک لمحے کی گواہ ہوں۔ یہ لڑکی ملک الصالح کی کمزوری بن چکی ہے۔ ملک الصالح اس کے لیے اتنا پاگل ہو چکا ہے کہ مجھ سے باچھیں کھلا کر پوچھتا ہے: یہ لڑکی تمھیں پسند ہے؟ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں! میں نے اسے ایک بار کہا کہ اپنی بہن سے پوچھ لیں۔ اس نے مجھے سختی سے کہا کہ اس کی بہن کے ساتھ تو اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔ اور کل سے تین تاجر آئے ہوئے ہیں جو اس لڑکی اور ملک الصالح سے طویل خلوت میں رہے ہیں۔ مجھے تو وہ بھی اس لڑکی کی طرح صلیبی معلوم ہوتے ہیں۔''

''تمھاری بات درست ہے۔ تم ان پر نظر رکھو اور اس لڑکی سے اور زیادہ بے تکلفی اور محبت کا اظہار کرو۔ تمھارے لیے اتنا ہی تعویذ کافی ہے'' شیخ نے عورت کو کاغذ کا ایک ٹکڑا پکڑاتے ہوئے کہا۔

''میں یہ بھی بتا دوں کہ یہ لڑکی دن رات ملک الصالح کو شراب میں مدہوش رکھتی ہے۔'' عورت کھڑے ہوتے ہوئے پھر بولنے لگی۔ ''شراب تو وہ پہلے بھی پیتا تھا لیکن صرف رات کے وقت۔ وہ اپنی بہن کو دن میں ملا کرتا۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ جب اس کی بہن پوچھتی ہے تو میں کہہ دیتی ہوں کہ الصالح کو سلطنت کے کام ہی اتنے ہیں کہ اس کے پاس ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اگر آپ اس لڑکی کو ٹھکانے لگا دیں تو ملک الصالح کے ہوش ٹھکانے نہیں رہیں گے اور وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ صلیبیوں سے کوئی بات کرے یا نہ کرے۔'' یہ کہہ کر وہ کاغذ پر لکھے ایک ''تعویذ'' کو ہاتھوں میں مروڑتی ہوئی چلی گئی۔

''صلیبی فوجی مشیروں کی آمد اور اس لڑکی کے بارے میں ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ اس کی اطلاع سلطان ایوبی کو دی جائے یا ابھی دیکھ لیا جائے کہ صلیبی الصالح سے کیا کرواتے ہیں۔'' شیخ نے مشورہ چاہا۔

''سلطان مصر چلے گئے ہیں'' بوڑھے شخص نے کہا۔ ''ادھر سلطان ایوبی کے بھائی العادل ہیں اور وہ سلطان سے حکم منگوائے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اتنے عرصے میں یہاں کے حالات ہمارے قابو سے باہر بھی نکل سکتے ہیں۔ کسی ایسی کارروائی کا سوچا جائے کہ یہ سلسلہ یہیں ختم ہو جائے۔''

کافی بحث مباحثے کے بعد مناسب وقت پر کارروائی کرنے کا فیصلہ ہوا۔



۷ رجب ۵۷۷ ہجری (۱۶ نومبر ۱۱۸۱ء) کو غروب آفتاب کے ساتھ ہی محل کے باہر کے

بڑے میدان میں رنگ ونور کا سماں تھا۔ الصالح نے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ اتنی بڑی ضیافت کے اہتمام کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن در پردہ صلیبیوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ طے پا گیا تھا جس کا علم صرف دو سالاروں کو تھا۔ اس ضیافت میں عربی تاجروں کے روپ میں صلیبی مشیر بھی موجود تھے اور ان کے شتربان بھی جو درحقیقت صلیبی جاسوس تھے۔ ضیافت میں صلیبی لڑکی بھی موجود تھی اور الصالح کی بہن شمس النساء بھی جسے ضیافت کے انتظامات کی نگرانی سونپی گئی تھی۔

جوں جوں رات گزر رہی تھی ضیافت کا رنگ نکھرتا جا رہا تھا۔ ہر طرف شراب کا دور چل رہا تھا۔ مہمانوں کی غیر معمولی چھل پہل تھی۔ صلیبی لڑکی ادھر ادھر پھدکتی پھر رہی تھی۔ کبھی وہ کسی سالار کے ساتھ باتیں کرتی اور کبھی کسی امیر اور مشیر سے۔ اسی دوران ملک الصالح کی خادمہ نے کسی سالار کا نام لے کر کہا کہ وہ کسی ضروری بات کے لیے اسے بلا رہا ہے۔ لڑکی جانتی تھی کہ وہ ان کا اپنا آدمی ہے۔ وہ ادھر چلی گئی اور واپس نہ آئی۔ کچھ دیر بعد محافظوں کے کمانڈر نے تین تاجروں میں سے ایک کے ساتھ رابطہ کیا اور کہا:

''آپ تینوں یہاں سے نکلیں ورنہ مارے جائیں گے۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ مہمانوں کے بھیس میں یہاں ایوبی کے چھاپہ مار موجود ہیں۔'' کماندار نے اسے ایک جگہ کا بتا کر کہا کہ وہ تینوں وہاں آ جائیں۔ انھیں چھپانے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔

''ہمارا کام ہو چکا ہے، اس لیے ہمیں بھی اب یہاں سے نکلنا ہی ہے'' صلیبی نے کہا۔

''پھر جلدی کریں ورنہ صبح تک تمھاری لاشیں یہاں سے نکلیں گی'' کماندار نے کہا۔

اس صلیبی نے یہ بات اپنے ساتھیوں کے کانوں میں ڈالی اور وہ ایک ایک کر کے غیر محسوس طریقے سے نکلے۔ محل کے اندر سے نکلتے ہوئے تو انھیں دیکھا جا سکتا تھا لیکن یہ تو میدان تھا جس کے باہر کہیں روشنی اور کہیں نیم تاریکی تھی۔ وہ خود بھی کسی پر ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں کماندار ایک گھوڑے پر سوار مزید تین گھوڑے لیے کھڑا تھا۔ ضیافت میں رقص وسرود اور ہاؤ ہو کا اتنا شور تھا کہ گھوڑوں کی ٹاپ بھی کسی کو سنائی نہ دی۔



''خداوند خدا کا شکر ہے کہ آپ سب کی جانیں بچ گئیں'' کماندار نے شہری آبادی سے دور ایک جھونپڑی نما مکان میں بیٹھے ہوئے صلیبیوں سے کہا۔

''لیکن ہمارے شتربان تو ابھی ضیافت میں ہی رہ گئے ہیں۔'' ایک صلیبی نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''ان کے نکالنے کا انتظام بھی کر لیا گیا ہے'' کماندار نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''کوئی معاملہ بہتر بھی طے پایا؟'' کماندار نے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ ہم ملک الصالح کو جنگی ہتھیار اور گھوڑے دیں گے، جاسوس دیں گے اور فوجی تربیت بھی۔ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کی صورت میں ہم ایوبی کے عقب سے حملہ آور ہوں گے۔ لیکن فی الحال ملک الصالح سلطان ایوبی سے معاہدہ نہیں توڑے گا'' ایک صلیبی نے کہا۔

''کیا اب ہم یہاں بیٹھے رہیں گے؟'' دوسرے صلیبی نے پوچھا۔

''نہیں! آپ کی روانگی کا وقت ہو گیا ہے، میرے ساتھ آؤ'' کماندار نے آہستگی سے کہا۔

کماندار نے کمرے کا دوسرا دروازہ کھولا جو ایک تاریک کمرے میں کھلتا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے ایک ایک ہاتھ ان کی گردن کے گرد لپٹ گیا اور ہر ایک کے دل میں خنجر اتر گیا اور اسی کمرے میں بنے ہوئے ایک گڑھے کے اندر تینوں کو پھینک دیا گیا۔

کماندار نے کمرے میں کھڑے ایک خنجر بردار کو اشارہ کیا وہ باہر والے کمرے سے چراغ اٹھا لایا جس سے کمرہ روشن ہو گیا''

کمرے کے اندر ایک گڑھے میں تین صلیبیوں کی لاشیں تڑپ رہی تھیں اور ایک کونے میں وہ صلیبی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا اور ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں کماندار کے علاوہ تین اور خنجر بردار کھڑے تھے۔ کماندار کے اشارے پر اس کے منہ میں ٹھونسا ہوا کپڑا نکال دیا گیا تو وہ بولی:

''میں اپنی جان کی بخشش مانگتی ہوں۔ تم بتاؤ کتنا سونا چاہیے، میں صبح تک تمھارے قدموں میں رکھ دوں گی۔ پھر یروشلم چلی جاؤں گی۔''

''ہم تمھیں اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ تم الصالح کی طرح ہمارے ایمان بھی خرید سکو'' کماندار نے کہا۔

''کیا تم نے مجھ سے زیادہ خوب صورت لڑکی دیکھی ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''کیا تم نے ہم سے زیادہ ایمان والے بھی دیکھے ہیں؟'' کماندار نے الٹا سوال کیا۔ ''ہمارے دین میں عورتوں کو مارنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن تم جیسی بدقماش لڑکیاں جس قدر فتنہ ہوتی ہیں ان کا قتل کرنا عین ضرورت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے کماندار نے خنجر نکالا اور اس لڑکی کے دل میں اتار دیا۔ اس کے اشارے پر دوسرے آدمی نے اسے بالوں سے گھسیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا۔ وہ انھیں ضروری ہدایات دے کر واپس محل کی طرف چلا گیا۔



'وہ کافی دیر سے نظر نہیں آ رہے'' ملک الصالح اپنے مصاحبین سے صلیبیوں اور لڑکی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ بالآخر جب رات بھی ڈھلنے لگی اور آخری مہمان بھی رخصت ہو گیا تو وہ لڑکی کے لیے بے قرار ہونے لگا۔ اس نے پوری رات اپنی خادمہ اور دیگر ملازموں کو سونے نہ دیا۔ صبح اس نے اپنے ہمراز دو سالاروں کو اپنے سامنے کھڑا کر رکھا تھا۔ اور پھر اس نے محافظوں کے کماندار کو بلا لیا اور پوچھا:

''تم نے عربی تاجروں اور ایک لڑکی کو باہر جاتے نہیں دیکھا؟''

''جی عالی جاہ! میں نے انھیں دیکھا تھا'' کماندار نے کہا۔''میں اپنے دستے کے ساتھ کھڑا تھا کہ آدھی رات سے پہلے تینوں تاجر اور ان کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی باہر آئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ مجھے دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی تھیں۔ پھر میں نے انھیں واپس آتے نہیں دیکھا۔''

اس دوران ایک سالار نے الصالح کو صلیبیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا:

''سلطان معظم! وہ اتنی خوب صورت لڑکی کو آپ کے پاس چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے آپ کو دھوکہ دے کر آپ سے کوئی بڑا ہی نازک راز حاصل کیا۔ جس کے بارے میں شاید آپ کو بھی یاد نہ ہو۔''

الصالح پر گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی اسے دن میں بھی مدہوش رکھتی تھی۔ نہیں معلوم کہ وہ اس سے کیا کچھ کہلواتی رہی۔ اسے شدید صدمہ ہوا۔ وہ رات بھر سویا بھی نہیں تھا۔ بہت دنوں سے وہ دن رات شراب نوشی کرتا رہا تھا۔ اس کے علاوہ غصہ اور پچھتاوا بھی تھا۔ اس نے غصے سے حکم دیا:

''قافلے والوں کو قید میں ڈال دو اور ان کے اونٹ اور سامان کو بحق سرکار ضبط کر لو۔''

اسی شام الصالح کے پیٹ میں درد کی ٹیس اٹھی۔ دوا لینے کے باوجود کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اور رات ہی رات میں درد ناف تک پھیل گئی۔ ۹ رجب ۵۷۷ھ کو اس کی حالت طبیبوں کے بس سے باہر ہو گئی۔ طبیبوں کے مطابق یہ درد قولنج کا دورہ تھا جو کثرت شراب نوشی کی وجہ سے تھا۔ دوسرے دن اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ طبیبوں نے اُسے تو نہ بتایا البتہ سالاروں کو بتا دیا کہ اس کا جانبر ہونا مشکل ہے۔

جامع مسجد کے امام کو بلا لیا گیا۔ اس نے سرہانے بیٹھ کر قرآن خوانی شروع کر دی۔ رات

کو الصالح نے آنکھ کھولی اور امام کو تلاوت کرتے دیکھا تو نحیف آواز میں کہا:

''اگر قرآن برحق ہے تو اس کی برکت سے مجھے صحت یاب کرو۔''

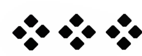
''قرآن کی برکت ان کے لیے ہے جو اس کے ہر فرمان کو برحق مانتے ہوئے عمل بھی کرتے ہیں'' امام نے کہا۔'' آپ اللہ سے معافی مانگیں، اپنی ناراض ماں سے معافی مانگیں۔''

ملک الصالح کی بہن شمس النساء پاس کھڑی رو رہی تھی۔ الصالح کے منہ سے بے ساختہ نکلا:

''ماں ...... میری ماں کو بلاؤ، اسے کہو تمھارا نافرمان بیٹا مر رہا ہے۔ آکر دودھ کی دھاریں اور میرے گناہ بخش دے۔''

شمس النساء نے بھائی کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ رکھا اور سسکتے ہوئے کہا:'' میں ماں کو لے کر آؤں گی، میں ابھی دمشق روانہ ہو جاتی ہوں۔''

پھر وہ تیز تیز قدموں کے ساتھ باہر نکل گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے محافظوں کے ساتھ دمشق کے راستے پر جا رہی تھی۔



''آپ کی بیٹی شمس النساء ملنے آئی ہے'' خادمہ رضیع خاتون کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ رضیع خاتون نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ماں بیٹی اس وقت جدا ہوئی تھیں جب بیٹی کی عمر نو دس سال تھی اور اب بیٹی پندرہ سولہ سال کی دوشیزہ ہو چکی تھی۔

''وہ کیوں آئی ہے؟'' رضیع خاتون نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''آپ سے ملنے۔ شاید آپ کے پاس رہنے کے لیے آ گئی ہو'' خادمہ نے کہا۔

ماں پر خاموشی طاری ہو گئی جیسے وہ کسی اندرونی کش مکش میں مبتلا ہو۔ خادمہ منتظر کھڑی رہی۔

''ملکہ عالیہ! کیا حکم ہے؟'' خادمہ نے کافی انتظار کے بعد پوچھا۔

''اسے کہو کہ وہ واپس چلی جائے'' وہ اس انداز سے گویا ہوئی جیسے کسی گہرے کنویں سے بول رہی ہو۔ ''اپنے غدار بھائی کے پاس واپس چلی جائے اور میرے سامنے آنے کی جرأت نہ کرے۔''

''یہ تو اس وقت بچی تھی جب آپ کا بیٹا اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ معصوم بچی کو کیا معلوم کہ اس کا بھائی کس قماش کا ہے اور اسے کہاں لے جا رہا ہے؟'' خادمہ جو گھر کی پرانی نمک خوار اور ملکہ کی غمگسار تھی، اپنی مالکہ کو دلیل دینے لگی۔

''میں جانتی ہوں، اسے اس کے بھائی نے بھیجا ہے۔ میرا بیٹا غدار اور بے غیرت ہے۔ میں اس کے سائے میں پلنے والی بیٹی سے نہیں ملوں گی۔''

''وہ اتنی دور سے سات آٹھ سال بعد ملنے آئی ہے۔ بیٹی تو قصوروار ہو سکتی ہے لیکن ماں کی ممتا تو ختم نہیں ہو جاتی'' خادمہ نے ممتا کا واسطہ دے کر جذباتی طور پر قائل کرنے کی کوشش کی۔

''ممتا مر چکی ہے'' رضیع خاتون جیسے پتھر کا بت بن گئی ہو۔ یکا یک گرد آلود لباس میں ملبوس ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم کون ہو؟'' رضیع خاتون نے حیرت افزا لہجے میں کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔ لڑکی خاموش کھڑی رہی، خادمہ ایک طرف ہٹ گئی۔ رضیع خاتون آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی۔ اس کے بازو اپنے آپ ہی پھیلتے جا رہے تھے۔

''تم! میری بچی، شمس النساء...... میری شمسی'' رضیع خاتون ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔

''تم اتنی بڑی ہو گئی ہو؟''

شمس النسا دروازے کے پاس خاموش کھڑی تھی۔

جب دونوں کے درمیان دو تین قدموں کا فاصلہ رہ گیا تو رضیع خاتون رک گئی۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو نیچے آ رہے۔ چند لمحے پہلے اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی، اچانک غائب ہوگئی۔ دو تین قدم آگے بڑھنے کے بعد وہ اتنا ہی پیچھے آ گئی۔ مامتا جو خود بخود پیدا ہوئی تھی، خود ہی ٹھٹھر سی گئی۔ رضیع خاتون سحر زدہ سی دکھائی دے رہی تھی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' اس نے بالکل بدلے ہوئے لہجے میں قہر بھری آواز میں پوچھا۔

''ماں!'' رندھی ہوئی آواز میں شمس النساء بازو پھیلائے ہوئے آگے بڑھی۔ ''میں آپ سے ملنے آئی ہوں ماں!''

''دُور کھڑی رہو۔ میں صلیبیوں کے زیر سایہ پرورش پانے والی لڑکی کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔''

''ماں! میری بات تو سن لو۔ میرے اوپر جو گرد پڑی ہے، اسے دیکھو'' لڑکی نے منت کرتے ہوئے کہا۔

''اس گرد سے مجھے مجاہدین اسلام کے خون کی بُو آ رہی ہے۔ یہ ان مجاہدین کا خون ہے جن کی ماؤں نے انھیں صلیبیوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کے لیے بھیجا تھا لیکن میرے بیٹے کی فوج نے انھیں شہید کر دیا۔''

''ماں!'' یہ کہتے ہوئے شمس النساء ماں کے قدموں میں گر پڑی اور رو رو کر کہنے لگی:

''بھائی صالح مر رہا ہے، وہ سخت اذیت میں ہے، اس نے مجھے آپ کو بلوانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ماں مجھے دودھ کی دھاریں اور میرے گناہ بخش دے۔''

''میں اسے دودھ کی دھاریں بخش سکتی ہوں لیکن اسے وہ خون کون بخشے گا جو اس نے

مسلمان کی اولاد ہونے کے باوجود مسلمانوں کا بہایا ہے۔ میں اپنے بیٹے کی غداری کا گناہ بخشنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتی'' رضیع خاتون کی کیفیت ہیجان خیز ہو چکی تھی۔

''ماں! وہ آپ کا اکلوتا بیٹا ہے، وہ آپ کے عظیم شوہر کی نشانی ہے۔''

''اس نے باپ کی عظمت کو صلیبیوں کے قدموں میں روند ڈالا۔''

''ماں! اب تو اس نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا ہے۔ اب ان کی آپس میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی۔''

''کیا تم حلفیہ بتا سکتی ہو کہ صالح کے ہاں اب کوئی صلیبی موجود نہیں؟ کیا اس کے حرم میں کوئی صلیبی لڑکی نہیں؟ تم مجھے اس بات کا یقین دلا دو کہ میرے بیٹے کے دربار میں صلیب کے مکروہ سائے اٹھ گئے ہیں تو تم نے بارہ روز کی جو مسافت چھ دن میں طے کی ہے، میں اسے تین دن میں طے کر کے اپنے بیمار بیٹے کے پاس پہنچوں گی۔''

''ماں اب تو تمھارا بیٹا کسی لڑکی کو دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اس کی زندگی کے لیے دعا کرو۔''

''میں دعا نہیں کروں گی، اور میں بد دعا بھی نہیں دے سکتی'' رضیع خاتون نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بد دعا اس لیے نہیں دے سکتی کہ میں اس کی ماں ہوں اور دعا اس لیے نہیں دے سکتی کہ میں روزِ محشر ان ہزاروں شہیدوں کی ماؤں، بیویوں اور بیٹوں کے آگے شرمسار نہیں ہونا چاہتی جو میرے بیٹے کے حکم پر اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ میں ان شہیدوں کی مقدس رُوحوں کو اپنی مامتا کے خون کا خراج دوں گی۔''

''وہ اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہا ہے ماں!'' بیٹی نے روتے اور چلاّتے ہوئے کہا۔

''اب بھی وہ توبہ کرنے کی بجائے وقت گزاری کر رہا ہے۔ جب وہ بے بس ہوتا ہے تو تمھیں مقصد براری کے لیے استعمال کرنے سے بھی نہیں شرماتا۔''

''ماں! کیسی مقصد برابری اور کیسا استعمال؟'' شمس النساء نے حیرت سے پوچھا۔

''جب صلاح الدین ایوبی کے سامنے وہ بے بس ہو گیا تو اس نے تمھیں قلعہ اعزاز اور حلب کی بھیک مانگنے کے لیے بھیج دیا۔ اس عظیم انسان نے تمھیں اپنی بچی سمجھ کر قلعہ اعزاز اور حلب بخش دیا۔ الصالح خود ایوبی کے سامنے کیوں نہیں آیا؟ اسے شکست ہوئی تھی تو اسے اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہونا چاہیے تھے۔ لیکن اپنا ایمان نیلام کرنے والوں میں اپنے گناہوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ پہلے تمھارے ذریعے ایوبی کو جذباتی کر کے کام نکلوایا اور اب تمھیں میری طرف کسی اور مقصد کے لیے بھیج دیا ہے۔''

''پتھر دل نہ بنو ماں!'' بیٹی نے کہا۔

''ہر وہ شہید جو اس خانہ جنگی میں شہید ہوا ہے، اس کی ماں نے دل پر پتھر رکھا ہوا ہے۔ وہ کسی کو یہ بتاتے ہوئے بھی شرمسار ہے کہ انھوں نے جو اپنے لختِ جگر اسلام دشمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجے تھے، وہ آپس کی خانہ جنگی میں مارے گئے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ ......میرا بیٹا!''

''ماں وہ تو اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ اسے ان معاملات کی سوجھ بوجھ نہ تھی'' بیٹی نے دلیل دی۔

''جب اس کا شعور بیدار ہو گیا تھا تو میرے پاس آجاتا...... اچھا اب تم جلدی چلی جاؤ۔ اور میری مامتا سے مت کھیلو۔ اگر اسلام کی مائیں مامتا کے جذبات میں الجھ گئیں تو اللہ کی راہ میں کوئی بیٹا شہید نہ ہو گا۔ چلی جاؤ! میری مامتا شہید ہو چکی ہے۔''

''مائیں اپنی بیٹیوں کو یوں رخصت کیا کرتی ہیں۔''

''تو میرے پاس رہو۔ لیکن اس شرط پر کہ میرے سامنے اپنے بھائی کا نام نہ لو گی''

''ماں یہ کیسے ممکن ہے؟ جس بھائی نے مجھے پالا پوسا اور محبت دی، اس کا نام کیوں نہ لوں گی؟''

''تو پھر اسی کے پاس چلی جاؤ۔تم صلیبیوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو۔ یہاں کی بیٹیوں کو دیکھو جو اسلام کے نام پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ میں ان کی تربیت کے دوران جب انھیں ڈانٹتی اور جھڑکتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ ان میں سے کوئی مجھے یہ نہ کہہ دے کہ اپنی بیٹی اور بیٹے کی تو خبر لو...... کیا تم اس حقیقت کا انکار کرتی ہو کہ میرا بیٹا صلیبیوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتا ہے اور اس کے حرم میں صلیبی اور یہودی لڑکیاں ہیں۔''

شمس النساء کا سر جھکا ہوا تھا۔اس کے لیے انکار ممکن نہ تھا۔

''اچھا اب کھانا کھاؤ! اور رخت سفر باندھو'' ماں نے کہا۔''اگر الصالح زندہ ہو تو اسے تسلی دینا کہ ماں نے تمھیں دودھ کی دھاریں بخش دی ہیں لیکن شہیدوں کا خون بخشنا اس کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے۔اسے کہنا کہ سلطنت اسلامی کے دفاع میں اگر اس کے سینے میں صلیبیوں کا تیر پیوست ہوا ہوتا تو تمھاری ماں تمھاری لاش کو سینے سے لگا کر دمشق لاتی اور فخر سے کہتی کہ یہ ہے میرے شہید بیٹے کا مزار۔لیکن اب میں کیا کہوں؟ ماں کا فخر ہی بیٹے نے چھین لیا ہے۔''

شمس النساء سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔اس نے سر اٹھایا تو اس کے رخساروں پر جمی گرد کی تہہ میں آنسوؤں کی دوندیوں نے راستہ بنا لیا تھا۔اس نے دوزانوں ہو کر ماں کے کرتے کا دامن پکڑا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور اٹھ کر کہا:

''وہ میرا بھائی ہے۔بچپن کا ساتھی ہے، شاید مجھے زندہ بھی نہ ملے۔ میں اس کے پاس ضرور جاؤں گی۔طبیبوں کے مطابق اب اس کا زندہ رہنا محال ہے۔میں اس کی تجہیز و تکفین کے بعد آپ کے قدموں میں آبیٹھوں گی۔''

''کس لیے؟'' ماں نے کٹیلے لہجے میں کہا۔

''اس بچے کو جنم دینے کے لیے جو راہِ خدا میں شہید ہوگا، اور جس کی قبر پر ہاتھ پھیر کر آپ فخر سے کہہ سکیں کہ یہ میرے شہید بیٹے کا مزار ہے...... ماں میں ضرور واپس آؤں گی۔آپ

میری شادی کا انتظام کر رکھنا۔ میں بند آنکھوں کے ساتھ آئی تھی، آنکھیں کھول کر جا رہی ہوں۔ مجھے اجازت دیں تا کہ میں بھائی کو اپنے ہاتھوں رخصت کر سکوں۔ الوداع ماں الوداع۔"

دبے پاؤں کمرے میں آنے والی لڑکی سینہ پھیلا کر اور گردن تان کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی نکل گئی۔ رضیع خاتون کمرے کے دروازے تک گئی اور اسے راہداری میں دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"میری بچی!" رضیع خاتون کے منہ سے چیخ نکلی۔ اسے صحن سے شمسی کی گرجدار بلند آواز سنائی دی:

"طلحہ! محافظوں کو جلدی بلاؤ۔ حلب کی واپسی کے لیے۔" رضیع خاتون کی بیٹی کی آواز میں اپنے مرحوم شوہر کے لہجے کی کھنک سنائی دے رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ چھت پر چڑھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی گھوڑے پر سوار پانچ سواروں کے آگے آگے جا رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتی رہی جب تک وہ گرد کے بادلوں میں گم نہ ہو گئی اور پھر اس کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ روتی رہی کہ اچانک اس نے کندھوں پر کسی کا لمس محسوس کیا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، اس کی خادمہ افسردہ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

"مالکہ......" خادمہ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"وہ چلی گئی......میری بچی بھوکی ہی چلی گئی" ماں خود بھی بچے کی طرح بلک رہی تھی۔



حلب کا جانشین

ملک الصالح پر بار بار غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ خود ملک الصالح کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اب جانبر نہ ہو سکے گا۔ اس کے خاندان میں اس کا قریب ترین عزیز اس کا چچازاد عزالدین مسعود ہی تھا، اس لیے اس نے ایک تیز رفتار قاصد کو موصل روانہ کیا تاکہ وہ اپنے چچازاد سے آخری ملاقات کر سکے۔

والئی موصل حلب پہنچا تو ملک الصالح کی حالت دیکھ کر رونے لگا جیسے اسے اس سے بہت ہمدردی ہو۔ عزالدین مسعود جانتا تھا کہ سلطنت کی جانشینی کا حقدار اس کے سوا اب اور کون ہوسکتا ہے۔ والئی موصل کی اشکبار آنکھیں دیکھ کر ملک الصالح نے اپنا ہاتھ اٹھایا، اس کا ہاتھ نقاہت کے باعث کانپ رہا تھا۔ عزالدین مسعود نے ملک الصالح کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسے بوسہ دیتے ہوئے کہا:

”میرے بھائی! تم بہت جلد صحت یاب ہو جاؤ گے۔ میں تمھاری خاطر ساری دنیا کے طبیب حلب میں جمع کر دوں گا۔“

موت کے قدموں کی آہٹ سننے کے باوجود ملک الصالح کے چہرے پر خوف و دہشت کا کوئی سایہ موجود نہ تھا۔ کردار کی خامیوں کے باوجود اس میں اپنے عظیم باپ کی شجاعت اور تحمل نظر آ رہا تھا۔ وہ بولا:

''مجھے اپنی موت کا کوئی غم نہیں کہ دنیا میں ہر انسان نے یہ دن دیکھنا ہے، دیر یا سویر۔ البتہ اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ میں سلطنت کے ایک غاصب اور نمک حرام غلام زادے کی گردن اپنے قدموں میں جھکائے بغیر دنیا سے جا رہا ہوں۔'' ضعف کے سبب ملک الصالح کی آواز لرز رہی تھی۔

''اللہ نہ کرے کہ آپ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھے'' عزالدین مسعود نے روتے ہوئے کہا۔

''یہ وقت رونے کا نہیں، ایفائے عہد کا وقت ہے تا کہ میں سکون سے مرسکوں'' یہ کہتے ہوئے ملک الصالح کے بے جان چہرے پر نفرت اور غصے کے آثار نمایاں ہوئے۔

''کون سا عہد میرے برادرِ عزیز؟'' والئی موصل نے کسی قدر حیرت سے پوچھا۔

''تم صلاح الدین ایوبی سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو گے جب تک وہ غلام زادہ ذلت آمیز شکست کے بعد خاندانِ زنگی کے غلام کی حیثیت پر واپس نہیں آجاتا۔'' یہ کہتے ہوئے ملک الصالح کے لہجے میں وہی نفرت اور غصے کی کیفیت نمایاں تھی۔ ''تم قسم کھاؤ کہ جس کام کو میں ادھورا چھوڑ کر جا رہا ہوں، تم اسے مکمل کرو گے۔''

صلاح الدین ایوبی سے پے در پے شکست کھا کر والئی موصل خود دل شکستہ ہو چکا تھا۔ اسے اپنی جان اور علاقے کے تحفظ کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ کس طرح اتنی بڑی ذمہ داری کو قبول کرنے کی قسم کھا سکتا تھا۔ اس تصور نے اسے ایک ذہنی کش مکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ عزالدین مسعود کو متفکر دیکھ کر ملک الصالح نے سخت لہجے میں کہا:

''میرے بعد خاندانِ زنگی کی جانشینی کے لیے تم ہی سب سے معتبر شخص ہو لیکن اگر تم اس عہد کے بوجھ کو اٹھانے سے گھبراتے ہو تو اس مقصد کی تکمیل کے لیے میں کسی دوسرے امیر کو مقرر کر کے چلا جاتا ہوں۔''

یہ سنتے ہی عزالدین مسعود گھبرا گیا۔ حلب کی سرسبز و شاداب اور زرخیز ریاست پر حکمرانی

کی خواہش اور سلطان کہلانے کا تصور تو اس کے گھرانے کا پرانا خواب تھا۔ اس کا بڑا بھائی یہ خواہش لیے قبر میں جا سویا اور اب عزالدین مسعود بھی یہ خواب دن رات دیکھ رہا تھا۔ لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ سلطان الملک الصالح مرتے مرتے بھی ان سے ہاتھ کر سکتا ہے۔ ملک الصالح نے کھلے الفاظ میں اپنا مقصد بیان کر دیا تھا کہ اس کے بعد حلب کا حکمران وہی شخص بن سکتا ہے جو صلاح الدین ایوبی کے خلاف خاندانِ زنگی کی انتقامی جنگ جاری رکھے۔

حلب کی حکومت کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر عزالدین مسعود نے دل میں سوچا: 'چند گھڑیوں کے مہمان ملک الصالح کو خوش کرنے کے لیے اگر قسم کھا لی جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ اس کے مرنے کے بعد حسبِ حالات قسم توڑ بھی دی جائے تو کیا مضائقہ ہے۔'' اس خیال کے آتے ہی عزالدین مسعود کا اضطراب اطمینان میں تبدیل ہو گیا اور پھر اس نے ملک الصالح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر انتہائی پر جوش لہجے میں قسم کھائی:

''میں اپنے رب کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے قسم کھاتا ہوں کہ خاندان زنگی کی عزت و سر بلندی کے لیے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک احسان فراموش صلاح الدین ایوبی سے سلطانِ عادل کے ایک ایک مقبوضہ علاقے کو خالی نہیں کروا لیتا۔''

والئی موصل کے حلف کو سن کر اذیت و کرب میں مبتلا ملک الصالح کے خشک ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی کو اپنے قدموں میں جھکانے کی خواہش ملک الصالح کی ایک کمزوری تھی جس کی تسکین کے لیے عزالدین مسعود نے شاطرانہ انداز میں کہا:

''رب تعالیٰ اس ایفائے عہد کے ساتھ مجھے یہ توفیق بھی بخشے کہ میں اس غلام زادے کا سر کاٹ کر سلطان اعظم ملک الصالح کی قبر پر بطور نذر پیش کر سکوں۔''

عزالدین مسعود کا یہ جذباتی بیان سن کر ملک الصالح کی مردہ مسکراہٹ میں ایک لمحے کے لیے جان پڑ گئی۔

''میری دلی خواہش بھی یہی تھی کہ اپنے زندگی میں اس غلام زادے کا سر کاٹ کر اپنے قدموں میں پڑا دیکھوں لیکن اس محسن کش پر اللہ کی لعنت ہو کہ اس نے مجھے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اگر تم ایسا کر لیتے ہو تو میری بے قرار روح کو قرار مل جائے گا۔''

''ایسا ہی ہوگا سلطان اعظم! بالکل ایسے ہی جیسے آپ کی چاہت ہے۔'' عزالدین مسعود ملک الصالح کو اپنی طرف سے پوری طرح مطمئن کرنے کے لیے اس کی انتہائی خوشامد پر اتر آیا تھا۔ وہ اسے نہ صرف سلطان بلکہ سلطان اعظم کہہ رہا تھا۔ حالانکہ اس وقت وہ سلطان ایوبی کی بخشی ہوئی حلب اور اعزاز کی ریاست کے ایک اطاعت گزار والی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس خوشامد سے اس کا مقصد ملک الصالح کو اس حد تک مطمئن کرنا تھا کہ وہ اپنی وصیت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکے۔

''اب تم حلف اٹھاؤ کہ میرے بعد تم سب عزالدین مسعود کے وفادار رہو گے'' ملک الصالح نے اپنے قریب کھڑے امراء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت ملک الصالح کے پانچ مقرب امراء امیر جندل، امیر عقرب، امیر بہرام، امیر طرطوس اور امیر سنجاب اس کے بستر کے پاس دست بستہ کھڑے تھے۔ پانچوں امراء نے بیک زبان عزالدین مسعود کی وفاداری کا حلف اٹھایا۔ عزالدین مسعود کو اب یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ موصل کے ساتھ ساتھ حلب کا بھی حکمران بن چکا ہے۔ اس کامیابی پر اس کا دل بلّیوں اچھل رہا تھا لیکن اس نے خوشی کے ان جذبات کو چھپا کر خود کو رنجیدہ رنجیدہ سا ظاہر کیا۔ وہ اپنی خیالی جنت سے اس وقت واپس آیا جب ملک الصالح اپنے ان امراء سے کہہ رہا تھا:

''تم عزالدین مسعود کی وفاداری کے اس وقت تک پابند ہو جب تک وہ اپنے حلف کا پابند ہے۔ اگر وہ اس عہد کی پابندی نہ کرے تو تم بھی اس سے کیا ہوا یہ عہد توڑ سکتے ہو۔ تخت حلب

کا حقیقی وارث وہی ہے جو میری خواہش کا احترام کرے۔ میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ تم پانچوں میرے بیٹوں کی مانند ہو اور تمھارا پہلا فرض یہ ہے کہ فرمانبردار اولاد کی طرح اپنے باپ کے ہر حکم کی تعمیل کرو۔'' یہ کہہ کر ملک الصالح نے گویا عزالدین مسعود کے سر پر ان امراء کی نگرانی کی تلوار لٹکا دی تھی۔



۲۵ رجب ۵۷۷ھ کی شام تھی جب شمس النساء شاہی محافظوں کے ساتھ حلب پہنچی۔ ابھی وہ محل میں داخل نہیں ہوئی تھی کہ اس نے محل سے ایک جنازہ نکلتے دیکھا۔ جسے دیکھ کر اس کا دل بیٹھنے لگا، لیکن دل کو تسلی دینے کے لیے اس نے تنکے کا سہارا لیا: ''شاید یہ کوئی اور فوت ہوا ہو۔'' لیکن جب جنازہ اس کے اور قریب ہوا، جنازے کے جلوس کی طوالت اور شاہی آداب کے ساتھ اس کو آگے بڑھتے دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ اس کے خاندان میں اس کا واحد سہارا اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ وہ اس بھری دنیا میں اب اکیلی رہ گئی ہے۔ تمام تر سرکاری مراعات اور تعیّشات بھری زندگی میں اب اس کا اپنا کوئی بھی ہمدرد و غم گسار نہیں ہے۔ اس کا دل ڈولنے لگا اور پھر اس کو خود کی خبر نہ رہی۔

اس کو جب ہوش آیا تو اس نے خود کو اپنے کمرے میں پایا۔ اس کے ذہن کے پردے پر شام کے واقعہ کی تصویر ابھرنے لگی۔ وہ جنازے تک پہنچ کر بھی بھائی کے آخری دیدار سے محروم رہی۔ گویا پیاسا دریا کے کنارے پہنچ کر بھی پانی تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ کیا انسان اتنا ہی بے بس ہے۔ اپنی تمام تر حیثیت کے باوجود وہ خود کو بے حیثیت اور بے دست و پا محسوس کر رہی تھی۔ ایسے میں اس کی ماں کی باتیں اس کے ذہن پر ضربیں لگا رہی تھیں۔ ملک الصالح کی بادشاہت بدنصیبی کا سرچشمہ تھی، امت مسلمہ کے ساتھ ساتھ خاندانِ زنگی کے لیے بھی۔



''سلطان مرحوم کا سوگ مکمل ہو گیا ہے۔ اب آپ اپنے حلف کی پابندی کرتے ہوئے

صلاح الدین ایوبی کے خلاف جارحانہ اقدام کریں اور ہمیں اپنے جنگی منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔'' ملک الصالح کے سوگ کی رسموں کی تکمیل کے بعد اس کے مقرب امراء نے خصوصی اجلاس میں نئے والئی حلب سے پُر زور انداز میں مطالبہ کرتے ہوئے کہا۔ ملک الصالح کے پانچوں امراء کا مطالبہ سُن کر کچھ دیر کے لیے عزالدین مسعود گھبرا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ امراء اس قدر جلد اسے اس کا حلف یاد لائیں گے اور صلاح الدین ایوبی سے جنگ کرنے کے لیے اس قدر بے قرار و مضطرب نظر آئیں گے۔

عزالدین مسعود کے دل میں صلاح الدین ایوبی کا اتنا خوف بیٹھ گیا تھا کہ اس کے خلاف جنگ کا تصور ہی اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ اس نے محض حصول اقتدار کے لیے یہ قسم کھائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ملک الصالح کے جنازے کے ساتھ ہی یہ حلف نامہ بھی وقت کے غبار میں دفن ہو جائے گا اور کسی میں اتنی جرأت نہ ہوگی کہ کوئی اس سے محاسبہ کر سکے۔

''میں سلطانِ عادل کا حقیقی بھتیجا ہوں اور صلاح الدین ایوبی سے انتقام لینا میری ذمہ داری ہے۔ لیکن میں سوچ اور عقل سے عاری حکمرانوں کی طرح اپنے سپاہیوں کو جنگ کے اندھے کنویں میں نہیں پھینکوں گا۔'' عزالدین مسعود کے ہوشیار ذہن نے انھیں مطمئن کرنے کے لیے جواز تراشا۔ عزالدین مسعود نے ابھی یہ جملہ ادا کیا ہی تھا کہ امیر عقرب بول اٹھا:

''جناب والا! ہماری فوجی طاقت صلاح الدین ایوبی سے کہیں زیادہ ہے۔ شام کے کئی شہروں کے امراء اس شرط پر ہمارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہیں کہ فوری طور پر ایوبی کے خلاف جنگ چھیڑ دی جائے۔ اس وقت ایوبی شام میں موجود نہیں ہے۔ پہلے اس کے بھائی ملک العادل کو شام سے نکالا جائے اور پھر آگے بڑھ کر دمشق پر قبضہ کر لیا جائے۔''

''کیا تم جنگی منصوبہ بندی کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو؟'' عزالدین نے ملک الصالح کے امراء پر رعب جمانے کے انداز میں سخت لہجہ اختیار کیا۔

''کم اور زیادہ جاننے کی بات نہیں'' امیر عقرب نے بلند آہنگ میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حلب کے تخت پر وہی شخص بیٹھے گا جو ہر حالت میں صلاح الدین ایوبی کے ساتھ آمادۂ جنگ ہوگا۔'' امیر عقرب نے کھلے الفاظ میں اسے یہ بات باور کروادی تھی کہ عزالدین مسعود کے اقتدار کے ساتھ اس کے ساتھی امراء کی وفاداری مشروط ہے۔ امیر عقرب کے اصرار پر عزالدین مسعود کے دل میں نفرت و غضب کا ایک لاوہ ابال کھانے لگا لیکن سیاسی مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے ذہن کو مشتعل اور زبان کو بے قابو نہ ہونے دے۔

''بے شک میں سلطان مرحوم سے کیے گئے حلف کا پابند ہوں اور اگر میں اس حلف کی لاج نہ رکھ سکا تو تم میں سے کسی شخص کو مجھے حلف یاد دلانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی، میں خود ہی حلب کا اقتدار چھوڑ کر واپس موصل چلا جاؤں گا'' عزالدین مسعود نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس وقت میرے دونوں ہاتھ بُری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ جس دن یہ ہاتھ کھلیں گے، ساری دنیا دیکھے گی کہ میں اس غلام زادے کے خلاف تلوار اٹھانے کا عہد کس طرح نبھاتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے عزالدین مسعود کا چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ ہوگیا۔

''وہ کون ہے جس نے آپ کے ہاتھ باندھ رکھے ہیں؟'' پانچوں امراء نے بری طرح چونکتے ہوئے بیک زبان پوچھا۔

''میرے اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان دو سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا تھا جس پر سلطان مرحوم کی گواہی بھی ثبت ہے، اور خود سلطان مرحوم نے بھی صلاح الدین ایوبی سے صلح کی ہوئی تھی۔'' عزالدین مسعود نے ایک مضبوط دلیل کا سہارا لیا۔ اگرچہ عزالدین مسعود ایفائے عہد کا کبھی پابند نہیں رہا تھا لیکن اس وقت وہ اپنے خوف کے باعث صلاح الدین ایوبی سے جنگ کرنے سے گریزاں تھا۔ البتہ ملک الصالح کے امراء کو مطمئن کرنے کے لیے وہ امن معاہدے کی آڑ لے رہا تھا۔

''کون سا معاہدہ؟'' عزالدین مسعود کی دلیل سن کر امیر عقرب بھڑک اٹھا۔'' آپ اس شخص سے معاہدے کی بات کر رہے ہیں جس نے احسان فراموشی کی آخری حد کو چھو لیا۔ ہمارے نزدیک ایسے نمک حرام انسان سے کیے جانے والے معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں، بلاتاخیر اس دستاویز کی دھجیاں اڑا دیں۔'' امیر عقرب نے در پردہ الفاظ میں عزالدین مسعود کو تنبیہ کر دی تھی کہ صلاح الدین ایوبی سے جنگ یا پھر حلب کے اقتدار سے محرومی۔

عزالدین مسعود نے انھیں رام کرنے کے لیے الفاظ اور دلائل کے بہت سے داؤ پیچ کھیلے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی باتوں میں نہ آیا۔ آخر کار اس نے معاہدہ شکنی پر اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اس نے امیر عقرب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''یہ جنگ ایک جامع منصوبہ بندی کے ساتھ تمھاری نگرانی میں لڑی جائے گی۔ تم فوری طور پر شام کے ان حکمرانوں کو بھی طلب کر لو جو اس جنگ میں شرکت کے لیے آمادہ ہیں مگر......''

''مگر کیا؟'' امیر عقرب نے کسی قدر تعجب سے پوچھا۔

''میں کسی حکمران کے محض زبانی وعدہ پر اعتبار نہیں کروں گا'' عزالدین مسعود نے بارعب لہجے میں کہا۔

''اعتبار سے کیا مراد ہے؟ اپنی بات کی وضاحت کریں'' اب کی بار امیر عقرب کی طرح امیر جندل نے تحکم آمیز لہجے میں پوچھا۔

''میں نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ پچھلی دو جنگوں میں اس لیے شکست کھائی تھی کہ عین موقع پر یروشلم اور حلب کی فوجوں نے میدان سے راہِ فرار اختیار کر لی تھی اور پھر تنہا مجھے تمام ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لیے دانشمندی کا تقاضا ہے کہ پہلے اپنے سپاہیوں اور اسلحے کے ذخائر کو صحیح صحیح شمار کیا جائے اور پھر اپنی صفیں درست کرتے ہوئے جنگی منصوبے کو اتنا خفیہ رکھا جائے کہ بے خبری میں آفت ناگہانی بن کر دشمن پر یلغار کی جائے۔''

''ہم بھی نسل در نسل سپہ گری کرتے آرہے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ کب اور کیسے جنگ کی جاتی ہے، اس بار آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ میدان جنگ کا نقشہ کیا بنتا ہے۔''

امیر عقرب کے لہجے سے غرور جھلک رہا تھا۔ اس نے مبہم الفاظ میں عزالدین کو ناکارہ سالار ثابت کیا تھا۔ امیر عقرب کی بات سن کر عزالدین مسعود کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ گویا ہوا:

''آپ سب نہایت تجربہ کار سالار ہیں۔ اسی لیے مجھے یقین ہے کہ اس بار بازی ہمارے ہاتھ رہے گی لیکن پھر بھی احتیاط کی شدید ضرورت ہے۔'' یہ کہہ کر وہ خفیہ اجلاس سے چلا گیا۔

عزالدین مسعود کے جاتے ہی امراء نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''اب آیا نا سیدھے راستے پر!'' یہ کہتے ہوئے امیر بہرام نے زوردار قہقہہ لگایا۔

''چلا ہے ہمیں سیاسی چالیں سمجھانے!'' امیر جندل کا لہجہ انتہائی نفرت آمیز تھا۔

''شطرنج کی بساط ہم نے بچھائی ہے، اس لیے چالیں بھی ہم چلیں گے'' امیر عقرب نے طنزیہ لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''صلاح الدین ایوبی سے جنگ تو ہم بھی نہیں کر سکتے'' یہ کہتے ہوئے امیر عقرب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور گہری ہوگئی تھی۔ کچھ دیر کمرے کی فضا پر گہرا سکوت طاری رہا۔ چاروں امراء سکتے کے عالم میں امیر عقرب کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''اگر ہم بھی صلاح الدین ایوبی سے جنگ نہیں کر سکتے تو پھر اس ساری تگ و دو کا مقصد؟'' امیر طرطوس نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

امیر طرطوس کا سوال سن کر امیر عقرب نے چاروں امراء کی طرف فاتحانہ انداز سے دیکھتے ہوئے کہا:

''ہم نے تمام عمر زنگی خاندان کی خدمت اس لیے نہیں کی ہے کہ صلاح الدین ایوبی یا کسی اور دشمن سے جنگ کریں اور پھر ہمارے جسم اپنے ہی خون میں نہا کر زمین کی خوراک بن جائیں'' یہ کہہ کر امیر عقرب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے چاروں ساتھیوں کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ جانتے تھے کہ ذہانت اور تدبر میں وہ ان سے کہیں آگے ہے، اور اسی کی وساطت سے وہ چاروں ملک الصالح کے مقربین میں شامل ہوئے تھے۔ امیر عقرب ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اور پھر سرگوشی کے انداز میں بولا:

''تمھیں نہیں معلوم کہ میں نے ملک الصالح کو کس کس طرح سمجھا کر اس وصیت پر آمادہ کیا تھا۔ اگر میں یہ تدبیر نہ کرتا تو آج تم سب عز الدین مسعود کے سامنے غلاموں کی طرح دست بستہ کھڑے ہوتے۔ یہ میں ہی تھا کہ جس نے تمھیں اس قابل کیا کہ تم والئ حلب کے سامنے اونچی آواز میں بات کر سکو'' امیر عقرب کے ایک ایک لفظ سے غرور و تمکنت نمایاں تھی۔

''اگر ہم صلاح الدین ایوبی سے جنگ لڑنے کے قابل نہیں ہیں تو پھر عز الدین مسعود پر جنگ چھیڑنے کے لیے اتنا دباؤ کیوں ہے؟'' امیر طرطوس نے مودبانہ لہجے میں استفسار کیا۔

''اس راز کو ہم پر فاش کریں کیونکہ ہمارے دماغ آپ کی فہم و فراست تک نہیں پہنچ سکتے۔''

''میں چند ہفتوں میں شام کے مختلف حکمرانوں کو عز الدین مسعود کے سامنے کھڑا کر دوں گا جو اسے ایوبی کے خلاف جنگ کرنے کے لیے پوری شدت کے ساتھ اکسائیں گے'' امیر عقرب نے اپنے ساتھی کی بات کا جواب دینا شروع کیا۔ ''جب والئ حلب کے لیے کوئی راہِ فرار باقی نہیں رہے گی تو وہ اپنے معاہدے کو توڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ جس کے نتیجے میں صلاح الدین ایوبی اور عز الدین مسعود کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی گہری اور وسیع ہو جائے گی کہ اس کو پاٹنا کسی کے بس میں نہیں رہے گا۔ ممکن ہے اس عہد شکنی کے باعث صلاح الدین ایوبی موصل یا الجزیرہ پر حملہ کر دے اور اس طرح موصل کے اقتدار کا خاتمہ ہی ہو جائے۔''

''موصل اورالجزیرہ پرایوبی کاقبضہ ہوجانے کے بعد حلب کی کیا سیاسی حیثیت رہ جائے گی۔ اس طرح تو ہم اور بھی کمزور ہو جائیں گے اور ایوبی کسی دن ہمیں بھی نگل جائے گا۔'' امیر جندل نے اپنی تشویش اور فکرمندی کا اظہار کیا۔

''میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہم جنگ کا ایندھن بننے کے لیے نہیں، عیش و راحت کے ساتھ حکومت کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں'' امیر عقرب شگفتہ انداز میں جواب دینے لگا۔ ''جب موصل اور الجزیرہ پر صلاح الدین ایوبی کا قبضہ ہو جائے گا تو ہم ایوبی کی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے امن کا نیا معاہدہ کرلیں گے۔ بہر حال ہمیں اقتدار میں رہنا ہے، چاہے ہمیں عیسائیوں کی بالادستی قبول کرنا پڑے۔''

''ایسی پیچیدہ اور گہری چال آپ ہی کا دماغ سوچ سکتا ہے۔'' امیر طرطوس نے مسکراتے ہوئے اپنے سرغنہ کے سیاسی منصوبے کی داد دی۔ ''لیکن فرض کیا اگر عزالدین مسعود ایوبی کے ساتھ عہد شکنی نہیں کرتا تو؟''

''حلف کے مطابق عزالدین مسعود کو حلب کے اقتدار سے محروم ہونا پڑے گا۔'' امیر عقرب نے اس طرح سرسری انداز میں جواب دیا جیسے یہ کوئی معمولی سوال ہو۔

''اور اگر عزالدین مسعود اقتدار نہ چھوڑے تو؟'' امیر بہرام نے ایک اور پہلو سے سوال داغا۔

''تو پھر اسے دنیا چھوڑنا پڑے گی'' امیر عقرب نے انتہائی سفاکانہ لہجے میں کہا۔



عزالدین مسعود نے پانچوں امراء سے مشاورت کے لیے ایک رات خصوصی دعوت کا اہتمام کیا اور اس نے اسے عام امراء سے بھی خفیہ رکھا ہوا تھا۔ انواع و اقسام کے پکوان رکھے گئے۔ عزالدین مسعود اور امراء کے درمیان بڑے جوش و خروش کے ساتھ جنگی منصوبہ ترتیب پایا۔

''عالی جاہ! دسترخوان پر کھانا چن دیا گیا ہے'' حاجب نے دسترخوان پر آنے کی دعوت دی۔

عزالدین مسعود دستر خوان پر اپنی مخصوص نشست پر براجمان ہو گیا اور باقی امراء بھی بیٹھ گئے۔ کھانا شروع ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک امیر نے گلے میں تکلیف کی شکایت کی، اب دوسرے کو بھی شک گزرا، تیسرے نے بھی تڑپنا شروع کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کسی طرف نکلتے، عزالدین مسعود کے محافظوں نے ان سب کو گرا لیا۔ زہر اتنا تیز تھا کہ وہ سب تھوڑی ہی دیر میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔

رات کی تاریکی میں ہی محل کے ایک گوشے میں کھودے گئے ایک گڑھے میں خاموشی سے انھیں ڈال دیا گیا۔ نہ انھیں غسل دیا گیا اور نہ کسی کی نماز جنازہ ہی پڑھی گئی۔ نہ کسی گھر سے شور ماتم اٹھا۔ رات کے اندھیرے نے سب کچھ چھپا لیا۔ اور حلب کے باشندوں کو یہ پتا ہی نہ چلا کہ ملک الصالح کے یہ سرکش امراء اچانک کہاں رُوپوش ہو گئے۔



شوہر کی قید میں

''تم اگر چاہو تو آئندہ خانہ جنگی رک سکتی ہے۔ تم حلب اور دمشق کے درمیان رشتوں کو مضبوط کر سکتے ہو'' صلاح الدین ایوبی کا بھائی العادل عزالدین سے مخاطب تھا۔ ''ملک الصالح ایک نادان نوجوان کی حیثیت سے اگر مفاد پرست امراء کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا تو وہ باب اس کی وفات کے بعد بند ہو جانا چاہیے۔ تم تو جہاندیدہ بھی ہو اور عمر رسیدہ بھی'' ملک العادل کی یہ بات سن کر عزالدین مسعود گہری سوچ میں کھو گیا۔

شام کے حالات پر نظر رکھنے کے لیے صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھائی ملک العادل کو فوج کے ساتھ یہاں چھوڑا اور خود مصر چلا گیا تھا۔ عزالدین مسعود سے ملک العادل کی شناسائی نورالدین زنگی کے دور سے تھی۔ کافی دیر بعد عزالدین نے اپنا سر اٹھایا اور کہا:

''بالکل درست کہا تم نے، میں حلب اور دمشق کو ایسے رشتے میں جکڑ سکتا ہوں جو کبھی نہ ٹوٹے گا لیکن اس کے لیے تمھیں میری ایک خواہش پوری کرنا ہو گی اور یہ کام صرف تم ہی کر سکتے ہو......'' عزالدین مسعود نے العادل کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ خواہش کیا ہے جو میں پوری کر سکتا ہوں؟'' العادل نے کسی قدر حیرت افزا لہجے میں کہا۔

''میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ عظیم عورت مان جائے تو......''

''خواہش تو اچھی ہے لیکن جو خاتون غدار امراء کے ہاتھوں میں کھیلنے والے اپنے بیٹے سے لاتعلق رہنے کو برداشت کر سکتی ہے، وہ تمھارے ساتھ شادی پر کیسے آمادہ ہو سکتی ہے؟'' العادل نے سوال کیا۔

''تم اسے یقین دلا سکتے ہو کہ میں ملت کے غدار امراء کو حلب کے دربار میں کمزور کر رہا ہوں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ملک الصالح کے پانچ سرکش امراء ایک عرصہ سے غائب ہیں۔ تمھارے جاسوسوں نے بھی اس تبدیلی کی خبر تمھیں دی ہوگی۔ ان سب امراء کا مجھ پر یہی دباؤ تھا کہ میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگ کا آغاز کروں۔''

''اگر تم اس معاملے میں اتنے سنجیدہ ہو تو میں آج ہی دمشق چلا جاتا ہوں'' العادل نے کہا۔



چند دن بعد ملک العادل دمشق پہنچ چکا تھا۔ اس نے ملکہ رضیع خاتون کو اس کے بیٹے کی وفات کی خبر سنائی۔

''اللہ اس کے گناہ معاف فرمائے۔'' ماں نے بیٹے کی خبر ایسے سنی جیسے اس کے لیے کوئی نئی خبر نہ ہو۔ کچھ دیر بعد العادل نے کہا:

''ملک الصالح نے عزالدین مسعود کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔'' یہ خبر سن کر بھی رضیع خاتون لاتعلق سی دکھائی دی۔ جیسے اسے معلوم ہو کہ یہی کچھ ہونا تھا۔ ''ملکہ عالیہ! عزالدین مسعود نے آپ کے ساتھ شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔'' العادل نے محتاط انداز میں کہا۔

''میرے ساتھ شادی؟'' رضیع خاتون نے چونکنے کے انداز میں کہا۔ ''میرا ان لوگوں سے کیا تعلق جو سلطانِ عادل کے مشن کے خلاف صلیبیوں کے حاشیہ بردار بن گئے۔''

''عزالدین مسعود اپنے بھائی سے کچھ مختلف صفات کا حامل ہے۔ اس نے ملک الصالح کے سرکش اور مفاد پرست امراء کو بھی بے زور کرنا شروع کیا ہے۔ ممکن ہے آپ کے ساتھ شادی

کے بعد اس میں مزید کوئی بہتری آ جائے؟''

''میری تمام ذاتی خواہشیں مر چکی ہیں۔ سلطان عادل کے بعد میری نظروں میں کسی اور کی وہ قدر و قیمت ہو ہی نہیں سکتی'' رضیع خاتون نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ملکہ عالیہ! یہ شادی آپ کی اور عزالدین کی نہیں، دمشق اور حلب کی شادی ہوگی۔ اس سے مسلمانوں کے درمیان آئندہ خانہ جنگی رک جانے اور صلیبیوں کے خلاف محاذ کے مضبوط بن جانے کا امکان موجود ہے'' ملک العادل نے محتاط انداز میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آپ کی ذاتی خواہش مر چکی ہے لیکن صلیبیوں کے خلاف امت مسلمہ کے غلبے اور اتحاد کی خواہش تو نہیں مری ہے۔ اگر آپ کی اس شادی سے ہزاروں مسلمان سہاگنوں کا سہاگ اجڑنے سے بچ جائے، ہزاروں مسلمان خانہ جنگی کا ایندھن بننے سے محفوظ ہو جائیں اور صلیبیوں کے ہاتھوں ہماری بچیوں کی عصمتیں لٹنے سے بچ جائیں، کیا آپ اس کے لیے اتنی قربانی نہیں دے سکتیں؟''

''میری کسی قربانی سے عظمت اسلام بحال ہو سکتی ہے تو مجھے قربانی دینے سے کبھی انکار نہ ہوگا'' رضیع خاتون نے انتہائی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

۵ شوال ۵۷۷ھ (۱۱ فروری ۱۱۸۲ء) کو عزالدین مسعود اور رضیع خاتون کی شادی انتہائی سادہ تقریب میں منعقد ہوئی اور وہ دمشق سے رخصت ہو کر حلب کے محل میں آ گئیں۔

رضیع خاتون کو اس شادی کی خوشی صرف یہ تھی کہ وہ عزالدین کو اپنے زیر اثر رکھے گی۔ اس طرح حلب کی افواج صلاح الدین ایوبی کی اتحادی بن جائیں گی۔ مسلمانوں کی باہمی جنگوں میں اتنی زیادہ نفری اور جنگی قوت ضائع ہوئی تھی کہ اس کے ذریعے سے آسانی کے ساتھ فلسطین کو صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کروایا جا سکتا تھا۔ رضیع خاتون کو توقع تھی کہ وہ اپنی مشاورت کے ذریعے عزالدین مسعود کی حکومتی پالیسیوں پر اثر انداز ہو سکے گی۔ لیکن شادی کے

بعد جب اس نے اپنے نئے شوہر کے ساتھ ان موضوعات پر گفتگو کی تو اس نے محسوس کیا کہ عزالدین اس کی ان باتوں میں کوئی دل چسپی نہیں لے رہا ہے۔ اس کے انداز سے بے زاری اور اکتاہٹ نمایاں تھی۔

''شاید اس کا ذہن ابھی حلب کی امارت کے جھمیلوں میں الجھا ہوا ہے، اس لیے مجھے توجہ نہیں دے پا رہا۔'' رضیع خاتون نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دی۔ نورالدین زنگی کی زندگی میں اس نے دمشق کی لڑکیوں کی جنگی تربیت کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ محل کے دیگر مقامات کی نگرانی بھی وہ خود کرتی تھی اور نورالدین زنگی کو اس نے گھر اور محل کے اندرونی معاملات سے بے فکر کیا ہوا تھا تا کہ وہ صلیبی دشمنوں کے خلاف جہاد کر سکے۔



''آپ اپنے کمرے میں چلی جائیں'' کرخت چہرے والی ادھیڑ عمر عورت نے رضیع خاتون کو کہا۔ وہ صبح سویرے ٹہلتے ٹہلتے محل کے پچھلے حصے میں کچھ دور نکل آئی تھی۔ اسے کچھ دور ایک باغیچے میں چند لڑکیاں کھیلتی نظر آئی تھیں۔ وہ ابھی ان سے دور تھی کہ وہ عورت اس کی طرف دوڑتی ہوئی آئی۔

''کیوں؟'' رضیع خاتون نے تحیر آمیز لہجے میں ناگواری کے ساتھ پوچھا۔

''والئ حلب کا یہ حکم ہے'' عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''آیئے میں آپ کو وہ جگہ بتاؤں جہاں آپ گھوم پھر سکتی ہیں۔ انھوں نے سختی سے حکم دیا ہے کہ آپ کو ادھر نہ آنے دیا جائے۔''

''اگر میں یہ حکم نہ مانوں تو؟''

''مجھے گستاخی پر مجبور نہ کریں'' عورت نے التجا کے لہجے میں کہا۔ ''آقا کا حکم ماننا اور منوانا میری مجبوری ہے۔''

اس دوران ایک اور ادھیڑ عمر عورت رضیع خاتون کے پاس آ کر رک گئی اور کہنے لگی:

''میں آپ کی خادمہ ہوں اور مجھے ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے کا حکم ملا ہے۔''

''میری خدمت کے لیے یا نگرانی کے لیے؟'' رضیع خاتون ان عورتوں کی باتوں سے سٹپٹا گئی تھی۔

''ہم تو ملازم ہیں۔ بڑے لوگوں کی باتیں بڑے لوگ ہی جانتے ہیں۔'' یہ کہہ کر خادمہ نے رضیع خاتون کو ساتھ لیا اور جب دوسری خاتون سے فاصلہ ہو گیا تو آہستگی سے کہنے لگی:

''میں جانتی ہوں کہ آپ اپنی آنکھوں میں کیا کیا خواب سجا کر یہاں آئی ہیں لیکن یہاں آپ کا ہر خواب خواب ہی رہے گا۔ اس محل پر صلیبیوں کے گھناؤنے سائے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ کا بیٹا ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا اور اب نیا والئی حلب جو آپ کا خاوند ہے، صلیبیوں کا حاشیہ بردار بنے گا۔ یہاں کے بہت سے وزیر اور مشیر عیسائیوں کے زرخرید ہیں۔'' خادمہ کی بات سن کر رضیع خاتون حیرت کے ساتھ اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس دوران وہ اپنے کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔

رضیع خاتون کو اس کی باتوں میں دلچسپی سی ہو گئی۔ وہ محل کے بارے میں اس سے کچھ جاننا چاہتی تھی۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد خادمہ نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر سرگوشی کے انداز میں بولی:

''والئی حلب نے آپ کے ساتھ شادی محض اس لیے کی ہے کہ وہ آپ کو اپنا قیدی بنا سکے۔''

''کیا مطلب؟'' رضیع خاتون کا تحیّر بڑھتا جا رہا تھا۔

''والئی حلب سلطان ایوبی سے آپ کا تعلق ہمیشہ کے لیے توڑنا چاہتا تھا۔ دمشق کے لوگ سلطان ایوبی کے حمایتی اس لیے ہیں کہ ان کے سلطان عادل کی بیوہ سلطان ایوبی کی حمایتی ہے۔ آپ کی حیثیت کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے والئی حلب نے آپ کے ساتھ شادی کی ہے۔ یہ ٹولہ دمشق کے لوگوں کو یہ باور کرائے گا کہ سلطان زنگی کا اصل جانشین عزالدین مسعود ہے۔ جو سلطان عادل کے خاندان کا فرد بھی ہے اور اس کی بیوہ کا شوہر بھی۔

دمشق کے عوام کو سلطان ایوبی کے خلاف اکسایا جائے گا۔ جس کے نتیجے میں مسلمان ایک بار پھر خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔"

رضیع خاتون کے لیے سب باتیں چشم کشا تھیں۔ جو ایک معمولی خادمہ کی زبان سے ادا ہو رہی تھیں۔ اسے خادمہ کی باتوں نے پریشان کر دیا۔

"میں یہ کس طرح یقین کر لوں کہ تم یہ ساری باتیں میری ہمدردی میں کر رہی ہو اور میرے ہی خلاف جاسوسی نہیں کر رہی ہو؟" رضیع خاتون نے خادمہ کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر خادمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمایاں ہوئی اور پھر رضیع خاتون کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی:

"اگر میں کوئی شہزادی ہوتی یا کسی شہزادے کی بیگم، تو آپ مجھ سے ایسا سوال کبھی نہ کرتیں" خادمہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ میرے ہر جھوٹ کو سچ مان جاتیں لیکن اس وقت میری جو حیثیت ہے اس میں میرا سچ بھی آپ کو جھوٹ لگے گا۔ آنے والے حالات آپ کو بتائیں گے کہ آپ کو کس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ ایک غریب خادمہ پر یا حلب کے والی پر جو آپ کا خاوند ہے۔ ابھی میں آپ کو ساری باتیں نہیں بتاؤں گی۔ آپ آج ہی عزالدین سے شکایت کریں کہ آپ کو اس نے اس کمرے میں قیدی کیوں بنا رکھا ہے؟"

"وہ تو میں کروں گی" رضیع خاتون نے کہا۔

"تو آپ پر اس کی نیت واضح ہو جائے گی اور بعد کے حالات اس بات کی تصدیق کر دیں گے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ آپ کے مزید اطمینان کے لیے بتا دوں کہ محل میں ملازموں کے روپ میں صلاح الدین ایوبی کے بہت سے جاسوس موجود ہیں اور میں بھی اس گروہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہمیں چونکہ آپ کے بارے میں پورا اطمینان ہے، اس لیے میں نے آپ کو اپنی اصلیت سے آگاہ کر دیا ہے۔"

''کیا صلاح الدین ایوبی کو ان باتوں کا علم ہے؟'' رضیع خاتون نے کہا۔

''ہاں، اس کا انتظام کیا جا چکا ہے، اور میں نے آپ کو یہ ساری باتیں اپنے کماندار کے حکم پر ہی بتائی ہیں۔''

''میری بیٹی شمس النساء کہاں ہے؟ وہ مجھے ملنے کے لیے ابھی تک نہیں آئی۔''

''وہ یہیں ہے۔ آپ آقا سے پوچھ لیں کہ آپ اس سے مل سکتی ہیں یا نہیں۔ اگر اس پر پابندی بھی ہوئی تو میں چوری چھپے اس سے ملاقات کروا دوں گی۔''

''تم نے اپنے گروہ کے جس کماندار کا ذکر کیا ہے، اس کے ساتھ میری ملاقات ممکن ہے؟''

''کچھ دن گزر جانے دیں'' خادمہ نے جواب دیا ''تا کہ پتہ چل جائے کہ آپ پر کیا کیا پابندی عائد ہیں؟ حالات کے گزرنے کے ساتھ ہر مشکل کا حل نکل آئے گا۔ دراصل آپ کی شادی اتنی جلدی میں ہوئی کہ ہم سب کو بعد میں خبر ہوئی ورنہ آپ کو پہلے خبردار کر دیا جاتا کہ شادی کی پیش کش کو قبول نہ کریں۔'' خادمہ نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی:

''اب آپ مجھ پر اعتبار کرنے کا خطرہ مول لے لیں، اور دعا کریں کہ اللہ ہم سب کی مدد فرمائے۔''

یہ کہہ کر خادمہ کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون الجھی الجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔ شاہانہ سامانِ تعیش سے سجا ہوا کمرہ اسے جہنم زار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے آرام و آسائش کا پوری طرح خیال رکھا جا رہا تھا۔ خادمائیں اس کی خدمت کے لیے چاک و چوبند کھڑی رہتی تھیں۔ لیکن یہ شاہانہ انداز اس کو ذہنی اذیت دے رہا تھا۔ اس نے سلطان زنگی کی زندگی میں بھی کبھی خود کو ملکہ نہ سمجھا تھا۔ اس کی آرزو صرف یہی تھی کہ وہ امت کی تمام بیٹیوں کو عسکری اور ایمانی تربیت دے کر مجاہدین اسلام کی پشت پر مددگار بنا کر کھڑا کر دے۔ وہ محل کی اس پرسکون زندگی پر کیسے

مطمئن رہ سکتی تھی۔



''میں کئی دن کی سرکاری مصروفیات کے باعث آپ کو وقت نہیں دے سکا، اس کا مجھے افسوس ہے۔'' عزالدین مسعود کئی دن بعد رضیع خاتون کے پاس آیا تو اس نے اپنی معذرت پیش کی۔

''میں نے آپ سے غیر حاضری کی شکایت تو نہیں کی'' رضیع خاتون نے کہا۔ ''میرے دل میں دلہن بن کر رہنے کا کوئی ارمان نہیں ہے نہ یہ خواہش ہے کہ آپ ہر وقت میرے پاس رہیں۔ میری ازدواجی زندگی کا نصف حصہ تنہائی میں ہی گزرا ہے۔ نورالدین زنگی اکثر محاذ جنگ پر رہتے اور جب محاذ پر نہ ہوتے تو سرکاری امور میں مصروف رہتے۔ میں نے خود کو بھی ان کے مشن کی تکمیل میں مصروف کر دیا تھا۔ محل کے بعض امور کی نگرانی اور شہدا کے گھروں کی دیکھ بھال میرے سپرد تھی۔ ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے نوجوان لڑکیوں کو گھڑ سواری، تیز اندازی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی تربیت کا اہتمام کرتی تھی۔ وہاں میں ایک کمرے میں بند نہیں تھی جس طرح یہاں مجھے بند کر دیا گیا۔ یہ قید مجھے پسند نہیں۔''

''میں یہ نہیں کہتا کہ نورالدین زنگی مرحوم نے سلطنت کے کام اپنی بیوی کے سپرد کر کے اچھا نہیں کیا لیکن میں یہ بھی نہیں سننا چاہتا کہ لوگ یہ کہیں کہ حلب کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں ایک عورت کا ہاتھ ہے'' عزالدین مسعود نے کہا۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد وہ بولا: ''تم میری بیوی ہو اور میں تم پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جس کا تعلق ازدواجی زندگی سے نہیں'' عزالدین نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

رضیع خاتون کو چونکہ عزالدین کی نیت کا پتہ خادمہ کے ذریعے چل چکا تھا اس لیے اس کی محبت آمیز باتوں سے وہ کسی خود فریبی میں مبتلا نہ ہوئی۔ وہ کوئی کم عمر دوشیزہ نہیں، پختہ کار اور جہاندیدہ عورت تھی۔

''لیکن اس کمرے میں جس طرح مجھے محبوس کر دیا گیا ہے، یہ مجھے قطعاً پسند نہیں ہے۔ میں حرم کی کوئی زر خرید باندی نہیں ہوں۔'' رضیع خاتون عزالدین مسعود کی نیت کو بے نقاب کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔

''رضیع خاتون!'' عزالدین نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہا: ''زنگی مرحوم کے ساتھ گزاری ہوئی ازدواجی زندگی تمھیں ذہن سے نکالنی ہوگی۔ انھوں نے تمھیں جو آزادی دے رکھی تھی، وہ مجھے پسند نہیں اور شاید کوئی بھی خاوند اس کو پسند نہ کرے۔ تمھیں خود کو حالات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ البتہ اگر تم باہر گھومنا پھرنا چاہتی ہو تو چار گھوڑوں والی بگھی موجود ہے، جب چاہو باہر جا سکتی ہو۔''

''جسے محل کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں، اسے باہر جانے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟'' رضیع خاتون نے کچھ توقف کیا اور پھر سوال کیا۔ ''کیا یہ حکم آپ ہی نے دیا ہے کہ میں محل کے اندر کہیں نہیں جا سکتی۔''

''ہاں! اور میں نے یہ حکم تمھاری سلامتی کے لیے ہی دیا ہے۔ تم جانتی ہو کہ حلب اور دمشق کی افواج کے درمیان کیسی خونریز جنگیں ہو چکی ہیں۔ ایوبی نے تمھارے بیٹے کو شکست دے کر اسے اطاعت اختیار کرنے پر مجبور تو کر دیا لیکن یہاں کے لوگوں کے دلوں سے وہ نفرت نہیں نکلی ہے۔ محل کے اندر ایسے افراد بھی موجود ہیں جن کے گھر صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں تباہ ہوئے ہیں، جن کے جوان بیٹے مارے گئے۔ وہ جانتے ہیں کہ تم صلاح الدین ایوبی کی حامی ہو، ان میں سے کوئی بھی تمھارے خلاف انتہائی اقدام کر سکتا ہے۔''

''میرے خلاف اقدام کرنے والے آپ کو بھی تو قتل کر سکتے ہیں کیونکہ اب آپ بھی صلاح الدین ایوبی کے دوست اور اتحادی بن گئے ہیں، خصوصاً میرے جیسی سلطان ایوبی کی حامی عورت سے شادی کے بعد آپ کی جان کو بھی اتنا ہی خطرہ ہے جتنا میری جان کو'' رضیع خاتون

کہنے لگی۔ ''تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ اتحاد اسلامی کے خلاف سرگرم ایسے تخریبی عناصر کو پکڑا جائے؟''

''اس کے لیے میں انتظامات کر رہا ہوں۔ میں تمھاری جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا'' عزالدین نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں جواب دیا۔ ایسے دکھائی دے رہا تھا کہ اس سے کوئی معقول جواب نہیں بن پا رہا۔

''کیا یہ خطرہ صرف محل کے اندر ہے؟'' رضیع نے پوچھا۔ ''آپ نے محل سے باہر بگھی پر مجھے گھومنے کی اجازت دی ہے۔ اگر میں محل میں محفوظ نہیں تو باہر کیسے محفوظ ہوں؟'' عزالدین مسعود کچھ جواب دینے ہی لگا تھا کہ رضیع خاتون نے اسے بولنے نہ دیا اور کہنے لگی: ''میں نے آپ کے ساتھ شادی صرف اس لیے کی ہے کہ سلطانِ عادل اپنا جو مشن ادھورا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے، آپ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ مل کر اسے پورا کریں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کی راہ ہموار کر رہے ہیں اور صلیبیوں کے ہم نوا بنے ہوئے ہیں، ان کا خاتمہ کیا جائے۔''

''تمھیں اس بارے میں یہ شک ہے کہ میں ایوبی کا اتحادی ہوں یا نہیں؟'' عزالدین مسعود نے سوال کیا۔

''کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ اس محل پر صلیبیوں کے اثرات کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، اور آپ کے تمام امراء خلافتِ بغداد کے وفادار ہیں؟'' رضیع خاتون نے اس کے سوال پر سوال کر دیا۔

''تم یہاں سفیر بن کر آئی ہو یا میری بیوی؟'' عزالدین مسعود نے طنزیہ انداز سے پوچھا۔

''میں جس ارادے سے آئی ہوں وہ میں پہلے بتا چکی ہوں۔ میں آپ کے حرم کی زرخرید باندی کی حیثیت سے بند رہنے کے لیے نہیں آئی۔ میں محل میں گھوم پھر کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ حلب کا مرکز صلیب کے سائے سے محفوظ ہے یا نہیں، اس ارادے سے میں باز نہیں رہ سکتی۔''

"تم میری بیوی ہو اور یہی تمھاری حیثیت ہے۔ میرے متعلق سرکاری امور میں مَیں تمھیں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اور اگر تم نے آزاد ہونے کی کوشش کی تو میں نے تمھیں بگھی پر باہر جانے کی جو اجازت دی ہے، وہ واپس لے لوں گا۔"

"اگر میں یہ شرط قبول نہ کروں تو؟"

"تو اس کمرے میں قیدی کی زندگی گزارو گی۔ تم مجھ سے طلاق نہیں لے سکتی اور نہ میں تمھیں طلاق دوں گا۔" یہ کہہ کر عزالدین مسعود کمرے سے نکل گیا۔

جونہی عزالدین کمرے سے نکلا پچھلے دروازے سے خادمہ اندر آ گئی اور کہنے لگی:

"آپ نے غلطی کی ہے۔"

"میں نے کیا غلطی کی ہے؟" رضیع خاتون نے حیرانی کے ساتھ خادمہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے آپ کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ اگر آپ ضد کریں گی تو یہ شخص آپ کو واقعتاً ایسی قید میں ڈال دے گا جو بظاہر تو آزادی ہوگی لیکن قید سے بدتر ہوگی۔ اب آپ کو آقا کے عزائم کا تو پتہ چل ہی گیا ہے، اب اس سلسلے میں ان سے کوئی بات نہ کریں۔ بے حس ہو جائیں اور ان کے سامنے خوش خوش دکھائی دیں۔ آپ کو بگھی پر باہر جانے کی جو اجازت ملی ہے اسے غنیمت جانیے۔ ہم آپ کو اپنے کماندار سے ملوائیں گے اور جو عزائم آپ لے کر آئی ہیں، انھیں ہم پورا کریں گے۔"



مسلمان تاجروں کا ایک قافلہ کرک کی عیسائی ریاست میں سے گزر رہا تھا جب یہاں کے صلیبی حکمران ریجنالڈ کے سپاہیوں نے ان پر حملہ کر کے تمام تاجروں کو قتل کر دیا اور ان کا سارا مال واسباب لوٹ لیا۔ جب اس خونریز واقعہ کی اطلاع مصر پہنچی تو صلاح الدین ایوبی چیخ اٹھا:
"یہ سفاکی و درندگی کا بدترین مظاہرہ ہے۔" پھر اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اپنے سفیر کو

خط دے کر کرک روانہ کیا۔

نورالدین زنگی کی قید میں رہنے والے صلیبی حکمران ریجنالڈ کو عرصہ ہوا ملک الصالح نے اپنے عاقبت نااندیش مشیروں کے مشورے پر رہا کر دیا تھا۔ اپنی اسلام دشمنی کے باعث ریجنالڈ ایشائے کوچک کی تمام عیسائی ریاستوں میں بے حد مقبول تھا۔ کرک کے اقتدار پر براجمان ہوتے ہی ریجنالڈ نے اب پھر مسلمانوں کے خلاف انتقامی مہم کا آغاز کر دیا تھا۔

مصری سفیر نے ریجنالڈ کو سلطان ایوبی کا مکتوب پیش کیا۔ ریجنالڈ نے اسے پڑھنا شروع کیا:

''ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں ان مقتول تاجروں کا عزیز ہوں جو تمھارے ہاں قتل کیے گئے ہیں۔ اس لیے تم سے ان مقتولین کا قصاص طلب کرتا ہوں۔ قصاص کی ایک ہی صورت ہے کہ تم مسلم تاجروں کا لوٹا ہوا مال مصر پہنچا دو اور اس کے ساتھ اس واردات کے مرتکب سپاہیوں کو بھی بھیج دو تاکہ میں انھیں قتل کر کے انصاف کے تقاضے پورے کروں۔ اگر مقتول تاجروں کے وارث قاتلوں کو خون معاف کر دیتے ہیں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ تمھارے سب سپاہیوں کو بحفاظت واپس بھیج دوں گا۔ اگر تم نے میرے مطالبے کو تسلیم نہ کیا تو آج قلم کی زبان میں گفتگو کرنے والا تلوار کی زبان سے بات کرے گا۔''

صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر ریجنالڈ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا جس سے سلطان ایوبی کے لیے تضحیک و حقارت کا اظہار ہوتا تھا۔ پھر اس نے چند سطری جواب لکھ کر مصری سفیر کے حوالے کر دیا:

''میرے سپاہیوں نے جن تاجروں کا قتل کیا ہے، دراصل وہ تاجروں کے بھیس میں کسی مسلمان ریاست کے جاسوس تھے۔ اور دنیا کا ہر قانون جاسوسوں کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تم قلم کی بجائے شمشیر کی زبان سے بات کرنا چاہتے ہو تو میں بھی اس دن کا شدت سے انتظار کر رہا ہوں۔''

ریجنالڈ کا خط پڑھ کر سلطان ایوبی کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا۔ ''وہ شخص جو سلطان زنگی سے رہائی کے لیے اس کے جوتے چاٹنے کے لیے تیار تھا، اس مکار کو چھوڑ کر ملک الصالح نے ملت اسلامیہ پر ایک بھیڑیے کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنا جھوٹا شخص نہیں دیکھا'' سلطان ایوبی نے انتہائی تند لہجے میں کہا۔

''امیر محترم! جھوٹا ہونا تو بہت چھوٹی چیز ہے، میں نے کرک کے باشندوں سے ریجنالڈ کے بارے میں جو کچھ سنا ہے، اس اعتبار سے تو وہ شاید دنیا کا سب سے برا اور لعنت زدہ انسان ہے۔'' یہ کہتے ہوئے سفیر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''کیا سنا ہے تم نے ریجنالڈ کے بارے میں؟'' صلاح الدین ایوبی نے چونک کر مصری سفیر کی طرف دیکھا۔

''معاذ اللہ......معاذ اللہ......'' صلاح الدین کے ایلچی کے چہرے پر وحشت وخوف کے سائے لرزنے لگے۔ ''امیر محترم! میری ناپاک زبان وہ بات کہنے کی جسارت نہیں کر سکتی۔'' سفیر کی یہ اضطرابی کیفیت دیکھ کر حاضرین دربار بھی مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی پہلے ہی ریجنالڈ کا خط پڑھ کر غصہ سے بھرا بیٹھا تھا، اپنے سفیر کی یہ حالت دیکھ کر اور بھی برہم ہو گیا۔

''جب تک تم کھل کر بات نہیں بتاؤ گے، میں کیسے سمجھوں گا کہ اس جھوٹے نے کیا کہا ہے؟''

''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ کرک کے عیسائی باشندے اس شیطان ریجنالڈ کو پرستش کی حد تک چاہتے ہیں، اور صلیبیوں میں اس کی عزت واحترام کی ایک ہی وجہ ہے کہ اس مردود نے خانہ کعبہ اور سرکار دو عالمؐ کے روضہ اطہر کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی قسم کھائی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے سفیر کے چہرے پر نفرت اور ناگواری کا تاثر ابھر آیا تھا۔ یہ سن کر حاضرین دربار میں اضطراب کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

''اگر ریجنالڈ ابرہہ بن گیا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ابابیل بن کر خانہ کعبہ کی

حفاظت کریں گے۔'' صلاح الدین ایوبی کی آواز میں ارتعاش موجود تھا۔''اگر اس نے بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کو گرانے کی قسم کھائی ہے تو میں بھی اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ میں اس شاتم رسول ﷺ کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گا۔ اہل دربار پر فرض ہے کہ وہ روزانہ مجھے میری قسم یاد دلاتے رہیں۔''



دروازہ آہستہ سے کھلا۔ رضیع خاتون کی خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے پیچھے پیچھے ایک نوجوان لڑکی بھی تھی جو دروازے پر آ کر رک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی تھی۔

''میری بیٹی...... شمسی...... تم؟'' رضیع خاتون اپنے بازوؤں کو پھیلا کر آگے بڑھی اور بیٹی کو گلے لگا لیا۔ کمرے کے سکوت میں دونوں کی ہچکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ خادمہ تھوڑی دیر میں باہر نکل گئی۔ کچھ دیر تک دونوں ملک الصالح کو یاد کر کے روتی رہیں۔

''تم اتنے دن سے مجھے ملنے نہیں آئی'' رضیع خاتون نے بیٹی سے شکوہ کیا۔

''چچا نے آپ سے ملنے سے منع کیا ہوا تھا'' بیٹی نے جواب دیا۔

''وجہ پوچھی تھی اُن سے؟'' ماں نے سوال کیا۔

''انھوں نے گول مول سی بات کی تھی'' شمس النساء نے جواب دیا۔''آج ہی انھوں نے کہا ہے کہ میں بہت مصروف ہوتا ہوں۔ تم اپنی ماں کے پاس زیادہ وقت گزارا کرو۔''

''انھوں نے یہ نہیں کہا کہ اپنی ماں پر نظر رکھا کرو اور مجھے بتایا کرو کہ ان کو کون کون ملتا ہے اور ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوتی ہیں؟'' رضیع خاتون نے کہا۔

''ہاں! انھوں نے کچھ ایسی باتیں تو کیں تھیں جو میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ میں نے کہا کہ اچھا بتا دیا کروں گی'' شمس النساء نے بھولپن سے جواب دیا۔''انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تمھاری ماں ضدی، اور وہمی دکھائی دیتی ہے۔ اسے بتایا کرو کہ میں بہت مصروف اور پریشان رہتا ہوں۔''

''سنو بیٹی! اب یہ بھولپن کی چادر اتار پھینکو۔ تم جوان ہوگئی ہو۔ تمھاری بدنصیبی کہ تم اپنے بھائی اور اس کے ان مشیروں کے زیر سایہ پل کر جوان ہوئی ہو جو صلیبیوں کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ ان صلیبیوں کو جو تمھارے باپ کے خون کے پیاسے تھے اور تمھارا باپ ساری عمر ان کے خلاف جہاد کرتا رہا، جب کہ تمھارا بھائی اور اس کے یہ امراء صلیبیوں کے حقیقی دشمن صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑتے رہے اور صلیبیوں کا کام آسان کرتے رہے۔''

''بھائی الصالح کہا کرتا تھا کہ صلیبی بڑے اچھے لوگ ہیں۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کیا کرتا تھا'' شمس النساء نے معصومیت سے کہا۔

رضیع خاتون نے بیٹی کو صلیبیوں کے بھیانک عزائم کے بارے میں بتایا اور وہ مسلمان امراء کو کس کس طرح خرید کر اپنی سازشوں کے جال بنتے ہیں اور اس کے باپ نے صلیبیوں کے خلاف کیا جدوجہد کی، وہ سارے کارنامے بیان کیے۔

''بیٹی قرآن کا فرمایا ہوا جھوٹا نہیں ہوسکتا کہ یہودی اور عیسائی تمھارے دوست نہیں ہو سکتے۔ صلیبیوں نے ہمارے امراء کو عورت، شراب اور جواہرات دے کر اور ان میں سے ہر ایک کو بادشاہی کے خواب دکھا کر مسلمان کو مسلمان کے خلاف کھڑا کر دیا ہے۔ اور مسلمان امراء اپنی جھوٹی انا کی تسکین کی خاطر ان کی دوستی میں سکون تلاش کر رہے ہیں۔''

رضیع خاتون بولتی جا رہی تھی، ماں کا ایک ایک لفظ بیٹی کے دل میں اترتا جا رہا تھا۔ اس میں ممتا کا سحر بھی شامل تھا۔ کھلنڈری شمس النساء کی آنکھیں اب کھلتی جا رہی تھیں۔

''میں نے یہ سب تماشے اپنی آنکھوں سے اس محل میں دیکھے ہیں'' شمس النساء کہنے لگی۔ ''لیکن اس وقت میں چھوٹی تھی اور کچھ سمجھ نہیں سکی۔ مجھے بھائی الصالح نے جب صلاح الدین ایوبی کے پاس قلعہ اعزاز مانگنے کے لیے بھیجا تھا تو میں ہنستی کھیلتی یہاں کے سالاروں کے ساتھ چلی گئی۔ مجھے کسی نے نہیں بتایا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ خانہ جنگی تھی جو صلیبیوں

کی کارستانی تھی۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا ماں! مجھے بتاؤ! مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے۔''

''غور سے سنو بیٹی!'' رضیع خاتون نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے عزالدین سے شادی محض اس لیے قبول کی تھی کہ حلب اور دمشق میں خانہ جنگی ختم کر کے مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہوگا، تاکہ صلیبیوں کے خلاف محاذ آرائی کی جا سکے مگر میں نے زندگی میں پہلی بار دھوکہ کھایا ہے، عزالدین نے میرے ساتھ شادی مجھے بیوی بنانے کے لیے نہیں، اپنا قیدی بنا کر رکھنے کے لیے کی ہے، تاکہ میں صلیبیوں کے دشمن صلاح الدین ایوبی کی جو مدد اہل دمشق کے ساتھ مل کر کر سکتی تھی، وہ نہ کر سکوں۔ لیکن مومن کسی حال میں مایوس نہیں ہوتا۔ میں اس صورت حال میں بھی اپنے عزائم کی تکمیل سے باز نہیں آؤں گی۔ شاید اللہ اس سرزمین پر بھی مجھ سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ لیکن یہ کام اس وقت آسان ہوگا جب تم بھی میرے شانہ بشانہ کھڑی ہو۔''

''ماں! اگر آپ پہلی بار دھوکے میں آئی ہیں تو میں پہلی بار دھوکے اور فریب سے نکلی ہوں۔ اب مجھے اپنے اور بھائی کے گناہوں اور غلطیوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟'' شمس النساء ماں کی باتیں سن کر بہت سنجیدہ اور پرجوش نظر آ رہی تھی۔

''محل کی جاسوسی'' رضیع خاتون نے آہستگی سے کہا اور پھر اسے تفصیل سے ہدایات دینے لگی۔

شمس النساء جب اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی تو ایک کھلنڈری سی لڑکی تھی لیکن جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو اس کی ذات اور خیالات میں ایک انقلاب آ چکا تھا۔ اب وہ راہِ خدا میں قربانی کے جذبے سے سرشار ایک مجاہدہ تھی۔



موصل کا اندرونی محاذ

آپ کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ کہ میری ماں جھگڑالو اور وہمی ہے" شمس النساء نے عزالدین مسعود سے کہا۔" آپ جانتے ہیں کہ ان کی زندگی کیسی گزری ہے۔ وہ آپ کو بھی ابا مرحوم جیسا نامور مجاہد دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"وہ میرے انتظامی امور میں مداخلت کرنا چاہتی ہیں، اسے یہ وہم ہے کہ میں صلیبیوں کا دوست ہوں" عزالدین مسعود نے کہا۔

"میں نے ان کا یہ وہم دور کر دیا ہے۔ آپ بھی انھیں غلط نہ سمجھیں۔ اگر آپ نے ان پر غیر ضروری پابندیاں لگائیں تو پھر وہ ضرور وہمی ہو جائیں گی۔"

"میں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ بگھی ہر وقت موجود ہے، اپنی ماں کو جب چاہو سیر کے لیے لے جایا کرو۔"

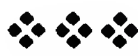
شمس النساء کی باتیں سن کر عزالدین مسعود کافی مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ جب وہ عزالدین کے دفتر سے باہر نکلی تو محافظ دستے کا سالار ابن عثمان اپنی ڈیوٹی پر کھڑا تھا۔ شمس النساء اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور ہلکا سا اشارہ کیا۔ ابن عثمان نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

ابن عثمان ستائیس اٹھائیس سالہ پرکشش نوجوان تھا۔ تیغ زنی اور تیر اندازی میں اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ اسی مہارت کے باعث وہ ملک الصالح کے خصوصی محافظ دستے کا کماندار

مقرر ہو گیا تھا۔ بہت چھوٹی عمر میں اتنے بڑے اور نازک عہدے پر اس کی تعیناتی اس کی حاضر دماغی اور چستی کا اعتراف تھا۔ محل کے اندر ہی اسے رہائش بھی ملی ہوئی تھی۔

شمس النساء کو وہ پہلی ہی نظر میں اچھا لگا تھا۔ محل میں اس کی تربیت نے اسے بے حد کھلنڈری لڑکی بنا دیا تھا۔ اسے باپ کی عظمت اور عزائم کے بارے میں کسی نے بتایا ہی نہیں تھا، نہ اس پر ایسی پابندیاں تھیں جو باپ یا ماں کی موجودگی میں اس پر عائد ہوتیں۔ ملک الصالح کی وفات کے بعد عزالدین نے بھی کھلنڈری لڑکی سمجھ کر اسے آزادی دیے رکھی۔

چند ایک ملاقاتوں میں وہ ایک دوسرے کی چاہت میں مبتلا ہو گئے۔ حتیٰ کہ انھوں نے شادی کے لیے عہد و پیمان کر لیے۔ مشکل صرف یہ تھی کہ ابن عثمان خاندانِ زنگی کا ایک ملازم تھا، جب کہ وہ ایک شہزادی تھی۔ پھر بھی ابن عثمان نے اپنے گھر والوں سے بات کر لی تھی۔



''میں آج اپنی ماں سے ملی ہوں اور اب انھی کے ساتھ رہا کروں گی''، شمس النساء نے ابن عثمان سے کہا۔ وہ شام کے جھٹ پٹے میں ایک باغیچے میں ٹہل رہے تھے۔

''تمھاری ماں بھی شاہی خاندان کی خاتون ہیں، وہ تمھاری شادی کسی شہزادے سے ہی کروانا پسند کریں گی'' ابن عثمان نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''نہیں! وہ شاہی خاندان کی فرد ضرور ہیں لیکن محل سے زیادہ محاذ جنگ پر لگے ہوئے خیمے میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ وہ تو مجھے بھی ایک مجاہدہ دیکھنا چاہتی ہیں۔''

''اگر تم میرے متعلق بات کرو تو کیا وہ مان جائیں گی؟''

''اگر میں ان کی وہ امیدیں پوری کر دوں جو انھوں نے مجھ سے وابستہ کر لیں ہیں تو میں ان سے اپنی ہر خواہش منوا سکتی ہوں۔ اس کے لیے تمھیں بھی ان کی توقعات پر پورا اترنا ہوگا۔''

''کیا تم نے ان کے سامنے میرا ذکر کیا تھا؟'' ابن عثمان نے حیرانی سے پوچھا۔

''نہیں! انھوں نے مجھے اپنا مقصد بتایا ہے جس کی تکمیل کے لیے انھیں میرے تعاون کی ضرورت ہے اور مجھے تمھارے تعاون کی ضرورت۔''

''وہ کیا مقصد ہے؟'' ابن عثمان نے بے تابی سے پوچھا۔

''مقصد اور کام کو جاننے سے پہلے تمھیں یہ حلف دینا ہوگا کہ تم میری مدد کرو یا نہ کرو، اس مقصد اور سرگرمی کو راز میں رکھو گے۔''

''اور اگر میں حلف نہ دوں تو؟'' ابن عثمان نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو! میری شادی ہوگی تو تم سے ہوگی، میں اپنے وعدے کو آج بھی دہراتی ہوں لیکن اس سے پہلے ہمیں وہ کام کرنا ہوگا جو ماں نے مجھے بتایا ہے۔'' شمس النساء بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

ابن عثمان نے اسے اس قدر سنجیدہ کبھی نہ دیکھا تھا، وہ چونکا اور بولا:

''کیا مجھ پر تمھارا اعتماد اتنا ہی کمزور ہے کہ حلف لینا ضروری سمجھتی ہو؟'' ابن عثمان نے کہا۔

''کام ہی کچھ ایسا ہے کہ جس کے لیے حلف ضروری ہے۔ میں تو اپنی ماں کے حکم کی تعمیل میں جان بھی دے دوں گی، تم شاید ساتھ نہ دے سکو۔''

''تمھاری محبت میں جان دے دینا میرے لیے اعزاز ہوگا۔''

''نہیں، میری محبت کی خاطر نہیں، عظمت اسلام کی خاطر، جس کی خاطر میرے والد مرحوم نے کفار سے لڑتے ہوئے عمر گزار دی۔ اور جس کی خاطر آج صلاح الدین ایوبی کفر کے سامنے سینہ سپر ہے۔''

''میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ حلف دیتا ہوں کہ تمھاری طرف سے جو فرض مجھے سونپا جائے گا، جان کی بازی لگا کر پورا کروں گا'' ابن عثمان نے جذبے کی بھرپور توانائی کے ساتھ کہا۔
''اب مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟''

''جاسوسی'' شمس النساء نے کہا۔

''جاسوسی مگر کس کی؟'' ابن عثمان نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی مصر میں ہے، انھیں یہ خوش فہمی ہے کہ انھوں نے میرے بھائی ملک الصالح کے ساتھ جو معاہدہ صلح کیا تھا، وہ اس کی وفات کے بعد بھی قائم ہے، لیکن تم جانتے ہو کہ معاہدے کے باوجود حلب کی امارت آج بھی صلیبیوں کے اثرات سے محفوظ نہیں۔ عزالدین مسعود کو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنا حلیف سمجھتا ہے لیکن میری ماں ان کے بارے میں کچھ اور ہی خدشات کا اظہار کر رہی ہیں۔''

''آقا سے تمھاری والدہ کی شادی کے بعد تو کوئی خطرہ باقی نہیں رہنا چاہیے'' ابن عثمان نے کہا۔

''اصل خطرہ ہی شادی کے بعد شروع ہوا ہے۔ یہ شادی دراصل ایک قید ہے جس میں میری والدہ کو ڈال دیا گیا ہے۔ عزالدین مسعود نے یہ شادی اس مقصد کے لیے کی ہے کہ اہل دمشق کو صحیح رہنمائی دینے والا کوئی اہم فرد ان کے درمیان موجود نہ رہے۔ اس محل والوں کے کیا عزائم ہیں اور صلیبیوں کے ساتھ مل کر یہاں کن سازشوں کا تانا بانا بنا جا رہا ہے؟ ہمیں اس بارے میں صحیح معلومات قاہرہ تک پہنچانی ہیں۔ والئی حلب کے کماندار کی حیثیت سے بہت سے معاملات تمھاری موجودگی میں طے پاتے ہیں، ان پر گہری نظر رکھو۔''

''میں تمھاری بات سمجھ گیا ہوں'' ابن عثمان نے کہا۔ ''شمسی! میں جو کچھ دیکھتا رہا ہوں، اس پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ میں مجاہد سے محض ملازم بن گیا تھا۔ جب سپاہی مجاہد سے ملازم بن جائے تو اُسے اپنی ملازمت کی بحالی اور ترقی کی ہی فکر رہتی ہے۔ اس کے لیے وہ خوشامدی بن جاتا ہے۔ مجھے کسی نے پہلے نہیں بتایا تھا کہ سپاہی کا فرض صرف باہر کے حملے روکنا ہی نہیں اندرونی خطرات اور سازشوں سے لڑنا بھی ہے۔ تم نے مجھے میرا فرض یاد دلا دیا ہے۔ مجھے یہ

بتاؤ کہ صرف اندرونی راز ہی معلوم کرنے ہیں یا کسی کو ٹھکانے بھی لگانا ہے۔''

''دونوں کام کرنے ہیں۔ راز معلوم کرنے کے لیے کسی غدار کو قتل بھی کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے'' شمس النساء نے کہا۔

''اب میں ملازم کی حیثیت سے نہیں، مجاہد کی حیثیت سے بات کروں گا۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر عزالدین، سلطان ایوبی کے ساتھ مخلص بھی ہو، پھر بھی وہ حلب کی فوج کو مصری فوج کا اتحادی نہ بنا سکے گا۔ کیونکہ حلب کے اکثر حاکموں، مشیروں، وزیروں اور افسروں کو صلیبیوں نے خرید رکھا ہے۔ اور جو مخلص عمائدین ہیں، وہ مفاد پرستوں کے مقابلے میں بے بس نظر آتے ہیں۔ مفاد پرست امراء نے تمھارے بھائی کی وفات کے بعد عزالدین کو اس طرح پریشان کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی مد میں خرچ کرنے کے لیے اس سے رقم کا تقاضا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح سرکاری خزانہ خالی ہوتا جا رہا ہے۔ تمھاری باتیں سننے کے بعد میری یہ رائے پختہ ہو گئی کہ یہ بھی ایک سازش ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ خزانہ خالی کر کے عزالدین مسعود کو صلیبیوں سے امداد لینے پر مجبور کر دیا جائے۔''

''تو کیا عزالدین اتنا کمزور ہے کہ وہ ان کے مطالبات مانتا رہتا ہے؟'' شمس النساء نے پوچھا۔

''اس کی کمزوری یہ ہے کہ وہ حلب کی حکمرانی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ جلد یا بدیر صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کر لے گا۔ میں اب اس کے مشیروں کے ساتھ اس کی گفتگو توجہ سے سنا کروں گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ یہاں صلیبیوں کے جاسوس بھی موجود ہیں اور ہمارے بھی۔''

''صلیبیوں کے چند ایک جاسوسوں کا تو مجھے جلد ہی پتہ چل جائے گا'' ابن عثمان نے کہا۔

''وہ کیسے؟''

''ایک صلیبی بادشاہ نے عزالدین کے والئ حلب بننے کے بعد خیر سگالی کے نام پر جو

تحائف بھیجے، ان میں ماریہ نام کی ایک حسین وجمیل لڑکی بھی ہے جو عزالدین کے حرم کی زینت بن چکی ہے۔ لیکن حرم کی دیگر لڑکیوں کی طرح وہ حرم میں محبوس نہیں رہتی بلکہ امراء اور سالاروں سے بھی مراسم پیدا کرتی رہتی ہے۔ لیکن اس کے حسن کا جادو عزالدین پر اس قدر چلا ہوا ہے کہ اس سے کوئی روک ٹوک کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ ہر تقریب میں شرکت کرتی ہے۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ وہ صلیبیوں کی کوئی تخریب کار جاسوسہ ہے، جو اپنے مشن سے کسی لمحے غافل نہیں رہتی۔ اب اس کے ملنے والوں پر میں خصوصی نظر رکھوں گا۔''

مسلمانوں کے دورِ زوال میں حکمرانوں کے اندر ایک قباحت یہ پیدا ہو چکی تھی کہ وہ اپنی منکوحہ بیویوں سے الگ 'لامحدود' زرخرید لونڈیاں رکھتے تھے، اس کو ان کا ''حرم'' کہتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمان امراء کی اس تباہ کن عادت کو اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے انھیں اپنی لڑکیاں تحفے کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیں جو درحقیقت فنِ جاسوسی کی ماہر ہوتی تھیں۔ انھیں امراء و حکام کے درمیان رقابت اور فتنہ برپا کرنے کی خصوصی تربیت حاصل ہوتی تھی۔ ماریہ ایک ایسی ہی لڑکی تھی جو عزالدین کی ضیافتوں میں مہمانوں کو شراب پیش کرتی۔ اس نے حلب کے کئی ایسے امراء کو اپنے حسن کے جال میں پھانس لیا تھا جو حلب کی قسمت بنا بھی سکتے تھے اور بگاڑ بھی۔



''میں اس راز سے بے خبر نہیں ہوں کہ تم نے حلب کی ولایت اپنے چھوٹے بھائی عمادالدین کے حوالے کر کے موصل اور سنجار کی ولایت پر کیوں قناعت اختیار کر لی ہے۔ موصل اور سنجار کا علاقہ بھی میری دسترس سے دور نہیں۔ اگر مجھے اپنے درمیان معاہدے کا پاس نہ ہوتا تو اب تک میرے گھوڑے تمھارے تخت و تاج کو پامال کر چکے ہوتے۔ سلطان عادل کا بھتیجا ہونے کی حیثیت سے تمھیں ایک خاص رعایت دیتا ہوں کہ اگر تم میرے اطاعت گزار ہونے کی حیثیت سے موصل اور سنجار کے باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرو، تو تمھارا اقتدار بھی محفوظ

رہے گا اور میرا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔"

سلطان ایوبی نے یہ خط عزالدین مسعود کو والئی موصل کی حیثیت سے اس وقت لکھا جب وہ حلب کی امارت کو اپنے بھائی عمادالدین کے لیے چھوڑ کر خود موصل میں منتقل ہو گیا تھا۔

ملک الصالح کی وفات کے بعد عزالدین مسعود حلب کا والی قرار پایا تو ان کی خاندانی تقسیم کے مطابق اس کا چھوٹا بھائی عمادالدین موصل اور سنجار کے علاقے کا والی بنا۔ لیکن چند ماہ کے بعد ہی یہ عجیب انقلاب آیا کہ عزالدین مسعود نے حلب کی ولایت چھوڑ کر موصل کی ولایت قبول کر لی، اور والئی موصل عمادالدین حلب کا والی بن گیا۔ عزالدین مسعود جب جانب موصل روانہ ہوا تو رضیع خاتون اور شمس النساء اس کے ساتھ تھیں۔ یہ بہت بڑا قافلہ تھا جس پر شاہی مال و اسباب لدا ہوا تھا۔

اس انقلاب پر ہر کوئی حیران و پریشان تھا کہ عزالدین مسعود حلب جیسے زرخیز، سرسبز و شاداب علاقے اور طاقت ور افواج کی ولایت اپنے بھائی عمادالدین کو سونپ کر موصل اور سنجار کے بنجر علاقے کی حکومت پر کیسے قانع ہو گیا۔

دراصل والئی حلب کی حیثیت سے عزالدین مسعود کے امیر اور وزیر اس سے اتنی رقموں کا دن رات مطالبہ کرنے لگے تھے جو وہ دے نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ خزانے میں اتنی سکت نہیں تھی اور وسائل آمدن بھی محدود تھے۔ اس نے اپنی دانش شمندی سے ملک الصالح کے پانچ سرکش امراء سے تو جان چھڑا لی تھی لیکن نت نئے مطالبے کرنے والے اتنے سارے امراء کو ناراض کر کے اس کے لیے حکومت چلانا مشکل ہو رہا تھا۔ دوسری طرف وہ صلاح الدین ایوبی سے بہت ڈرتا تھا۔ اسے یہ خدشہ بھی تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو حلب کی تعمیر و ترقی، زرخیزی و شادابی اور اس کے دفاعی محل وقوع کے باعث اس سے دل چسپی ہے اور وہ ضرور اس پر قبضہ کرے گا۔ پھر عزالدین اس کے خلاف آمنے سامنے کی جنگ سے ڈرتا تھا، جب کہ اس کا چھوٹا بھائی عمادالدین نہایت

فاجر اور ظالم انسان تھا اور صلاح الدین ایوبی کے سخت خلاف تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط پڑھ کر عزالدین مسعود کا خون کھول اٹھا لیکن اپنی سیاسی عیاری کے باعث اس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔



عزالدین مسعود کو اطمینان ہو گیا کہ رضیع خاتون اس کی زوجیت میں خوش ہے اور اب اس کے کاموں سے متعلق اس سے پوچھ گچھ نہیں کرتی۔ رضیع خاتون نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اس نے عمادالدین کے ساتھ امارتوں کا تبادلہ کیوں کیا ہے۔

رضیع خاتون نے جس مقصد کے لیے شادی کی تھی وہ تو پورا نہ ہوا تاہم وہ اس بات پر مطمئن تھی کہ وہ موصل کے محلات کی پراسرار دنیا کے اندر آ گئی ہے جہاں وہ سلطان ایوبی کے جاسوسی نظام کو مزید مضبوط بنا رہی تھی۔ شمس النساء اور ابن عثمان کے ذریعے سلطان ایوبی کے جاسوسوں کو قاہرہ تک موصل کی تازہ ترین خبریں پہنچانا ممکن ہو گیا تھا۔



''آپ اسے شکست نہ کہیں'' ایک سالار نے سلطان ایوبی کو مایوسی کے عالم میں دیکھ کر کہا۔ ''بیروت وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ ہم اس شہر پر ایک اور حملہ کریں گے۔''

''میں بیروت کو محاصرے میں لینے آیا تھا لیکن میں خود محاصرے میں آ گیا اور مجھے محاصرہ اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ یہ شکست نہیں تو اور کیا ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا ہو گا کہ یہ ہماری شکست ہے۔ میں نے اپنے اس ہدف کا اظہار اپنے اعلیٰ سالاروں کے سوا کسی کے سامنے نہیں کیا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ ہمارے سالاروں میں بھی ایمان فروش موجود ہیں۔''

خیمے میں سناٹا طاری ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے برّی و بحری افواج کے ذریعے بیروت کا محاصرہ کرنے کا خفیہ منصوبہ بنایا۔ اس کے لیے افواج کا وسیع انتظام کیا لیکن بیروت کے شاہ بالڈون

کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس منصوبے کا بروقت پتہ چل گیا۔ شاہ بالڈون نے بڑی خاموشی سے سلطان ایوبی کو اپنے جال میں آنے دیا۔ جب سلطان ایوبی کو دشمن کی چال سمجھ آئی تو تھوڑا سا نقصان اٹھا کر اپنی فوجیں نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ طویل سفر کے بعد اب اس نے کئی دن سے نصیبہ کے مقام پر پڑاؤ کیا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی بے چینی سے ٹہل رہا تھا اس کے سامنے کھڑے دو سالار سلطان ایوبی کے جواب پر خاموش تھے۔

''تم دونوں کیا سوچ رہے ہو؟'' سلطان ایوبی نے ٹہلتے ٹہلتے اپنے قابل اعتماد سالاروں سے سوال کیا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ آپ اسی طرح غصے کی حالت میں رہے تو آپ کے فیصلے مزید نقصان کا باعث بن سکتے ہیں'' ایک سالار نے کہا۔

''اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ہمارا دشمن ہماری جڑوں میں اتر چکا ہے'' صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''ہماری جنگ صلیبیوں سے ہے اور ہمارا مقصد بیت المقدس کی بازیابی ہے لیکن مسلمان امراء میں سے ایک امیر بھی ہمارے ساتھ نہیں کھڑا ہوا ہے۔ عز الدین اور عماد الدین کہاں ہیں؟ کیا انھوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ نہیں کیا ہوا کہ ضرورت کے وقت وہ ہمیں اپنی فوجیں دیں گے؟ ان کا رویّہ یہ بتانے کے لیے کافی نہیں کہ وہ اب بھی صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔'' سلطان ایوبی ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اور کہنے لگا ''جب غیر مذہب کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی بے حیا تہذیب و ثقافت مسلمانوں میں داخل کر دی ہے۔ جب تہذیب بدل جاتی ہے تو مذہب ایک کمزور سا خول بن کر رہ جاتا ہے۔ جسے اتار کر پھینکا بھی جا سکتا ہے اور کبھی قوم کو دھوکا دینے کے لیے یہ خول اوپر چڑھایا بھی جا سکتا ہے۔''

''ہمیں شکست ضرور ہوئی ہے لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں۔ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

ہم اس شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں'' ایک سالار نے کہا۔

''بات اگر میدان جنگ میں ہی ہوتو میں بازو کٹوا کر بھی مایوس نہ ہوتا لیکن مشکل یہ پیدا ہوگئی ہے کہ دشمن ہمارے اندر تک داخل ہو چکا ہے۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے اپنا تہذیبی زہر پرکشش اور طلسماتی طریقے سے ہماری اندر تک اتار دیا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے اہل علم کا طبقہ قرآن کو لے کر دشمن کے دفاع پر اتر آیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہود ونصاریٰ تمھارے دوست نہیں ہوسکتے لیکن ہماری قوم کے دانش وران کے خلاف لڑنے والوں کو امن دشمن قرار دیتے ہیں اور قرآن نے جن کو دشمن کہا، ان کی طرف دوستی کے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ یہ لوگ اذان کے احترام میں خاموش ہو جاتے ہیں لیکن خود ان کے دلوں میں گرجوں کے ناقوس بج رہے ہوتے ہیں۔'' سلطان ایوبی نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر گویا ہوا: ''قبلہ اوّل اپنی آزادی کے لیے امت رسول کو پکارتا رہے گا۔ اور اس پکار پر کوئی مسلمان لبیک نہیں کہے گا، اور اگر کوئی ہمارے جیسا سر پھرا اٹھے گا تو ایسے دیوانوں کو خود ہمارے حکمران دھوکہ دیتے رہیں گے۔''

''امیر محترم! مسلمان مائیں بانجھ نہیں ہوئیں، وہ مجاہدین کو جنم دیتی رہیں گی'' ایک سالار نے کہا۔

''اور یہ مجاہدین عیاش حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنتے رہیں گے'' سلطان ایوبی کے لہجے میں طنز اور تلخی نمایاں تھی۔ ''اور پھر مسلمانوں کی فوج بھی عیاش سپاہیوں کا گروہ بن کر رہ جائے گی۔ اس کے سالار مسلمانوں کا دفاع کرنے کے بجائے دشمنوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ان کے ہاتھوں میں کھیلتے رہیں گے۔''

''سلطان محترم! میں نے اپنے چھاپہ ماردستوں کو دور دور تک پھیلا دیا ہے۔ فرنگیوں سے چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کی خبریں آرہی ہیں۔ اور مجھے شک ہے کہ کفار کا اڈا کہیں باہر نہیں بلکہ موصل میں ہے اور والئی موصل انھیں پناہ دے رہا ہے۔'' صارم مصری نے گفتگو میں حصے لیتے

ہوئے کہا۔

اگر ایسی بات ہے تو مجھے اس کی جلد ہی اطلاع مل جائے گی اور اس کا کوئی بندوبست بھی ہو جائے گا۔ ہماری بہن رضیع خاتون موصل کے اندرونی محاذ پر بڑی حکمت سے جنگ لڑ رہی ہے۔“



شاہ بالڈون سے ملاقات کے بعد موصل سے آئے ہوئے دو ایلچیوں کو بیروت کے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ شاہی احکام کے مطابق ان کی تواضع میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔

وہ صلیبی بادشاہ سے عزالدین مسعود کی پشت پناہی کے لیے معاہدہ کرنے آئے تھے۔ اس معاہدہ میں کامیاب پیشرفت کے بعد اب ان کی دل چسپی محض اس چیز میں رہ گئی تھی کہ شاہ بالڈون انھیں زیادہ سے زیادہ عیاشی کروائے اور انعام واکرام سے نوازے۔ ان کی حالت بھوکے بھیڑیوں جیسی تھی۔

مہمان خانے کے افسر نے جب انھیں بتایا کہ آج رات کو ان کی خدمت کے لیے ایسی لڑکیاں دی جائیں گی جو انھوں نے کبھی نہیں دیکھی ہوں گی تو ان کی باچھیں کھل گئیں۔

ایک ایلچی جو والئی موصل عزالدین مسعود کا فوجی مشیر تھا اور پچاس سال کی عمر کا آدمی تھا، اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ شراب کے جرعے لے رہا تھا۔ وہ اس رقاصہ کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا جس کے حسن کے افسانے اسے سنائے گئے تھے۔ سیاہ لبادے میں مستور لڑکی جب اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو ایلچی فحش الفاظ کہتے ہوئے ندیدوں کی طرح اس سے لپٹ گیا اور اس کے چہرے کو بے نقاب کر دیا۔

جونہی وہ بے نقاب ہوئی، ایلچی کے بڑھے ہوئے ہاتھ ڈھیلے پڑتے چلے گئے۔ لڑکی نے ایلچی کی طرف دیکھا تو حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی جیسے اس پر کسی نے سحر کر دیا ہو۔ وہ بالکل خاموشی سے شاہی مہمان کو دیکھتی رہی اور پھر وہ اپنے نیم عریاں

جسم کو ڈھاپنے کے لیے اپنے بازوؤں کی اوٹ سی بنانے لگی۔ ایلچی نے جب لڑکی کو غور سے دیکھا تو اسے ایک ہچکی سی آئی۔

''تم ......تم!......سائرہ؟'' ایلچی نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔لڑکی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی جیسے اس کی زبان گنگ ہو۔

''سائرہ؟ تم سائرہ ہو؟'' ایلچی نے گھبرائی ہوئی حیرت زدہ آواز میں ایک بار پھر پوچھا۔ اور پھر وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا: ''نہیں مجھے غلطی لگی ہے۔تمھاری شکل میری ایک بیٹی سے ملتی جلتی ہے، اس کا نام سائرہ ہے۔''

''آپ کو غلطی نہیں لگی، میں سائرہ ہی ہوں۔ جس پر آپ کی بیٹی ہونے کی تہمت موجود ہے۔'' اچانک لڑکی کی زبان کھل گئی۔ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔''میں ہی آپ کی بیٹی ہوں۔ محلّات میں دوسروں کی بیٹیوں کو نچانے والے کی اپنی بیٹی بھی ناچ سکتی ہے۔''

ایلچی لڑکھڑایا اور پلنگ پر گر پڑنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کی زبان بند تھی۔ سائرہ اسی کی بیٹی تھی۔ باپ بیٹی کو جدا ہوئے دو سال ہو چکے تھے۔

''ایمان فروشوں کی بیٹیاں عصمت فروش نہ بنیں تو اور کیا بنیں گی۔'' سائرہ اپنے باپ کے سامنے کھڑے ہو کر دانت پیس رہی تھی۔ ''آج اپنی عزت اور غیرت کا انجام دیکھ۔ تو اپنی بیٹی کی عصمت کا گاہک ہے۔ تیری بیٹی تیری خوابگاہ میں رات گزارنے آئی ہے۔ لا! میری اجرت نکال، آخر میں نے تیرے ساتھ رات بسر کرنی ہے۔'' سائرہ نے تیزی کے ساتھ ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا۔

''تو......تو......'' اس کے باپ کی زبان ہکلانے لگی۔ ''تو گھر سے بھاگ آئی تھی...... میں بے غیرت نہیں، تو بے غیرت ہے۔''

''جو باپ اپنی بیٹی کی ہم عمر لڑکیوں کو نچواتا ہو، شراب کے نشے میں دھت رہ کر بیٹی کے

سامنے ان سے دست درازیاں کرتا ہو، اس باپ کی بیٹی غیرت مند کیسے بن سکتی ہے۔ وہ بھی رقاصہ اور طوائف ہی بنتی ہے۔ باپ شادی کر دے تو شوہر کو دھوکہ دیتی ہے۔ حلب میں تیرے گھر پر صلیبی آتے تھے۔ ان کی دی ہوئی شراب اور لڑکیوں میں تو مست رہتا تھا۔ صلیبی تیری بیٹی سے چھیڑ چھاڑ کرتے تو تو نے یہ بھی گوارا کیا۔ میں نے ان سے رقص سیکھا تو تو خوش ہوا۔ صلیبیوں کی خوشنودی کے لیے تجھے ہر بے غیرتی قبول تھی۔ اس ماحول میں ایک صلیبی نے مجھے سنہرے باغ دکھائے تو میں تیرے گھر کو خیر باد کہہ کر اپنے خیالوں کی جنت کو روانہ ہو گئی۔ صلیبی نے محبت کا فریب دے کر مجھے بیچ ڈالا۔ پھر میں تجھ جیسے بے شمار دولت مندوں کی تفریح کا ذریعہ بن گئی۔ مجھے شاہی رقاصہ کی حیثیت سے رکھ لیا گیا۔ آج میرا اپنا باپ میری عصمت کا گاہک ہے۔''

ایلچی نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

''آج تو اپنے ایمان کی قیمت صلیبیوں سے وصول کرنے آیا ہے'' سائرہ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ ''قبلہ اوّل کا سودا کرنے آیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کو نیچا دکھانے کے لیے ان صلیبیوں کی مدد حاصل کرنے آیا ہے جو یہاں اپنی محفلوں میں خانہ کعبہ اور روضۂ رسولؐ کو مسمار کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی عصمتوں سے کھیلتے ہیں'' یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔ ''یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں اپنے باپ کے گناہوں کی سزا بھگت کر اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔''

اس کے باپ نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اس نے اٹھ کر دیوار سے لٹکتی ہوئی تلوار اتاری اور سارہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

''یہ لو! اپنے ہاتھوں سے مجھے ختم کر دو۔ شاید میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے۔''

اپنے باپ کی جذباتی حالت اور شرمساری کے آنسو دیکھ کر سارہ کا لہجہ تبدیل ہو گیا۔

''ابا جان! مر کر ہی گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہوتا، زندہ رہ کر بھی کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔ آپ کے خود کو قتل کرنے سے شاہ بالڈون کو کیا فرق پڑے گا۔ لیکن اگر آپ ان کی ناپاک سازشوں کو ناکام کرنے کے لیے جینا مرنا سیکھ لیں تو امید ہے کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا ہو سکے۔ مجھ سے صلیبیوں کے عزائم اب پوشیدہ نہیں۔ وہ عزالدین جیسے مسلمان امراء کی بیوقوفیوں پر ہنستے اور صلاح الدین ایوبی کی کامیابیوں پر فکر مند اور تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں، تو خود ہی سمجھ آ جاتی ہے کہ ملت اسلامیہ کا حقیقی رہنما کون ہے۔ وہی جس کو مٹانے کی دشمنان اسلام کوشش کر رہے ہیں۔'' بیٹی کی یہ باتیں سُن کر باپ نے شکست خوردگی کے عالم میں بیٹی کی طرف دیکھا۔

''میری دانست میں ہم دونوں کی نجات اس میں ہے کہ ہم دونوں یہاں سے فرار ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ کر اسے وہ سارا منصوبہ بتائیں جو اس کے خلاف شاہ بالڈون کے ساتھ آپ نے تیار کیا ہے۔ یہی بات ہمارے گناہ بخشوانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔''

''میں تیار ہوں لیکن ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟'' باپ نے کہا۔

''یہ انتظام کوئی مشکل نہیں۔''

باپ نے بیٹی کو گلے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

سائرہ کے باپ نے اپنے میزبانوں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ذرا سیر کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اسے گھوڑا دے دیا گیا۔ وہ شہر کے ایک حصہ میں پہنچا جہاں اس کی بیٹی چھپی ہوئی تھی۔ وہ ساتھ ہو لی۔



تنکوں کے سہارے

محل کی ڈیوڑھی میں ایک طرف ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ حفاظتی دستے کے ایک سپاہی کی لاش تھی جسے حاکم شہر ابن عمر نے ایک مشکوک درویش کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ابن عمر ساری رات اس سپاہی کا انتظار کرتا رہا۔ صبح اسے اطلاع ملی کہ اس کے گھر کے سامنے ایک لاش پڑی ہوئی ہے...... وہ باہر آیا سڑک پر اس سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور زبان باہر آ گئی تھی۔ گردن کے گرد پڑی ہوئی رسّی کے ساتھ ایک کاغذ بندھا ہوا تھا۔

حاکم شہر لاش کو اٹھوا کر محل میں لے آیا تھا۔ عزالدین مسعود لاش کے ساتھ بندھا ہوا کاغذ پکڑے ہوئے پڑھ رہا تھا:

''عزالدین مسعود والئی موصل کے نام: تمھارے حاکم شہر ابن عمر نے اس آدمی کو میرے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ میں اس کی لاش عزت و احترام کے ساتھ اس کی دہلیز پر رکھ چلا ہوں۔ جس طرح اس کی لاش تمھیں ملی ہے، ایک دن تمھاری لاش بھی تمھارے محل کی دہلیز پر پڑی ہوگی۔ ابن عمر جیسے خوشامدی لوگ کبھی کسی کے وفادار نہیں ہوتے۔ یہی لوگ تمھارے زوال کا باعث بنیں گے۔

ہماری طاقت کا شاید تمھیں کچھ اندازہ ہو جائے کہ تمھارا فوجی مشیر احتشام الدین جو بیروت کے صلیبیوں سے درپردہ معاہدہ کرنے گیا تھا، وہ اب سلطان ایوبی کے پاس ہے۔ تم نے اپنے صلیبی سرپرستوں کو موصل کے کوہستان میں جنگی ساز و سامان اور آتشگیر مادے کے لیے جو خفیہ

اڈا فراہم کیا تھا، اس کو ہم نے نذرِ آتش کر دیا ہے۔ ہم جنوں کی طرح تم پر غالب رہیں گے اور تم ہمیں دیکھ نہیں پاؤ گے۔ تمھاری نجات اسی میں ہے کہ قبلہ اوّل کی آزادی کے لیے سلطان ایوبی کی سچی اطاعت قبول کر لو اور اپنی فوج اس کے حوالے کر دو۔''

عزالدین مسعود نے تحریر پڑھی اور کاغذ ابن عمر کو دے کر گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسجدوں میں بھی اس نئے درویش کے چرچے ہو رہے ہیں۔'' عزالدین گویا ہوا: ''اور اب اس تحریر سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کوئی درویش نہیں بلکہ صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہے جس نے ہمارے حلیف صلیبیوں کا آتش گیر مادے کا ذخیرہ تباہ کیا ہے۔''

''میں اسے زمین کی تہہ سے بھی نکال لاؤں گا اور عبرت کا نشان بنا دوں گا'' ابن عمر نے بڑ ہانکی۔

''اس ایک آدمی کے خاتمے سے تم صلاح الدین ایوبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہمیں کچھ اور سوچنا ہے'' عزالدین نے کہا۔ ''میں یہ چاہتا تھا کہ صلیبی ایوبی پر حملہ کر دیتے لیکن معلوم نہیں وہ آگے کیوں نہیں آئے۔ شاید وہ یہی چاہتے ہیں کہ میں براہِ راست ٹکرلوں۔ پھر وہ اپنے چھاپہ مار دستوں سے صلاح الدین کے پہلوؤں اور عقب میں اس کی رسد پر شب خون مارتے رہیں۔ اس طرح کیا مجھے میدان جنگ میں برتری حاصل ہو جائے گی؟''

''ضرور ہوگی'' ابن عمر نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

''اس تحریر میں صحیح لکھا ہے کہ تم خوشامدی ہو'' عزالدین نے خفگی کے انداز میں کہا۔ ''میں ایک الجھن میں پڑا ہوا ہوں اور تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھے خوش کرنے کے لیے بچوں والی حرکتیں کر رہے ہو۔''

اس نے تالی بجائی۔ ایک نوجوان خادمہ دوڑی ہوئی آئی۔ اس نے جھک کر سلام کیا۔

''دربان سے کہو کہ یہ لاش اُٹھوا لے اور کہیں اور دفن کروا دے۔ اور ہاں، تم صراحی اور جام

لے آؤ اور دربان سے کہنا کہ کسی کو ادھر نہ آنے دے۔'' یہ کہہ کر عزالدین ابن عمر کو ساتھ لے کر اپنے خاص کمرے میں چلا گیا۔



''شاہ آرمینیا رہوپن نے میرے پیغام کا جواب دے دیا ہے۔'' عزالدین مسعود ابن عمر سے کہہ رہا تھا۔'' وہ اپنے دارالحکومت تل خالد سے ہرزم جا رہا ہے۔ مجھے بھی اس نے ہرزم بلایا ہے، میں دو روز بعد اسے ملنے جا رہا ہوں۔''

خادمہ نے پیالوں میں شراب ڈالنے کی بجائے پیالوں کو پونچھنا شروع کر دیا۔ اس کے کان عزالدین کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ شاہ آرمینیا تل خالد سے ہرزم جانے کی غلطی کر رہا ہے'' ابن عمر نے کہا۔

''شاید تمہیں یہ ڈر ہے کہ شاہ آرمینیا کی غیر حاضری میں صلاح الدین ایوبی تل خالد کو محاصرے میں لے لے گا...... ایسا نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو ہم صلاح الدین ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کریں گے۔ ہم اس لڑائی کو طول دیں گے تاکہ صلیبی ایوبی پر بھرپور حملہ کر سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج پس کر رہ جائے گی۔''

''آپ کب جا رہے ہیں؟'' ابن عمر نے پوچھا۔

''دو روز بعد'' عزالدین مسعود نے کہا۔

خادمہ نے پیالوں میں شراب ڈالی اور دونوں کو پیش کی۔ عزالدین نے خادمہ کو باہر چلی جانے کا اشارہ کیا۔ وہ ڈیوڑھی میں گئی تو وہاں سے لاش اٹھائی جا چکی تھی۔ وہ وہاں کچھ دیر بیٹھی، اچانک اس کے منہ سے ''ہائے'' کی آواز نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں کو پیٹ پر رکھ کر دوہری ہوگئی۔ دربان اور دوسرے ملازم دوڑے ہوئے آئے۔ اس نے کراہتے ہوئے بتایا کہ پیٹ میں اچانک درد اٹھا ہے۔ اس کی جگہ فوراً دوسری خادمہ بٹھا دی گئی۔ طبیب نے آکر اسے دوائی دی

اور دو دن کی چھٹی تجویز کر دی۔ جب اس کی طبیعت ذرا سنبھلی تو وہ مختلف غلام گردشوں سے گزرتی ہوئی رضیع خاتون کے کمرے میں چلی گئی۔

''پیٹ درد کا بہانہ کر کے آئی ہوں'' طبیب نے آج اور کل کی چھٹی لکھی دی ہے'' خادمہ جلدی جلدی بات کرنے لگی۔'' آج ابن عمر خاصا پریشان دکھائی دیتا ہے۔اس کی باتوں کو سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ اس نے ایوبی کے'' درویش'' کو مروانے کے لیے جو آدمی بھیجا تھا اس کی لاش آج صبح اسے ملی ہے اور ساتھ دھمکی آمیز خط بھی۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کم بختوں کو'' درویش'' پر شک ہو گیا ہے۔'' رضیع خاتون نے کہا۔

''میں جو تازہ خبر سن کر آئی ہوں وہ تو آپ کو بتائی ہی نہیں، آقا دو روز بعد شاہ آرمینیا سے ملنے ہرزم جا رہے ہیں۔ یہ بات انھوں نے ابن عمر سے کی ہے کہ شاہ آرمینیا کا انھیں پیغام آیا ہے۔ میں رات تک ڈیوٹی سے فارغ نہ ہو سکتی تھی۔اس لیے میں نے پیٹ درد کا بہانا بنایا اور آپ تک پہنچی ہوں۔''

''صلاح الدین ایوبی تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تل خالد میں ہمارے جاسوس ہیں یا نہیں۔ یہ خبر صلاح الدین ایوبی تک پہنچنی چاہیے۔'' رضیع خاتون کافی فکر مند دکھائی دے رہی تھی:'' فوادیا ان کے کسی ساتھی تک یہ خبر تم ہی پہنچاؤ۔''



''میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اور صلیبیوں کی دوستی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا ہوں۔'' عزالدین ہارے ہوئے لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے گھبراہٹ عیاں تھی۔ وہ خادمہ کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد رضیع خاتون کے کمرے میں آیا تھا۔رضیع خاتون اس کی پریشانی کی وجہ جانتی تھی لیکن اس نے انجان بن کر ہمدردانہ لہجے میں کہا:

''میری تمام ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔لیکن میں صلاح الدین ایوبی کے حق میں

کوئی بات کرتی ہوں تو آپ کو شک ہوتا ہے کہ میں اس کی حامی اور آپ کی مخالف ہوں۔ آپ کی پریشانی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ کے اور ایوبی کے درمیان عداوت پیدا ہوگئی ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس قوم کی دوستی پر اعتماد کیا ہے جو آپ کی دوست نہیں ہوسکتی۔ وہ آپ کے دین کی دشمن ہی رہے گی۔ وہ آپ سے اپنا کام نکلوانے تک آپ کو دھوکے دیتے رہیں گے۔''

''تو کیا میں ایوبی کے قدموں میں جا کر تلوار رکھ دوں؟'' عزالدین نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''صلاح الدین ایوبی آپ کو اپنا محکوم نہیں، اتحادی بنانا چاہتا ہے'' رضیع خاتون نے شائستگی سے جواب دیا۔

''تم اس شخص کی نیت کو نہیں سمجھ سکی ہو۔ وہ لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لیے سلطنت اسلامیہ کی بات کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا مقصد ذاتی سلطنت کی توسیع کے سوا کچھ نہیں۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اس کے عزائم میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اگر یہی ارادہ ہے تو پریشان ہونے کی بجائے جنگ کی تیاری کریں اور فوجوں میں اضافہ کریں۔''

''ہم جو تیاری کرتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو اس کی فوراً خبر مل جاتی ہے۔ ہمارا قابل ترین فوجی مشیر احتشام الدین بالڈون سے معاہدہ کرنے بیروت گیا اور وہ غائب ہوگیا۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہ صلاح الدین ایوبی کے پاس ہے۔ ہمارے تمام راز اس کے پاس ہیں۔ ہم نے صلیبیوں کا اسلحہ اور آتش گیر مواد قریبی کوہستان میں ذخیرہ کیا، وہ دھماکے سے تباہ کر دیا گیا ہے۔ آج میرے حفاظتی دستے کے ایک سپاہی کی لاش ملی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے ہمارے گرد جاسوسوں کا جال بن دیا ہے۔''

''سپاہی کی کوئی ذاتی دشمنی ہوگی، جو قتل ہوا'' رضیع خاتون نے انجان بن کر کہا۔

''اسے ایک خاص کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے قاتل بھی صلاح الدین ایوبی کے

آدمی معلوم ہوتے ہیں۔'' عزالدین کے لہجے سے گھبراہٹ عیاں تھی۔ رضیع خاتون نے اس کی گھبراہٹ میں اور اضافہ کرنے کے لیے کہا:

''یہ تو ساری دنیا مانتی ہے کہ صلاح الدین ایوبی صرف میدان جنگ میں نہیں لڑتا۔ جب وہ سویا ہوا ہو، اس وقت بھی دشمن اسے یوں سمجھتے ہیں جیسے وہ ان کے سر پر بیٹھا ہو۔ اس وقت وہ تل خالد کی طرف جا رہا ہے لیکن یوں دکھائی دیتا ہے جیسے وہ اپنی نگرانی میں موصل میں تباہی کر رہا ہے۔ صلیبیوں کی فوج اس سے کئی گناہ زیادہ ہونے کے باوجود اس پر بڑھ کر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتی۔ آپ کی اپنی فوج میں کئی کماندار ہوں گے جو آپ سے وفادار نہیں ہیں۔''

''میں اس حد پر پہنچ چکا ہوں جہاں سے میری واپسی ممکن نہیں۔ دو روز بعد میں سلطنت سے باہر جا رہا ہوں۔ اگر حالات نے ساتھ دیا تو کامیاب ہو جاؤں گا۔'' وہ چپ ہو کر گہری سوچ میں گم ہو گیا اور کچھ دیر بعد بولا: ''رضیع میں نے ایک امید تم سے وابستہ کر رکھی ہے۔''

''میرے سرتاج! میں آپ کے ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں، مجھے بتائیں میں آپ کی کون سی اُمید پوری کر سکتی ہوں۔''

''میں چند دن کے لیے باہر جا رہا ہوں۔''

''کیا کرنے جا رہے ہیں۔''

''بس یوں سمجھو کہ جوا کھیلنے جا رہا ہوں'' عزالدین نے کہا۔ ''جوئے میں ہار جیت دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ فرض کیا میں ناکام ہوتا ہوں تو میں تم سے امید رکھوں گا کہ تم میری طرف سے صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ گی اور میرا اس سے سمجھوتہ کروا دو گی۔''

''بہتر تو یہ ہے کہ آپ شکست سے پہلے ہی صلاح الدین ایوبی سے کوئی سمجھوتہ کر لیں، تاہم آپ جو حکم کریں گے، میں اس پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی۔''

عزالدین سر جھکائے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی رضیع خاتون کی ملازمہ اندر

آئی اور پوچھنے لگی:

''والئی موصل آج بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔''

''ایمان اور کردار سے منحرف ہو کر انسان کی یہی حالت ہوا کرتی ہے۔ دین وملت سے دور ہو کر بادشاہی کے خواب دیکھنے والے ان پتوں کی طرح ہو جاتے ہیں جو درخت سے جھڑ کر ادھر ادھر ہوا کے دوش پر اڑتے رہتے ہیں۔ عزالدین کبھی میدان جنگ کا سالار تھا جس سے صلیبیوں کے دل لرزتے تھے لیکن آج وہ اس قدر خوف زدہ ہے کہ مجھ سے...... ایک عورت سے...... مدد کی بھیک مانگ رہا ہے۔'' رضیع خاتون کے لہجے سے ایک وقار جھلک رہا تھا۔



''تل خالد کے محاصرے سے ہمارا مقصد شاہ آرمینیا رہوپن سے اپنی شرائط تسلیم کروانا ہے کہ وہ عزالدین کی مدد نہ کرے۔''

سلطان ایوبی اپنے خیمہ میں سالاروں کے اجلاس سے مخاطب تھا۔ اس کے سامنے آرمینیا کا نقشہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ آرمینیا کے راستے پر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ دربان نے اس کے کان کے قریب آ کر آہستگی سے کہا۔ ''موصل سے ہرکارہ آیا ہے۔''

''فوراً اندر بھیج دو'' سلطان ایوبی نے کہا۔

دربان نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور باہر دیکھتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ باہر سے ایک نوجوان جس کے ہونٹ خشک اور چہرہ اترا ہوا تھا، اندر داخل ہوا۔ نیند کے دباؤ سے اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے موصل سے یہاں تک آرام کیے بغیر سفر کیا ہے۔'' سلطان ایوبی نے آنے والے سے کہا اور دربان کو کہا ''اس کے لیے کھانا یہیں لے آؤ۔''

''خبر ہی ایسی تھی کہ آرام کی مہلت حاصل کرنا گناہ کرنے کے مترادف دکھائی دیتا تھا۔''

ہر کارے نے اکھڑی سانسوں کے ساتھ کہا۔

''کیا خبر ہے؟''

''شاہ آرمینیا اپنے دارالحکومت تل خالد میں نہیں بلکہ ہرزم میں خیمہ زن ہے، اور عزالدین ہمارے خلاف معاہدہ کرنے کے لیے ہرزم جا رہا ہے۔ عزالدین اپنی فوج کے دو تین دستے بھی ساتھ لا رہا ہے۔'' قاصد نے جواب دیا۔

''تو گویا دونوں بادشاہ شان و شوکت کے ساتھ ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ''اور موصل میں صلیبیوں کی کیا حالات ہیں؟''

''جب سے ان کے جنگی سامان کا اڈا تباہ ہوا ہے، ٹھنڈے ٹھنڈے دکھائی دے رہے ہیں۔'' قاصد نے جواب دیا۔

ہرزم میں شاہ آرمینیا رہو پن اور عزالدین مسعود کی ملاقات کی خبر پر کیسے یقین کر لوں۔ اس خبر کا تمھارا ذریعہ کیا ہے؟'' سلطان ایوبی نے قاصد کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

''رضیع خاتون کی خبر غلط نہیں ہو سکتی'' قاصد نے کہا۔ ''رضیع خاتون نے آپ کو سلام کہا ہے۔''

''اللہ اپنی اس بندی کو رحمتوں سے نوازے'' سلطان ایوبی کی آواز جذبات کے غلبے سے بھرّا گئی تھی۔

''اور یہ بھی کہا ہے کہ عزالدین پر گھبراہٹ طاری ہے اور اگر اس پر ایک ضرب اور پڑی تو وہ گھٹنے ٹیک دے گا۔''

''موصل میں کوئی جنگی تیاری؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''عزالدین کا سارا انحصار صلیبیوں کی مدد پر ہے۔ اس کے لیے وہ ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ لیکن فی الحال اس میں اسے بظاہر کوئی کامیابی نہیں ملی، البتہ صلیبی جاسوس اور مشیر سرگرم ہیں۔

رضیع خاتون اور ان کی بیٹی شمس النساء کی کوششوں سے محل کے اندر کا ہر گوشہ اور ہر راز ہماری نظر میں ہے۔"

"تمھیں اندازہ نہیں کہ تم جو خبر لائے ہو وہ میرے لیے کتنی کار آمد ہے۔ مجھے امید ہے کہ فوجوں کا اب اتنا خون خرابہ نہیں ہوگا جتنا محاصرے کی صورت میں ہوتا۔" پھر سلطان ایوبی نے قاصد کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا: "ہماری اس سے پہلے بھی کہیں ملاقات ہوئی ہے؟"

"جی سلطان معظم! قرون حماۃ کی جنگ کے دوران" قاصد نے جواب دیا۔

"تمھارا نام شاید فواد ہے" سلطان ایوبی نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جی عالی جاہ!"

"تم جیسے نوجوانوں کو دیکھ کر ملّت کے مستقبل کے بارے میں ساری مایوسیاں ختم ہو جاتی ہیں۔" سلطان ایوبی نے قاصد کو دربان کے حوالے کیا اور اپنے سالاروں سے مخاطب ہوا: اب ہم تل خالد کا محاصرہ نہیں کریں گے۔ چھاپہ ماروں کا صرف ایک دستہ میرے ہمراہ ہرزم کی سمت جائے گا۔"



شاہ آرمینیا رہوبن اپنی فوج کے ایک دستے کے ہمراہ ہرزم کے سبزہ زار میں دو تین روز سے خیمہ زن تھا۔ دن میں سیر و شکار اور رات کو رقص و سرود کی محفل جمتی۔ ایک روز والئ موصل عزالدین اپنی فوج کے دو منتخب دستوں کے ہمراہ آ گیا۔ رات بھر شراب و شباب کی محفل جمی رہی۔ اِدھر عزالدین اور شاہ آرمینیا مخملیں قالینوں پر بدمست ہو رہے تھے اُدھر صلاح الدین ایوبی ان سے دو اڑھائی میل دور چھاپہ مار دستے کے ساتھ پتھریلی زمین پر سویا ہوا تھا۔

دن چڑھے جب شاہی خیموں میں ناشتے کی تیاریاں عروج پر تھیں، تین چار خانہ بدوش ہاتھوں میں کشکول پکڑے، اپنے اونٹوں کی نکیل تھامے خیموں کے گرد چکر لگا رہے تھے۔

عزالدین کی خصوصی خادمہ نے انھیں دیکھ کر کہا:

''چلو یہاں سے دور ہٹ جاؤ۔''

''شہزادی! بھوکے کو کھانے کے لیے مل جائے'' ایک خانہ بدوش نے آواز لگائی۔

''بھاگ جاؤ ادھر سے۔ اگر محافظ آ گیا تو تمھاری جو درگت بنے گی یاد رکھو گے'' خادمہ نے کہا۔

''فواد کو موصل میں تو کوئی پکڑ نہ سکا، تم یہاں پکڑوا دو'' خانہ بدوش نے لڑکی کو کہا۔

''اوہ!'' خادمہ ادھر ادھر دیکھ کر اس کے قریب آ گئی۔ ''تو تم یہاں بھی پہنچ گئے ہو۔ دیکھ لیا میری خبر غلط تو نہیں تھی ناں۔ لیکن تم یہاں نہ رکو۔ چلے جاؤ۔ تم نے یہاں سب کچھ دیکھ لیا ہے؟''

''اوے کون ہے یہ؟ ہٹاؤ اس بدبخت کو یہاں سے'' کسی کی آواز آئی۔

''تمھیں کتنی بار کہا ہے کہ یہاں ابھی ناشتہ تیار نہیں ہوا ہے۔ صبح صبح آ جاتے ہیں مانگنے کے لیے'' خادمہ چلائی۔



ہرزم کے شاہی کیمپ میں آج رات گہری خاموشی تھی۔ شاہ آرمینیا رہو ین کے خیمے میں اس کے پاس عزالدین مسعود اور مروین کے علاقے کا امیر قطب الدین غازی بیٹھے ہوئے تھے۔

''اگر ہم صلاح الدین ایوبی کے اتحادی بن جائیں تو وہ ہمیں اپنا امیر بنا کر رکھے گا لیکن ہم خود مختار نہ ہوں گے۔ توسیع سلطنت کے اس کے عزائم اب خفیہ نہیں رہے۔ بہت سے امراء اس کے اطاعت گزار بن چکے ہیں۔ اگر میں نے اس کو نہ روکا تو وہ نہ صرف موصل بلکہ حلب پر بھی ہاتھ صاف کرے گا۔ لیکن میں اکیلا اس کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ اور عمادالدین بھی اپنی فوجیں حلب سے نہیں نکال سکتا کیونکہ صلاح الدین کی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں'' عزالدین کہہ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں صلیبیوں کی نظریں بھی حلب پر لگی ہوئی ہیں'' شاہ آرمینیا رہوپن نے کہا۔

''اسی لیے میں صلیبیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرتا۔ وہ ہم سے مدد کے عوض حلب طلب کریں گے'' عزالدین نے کہا۔ ''صلیبی مجھے ہر طرح کی مدد دینے کے لیے تیار ہیں لیکن جنگ محض مشیروں اور ہتھیاوں سے ہی تو نہیں لڑی جاتی۔ میں نے انھیں یہ بھی کہا ہے کہ میں صلاح الدین ایوبی کو جنگ میں الجھا لیتا ہوں اور وہ اس پر حملہ کر دیں۔ میں نے انھیں یہ بھی کہا تھا کہ وہ دمشق کو محاصرے میں لے لیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو سلطان ایوبی علاقے سے نکل جائے گا۔ لیکن نجانے وہ کیا سوچ رہے ہیں۔''

''وہ ہم سب کو اپنا محکوم بنانے کا سوچ رہے ہیں؟ سلطان ایوبی نہ آئے تو صلیبی ہمیں کھا جائیں گے۔ ہمیں ان پر بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔'' رہوپن نے کہا۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تل خالد کی طرف بڑھ رہی ہے'' عزالدین نے کہا۔

''صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری کوئی براہ راست دشمنی نہیں، میں نے اس کی پیش قدمی کا جائزہ لیا ہے۔ اُمید ہے وہ میری سرحدوں سے دور رہے گا'' شاہ آرمینیا نے کہا۔

''اگر ہم الگ الگ رہے تو صلاح الدین ایوبی ایک ایک کر کے سب کو ہڑپ کر جائے گا۔ اگر آپ میری مدد کریں گے تو میں آگے بڑھ کر صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرتا ہوں'' عزالدین مسعود نے کہا۔

وہ اس موضوع پر دیر تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخر شاہ آرمینیا رہوپن نے اس شرط پر عزالدین کی تجویز مان لی کہ آرمینیا کے فوجیوں اور جانوروں کی خوراک کی ذمہ داری عزالدین اٹھائے گا۔



آدھی رات کے وقت گھوڑوں کے ٹاپوں سے یکا یک فضا گونجنے لگی۔ اس وقت شاہ آرمینیا عزالدین کے ساتھ نئی جنگ کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

''یہ جن سواروں کے گھوڑے کھل کر بھاگے پھر رہے ہیں انھیں صبح یہاں پیش کرنا، یہ بد بخت خود تو بے خبری کی نیند سو جاتے ہیں اور ہمیں بے آرام کیا ہوا ہے'' شاہ آرمینیا نے دربان کو بلا کر غصے سے کہا۔

لیکن یہ گستاخ گھوڑے ایک طرف سے سرپٹ آئے اور دوسری طرف گزر گئے۔ ان کے سواروں کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں جن سے وہ فوج کے خیموں کو آگ لگاتے جاتے تھے۔ خیموں میں آگ لگنے سے سپاہی ہڑ بڑا کر اٹھے۔ پھر اچانک دوسری طرف سے گھوڑوں کی ایک قطار نمودار ہوئی جن کے سوار برچھیوں اور تلواروں سے اپنے سامنے آنے والے کو کاٹتے گزر گئے۔ جلتے خیموں کے باعث تیز روشنی ہو گئی تھی۔ پھر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ گھوڑوں اور اونٹوں کا شور اور زخمیوں کی کراہیں ایک ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ اردگرد سے اب آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔

''ہتھیار پھینک دو، عزالدین ہمارے سامنے آجاؤ۔''

شاہ آرمینیا! ہتھیار پھینک دو، تمھارا دارالحکومت ہمارے محاصرے میں ہے۔''

ان میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ عزالدین نے اپنے ایک وفادار کماندار سے گھوڑا منگوایا۔ وہ سوار ہوا اور اس قیامت خیز عالم میں اپنے دستے اور حرم کی لڑکیوں کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

شاہ آرمینیا نے بھاگنے کی بجائے وہیں پڑاؤ جاری رکھا۔ صبح دم خیموں کی راکھ دور دور تک دکھائی دے رہی تھی۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اور بے مہار اونٹوں کی بھاگ دوڑ عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔ حملہ آوروں کا کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کدھر سے آئے اور کدھر چلے گئے۔

شاہ آرمینیا دن کی روشنی میں اپنے نقصان کا جائزہ لے رہا تھا کہ اتنے میں دو سوار شاہ آرمینیا

کے سامنے آ کر اترے، ان کے ہاتھوں میں سفید پرچم تھا۔ ان میں سے ایک بولا:

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے آپ کو سلام کہا ہے اور پیغام دیا ہے کہ وہ کسی کو گرفتار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ عزالدین واپس موصل چلا جائے اور آرام سے بیٹھ کر سوچے۔ سلطان کی فوج تل خالد کے قریب پہنچ گئی ہے۔ آپ کے واپس پہنچنے تک آپ کا دارالحکومت ہمارے قبضہ میں ہوگا۔ اگر آپ سلطان مصر کی شرائط قبول کر لیں تو تل خالد سے ہماری فوج واپس آسکتی ہے۔ اگر آپ مقابلے کا فیصلہ کرتے ہیں تو نتائج کو پہلے ذہن میں رکھ لیں۔''

''سلطان صلاح الدین ایوبی کو کہو کہ میں اپنے وزیر کو شام سے پہلے سلطان کے پاس بھیج رہا ہوں۔''

فروری ۱۱۸۳ء کی اس شام کو شاہ آرمینیا کے دانش مند وزیر بکتیمور نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ بات کی۔ اس نے سلطان ایوبی کو تحریری وعدہ دیا کہ شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کے کسی دشمن کی مدد نہیں کرے گی۔



ہرزم کے میدان سے فرار ہونے کے بعد عزالدین مسعود موصل میں قلعہ بند ہو گیا۔ والئ موصل کا خیال تھا کہ اس کی عہد شکنی کے ردِعمل میں سلطان ایوبی ضرور اس کے تعاقب میں آئے گا۔ لیکن اس کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ سلطان ایوبی نے موصل کے علاقے سنجار پر قبضہ کر کے بڑی حد تک اپنے سیاسی مقاصد حاصل کر لیے تھے۔ اور اب وہ عمادالدین پر ضرب لگانے کے لیے حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پہلے اس نے قلعہ عمید پر قبضہ کیا۔ اس دوران والئ حلب نے صلیبی جنونیوں کی فرینکس نامی مسلح ملیشیا سے رابطہ کیا اور ان کے سالار ڈوڈی کو معاہدے کے مطابق حلب کے دفاع کے لیے پکارا۔ لیکن ڈوڈی کسی طرح بھی سلطان ایوبی سے دُوبدُو جنگ میں اپنی ملیشیا جھونکنے کے لیے تیار نہ ہوا۔

ادھر حلب میں سلطان ایوبی کے جاسوس جنھیں رضیع خاتون کے دور میں اندر تک رسائی حاصل ہو چکی تھی، پل پل اسے خبریں پہنچا رہے تھے۔ رضیع خاتون سے عقیدت رکھنے والا یہاں کا طبقہ بھی موصل کے نئے والی کے ظلم و جبر اور ملت فروشی کے کردار کے باعث اس کے خلاف جذبات سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ۲۱ مئی ۱۱۸۴ء کو سلطان ایوبی کا لشکر جب قلعہ حلب کے باہر وسیع و عریض میدان میں خیمہ زن ہوا تو حلب کے وہی باشندے جنھوں نے ملک الصالح کے دور میں سلطان ایوبی کے خلاف سخت مزاحمت کی تھی، آج سلطان ایوبی کی آمد پر اپنی خوشی کے اظہار کے لیے قلعے کی دیواروں پر چڑھ آئے۔

عمادالدین نے نشۂ حکمرانی میں اپنی رعایا کو اپنا زرخرید غلام اور جانور خیال کیا تھا۔ آج یہ عوام اس کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار کے لیے آزاد ہو چکے تھے۔ عوام کی یہ صورت حال دیکھ کر عمادالدین کے خوشامدی مفاد پرست امراء اکٹھے ہو کر صلاح الدین ایوبی کے پاس پناہ لینے کے لیے پہنچ گئے۔ لیکن سلطان ایوبی نے ان مفاد پرست امراء کو قید میں ڈال دیا۔ والئ حلب آج اندرونی اور بیرونی جنگ ہار چکا تھا۔ اپنے امراء کی بے وفائی کے بعد والئ حلب کے پاس صلاح الدین ایوبی سے صلح کی بھیک مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بڑی ردّوکد کے بعد سلطان ایوبی نے اس کی جان بخشی اس شرط پر کی کہ وہ حلب کی حدود سے نکل جائے اور سنجار کے علاقے میں اس کے لیے کچھ جاگیر کو مخصوص کر دیا جہاں وہ سلطان ایوبی کے ماتحت امیر کی حیثیت سے زندگی گزار سکتا تھا۔

۱۲ رجون ۱۱۸۴ء کو صلاح الدین ایوبی کسی خونریزی کے بغیر فاتح کی حیثیت سے حلب میں داخل ہوا۔ عوام ایک طرف سلطان ایوبی کے شہر میں داخلے پر نعرہ ہائے تحسین بلند کر رہے تھے تو دوسری طرف وہ اپنے سابق حکمران کی اپنے اہل خانہ کے ساتھ سنجار کی طرف روانگی کا عبرتناک منظر دیکھ رہے تھے۔ جب عمادالدین کی سواری ان کے قریب سے گزری تو کسی بندۂ

مومن نے ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے پکارا:

''ذرا اس گدھے کو دیکھو!''جس نے تازہ دودھ''(حلب) کو چھوڑ کر''پھٹا ہوا دودھ'' (سنجار) پسند کر لیا (عربی میں تازہ دودھ کو حلب اور پھٹے ہوئے دودھ کو سنجار کہتے ہیں)۔ خاندانی کبر و غرور کے نشے میں سرشار عماد الدین کے پاس خون کے گھونٹ پینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اہل حلب کے قہقہے دور تک اس کا پیچھا کرتے رہے۔



حلب پر قبضہ ہو جانے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی عالم اسلام کا سب سے طاقت ور حکمران بن گیا تھا۔ دریائے دجلہ سے دریائے نیل تک اور افریقہ کے ساحل سے طرابلس تک بڑے بڑے شہر اس کے زیرنگیں آ گئے تھے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے لے کر الجزیرہ تک اس کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

سلطان ایوبی نے دو ماہ تک حلب میں مقیم رہ کر انتظامِ سلطنت کے ساتھ دفاعی انتظامات کو مضبوط کیا۔ اگرچہ بظاہر عزالدین مسعود کو بے بس کر دیا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی طرف سے ریشہ دوانیوں کا خدشہ لگا رہتا تھا۔ اس لیے سلطان ایوبی نے اپنے سارے گورنروں اور شعبہ جاسوسی کو سختی سے ہدایت کی کہ عزالدین مسعود کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھی جائے۔

مئی ۱۱۸۵ء میں ''راس العین'' کے مقام پر صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں نے خبر دی کہ مشرقی علاقے کے تمام حکمران عزالدین مسعود کو فوجی امداد پہنچانے کے لیے متحدہ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جون کے وسط میں وہ موصل کے علاقے میں پہنچ گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی آمد کی خبر سن کر والئی موصل بدحواس ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ سلطان ایوبی اتنی جلدی اتنا بڑا اقدام بھی کر سکتا ہے۔

عزالدین مسعود جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن سلطان ایوبی موصل کا رخ کرے گا۔ اس لیے

اس نے قلعہ موصل میں سامان خوردونوش کے بڑے بڑے ذخیرے جمع کر رکھے تھے۔ اگر یہ محاصرہ ایک سال تک بھی جاری رہتا تو قلعے کے محصورین کو کھانے پینے کی سلسلے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

سلطان ایوبی نے قلعے کے سامنے اپنی منجنیقیں نصب کیں اور قلعہ کی فصیل پر سنگ باری شروع کی۔ قلعہ موصل کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی فصیلیں دہری تھیں۔ اگر کسی طرح ایک فصیل گر بھی جاتی تو دوسری فصیل دفاع کے لیے کافی تھی۔ اگرچہ عزالدین مسعود محفوظ چاردیواری میں بیٹھا ہوا تھا لیکن پھر بھی وہ نفسیاتی طور پر صلاح الدین ایوبی سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ کبھی کبھی مضبوط ترین پتھریلی دیواریں بھی اسے لکڑی کی نظر آنے لگتی تھیں۔

محاصرہ طویل ہو چکا تھا۔ موصل کے شہری سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ مزدور پیشہ لوگوں کا روزگار ختم ہو کر رہ گیا تھا۔



تکمیل آرزو

''نہیں نہیں !انھیں روکو!انھیں روکو!''عزالدین مسعود کی چیخ سن کر اس کی بیوی اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا، کیا ہوا میرے سرتاج''بیوی نے پوچھا۔

''وہ محل میں داخل ہو رہے ہیں، مجھے گرفتار کرنے کے لیے۔''عزالدین مسعود ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ کو کوئی خواب نظر آیا ہے۔''بیوی نے خاوند کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر تک عزالدین مسعود حیران و پریشان نظروں سے دیواروں کو تکتا رہا۔

''تم نے کسی دھماکے کی آواز نہیں سنی؟''عزالدین نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ آوازیں تو ہم پورے ایک مہینے سے سن رہے ہیں'' بیوی نے کہا ''دشمن کی سنگباری تو رات دن جاری ہے۔''

''کیا یہ سنگ باری بند نہیں ہو سکتی؟''عزالدین خود کلامی کے انداز میں گویا ہوا۔

''یہ تو صلاح الدین ایوبی ہی بتا سکتا ہے، اسی سے جا کر پوچھ لیں۔''بیوی نے ازرہِ تفنن کہا۔

''رضیع خاتون کو بلواؤ''عزالدین نے بیوی کو کہا۔

''کیوں اس کے بغیر دل اُداس ہو گیا ہے کیا؟''بیوی نے کہا۔

''مذاق کا وقت نہیں ہے۔''

''تو پھر اس سے خود جا کر مل آئیں، میں اس کو اپنے کمرے میں کیوں بلواؤں۔''

''اگر تم اسے نہیں بلواؤ گی تو تمھیں اس کے پاس آنا پڑے گا'' عزالدین نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تمھیں اندازہ نہیں کہ حالات کتنے خراب ہو چکے ہیں۔ تمھیں اب بھی اٹھکیلیاں سوجھ رہی ہیں۔''

تھوڑی دیر میں اس نے رضیع خاتون کو جا جگایا۔

''خیریت تو ہے میرے سرتاج!'' رضیع خاتون نے حیرت سے پوچھا۔

''خیرت نا خیریت کی کنجی تمھارے پاس ہے'' عزالدین نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' رضیع خاتون اب بھی حیرت واستعجاب کی حالت میں تھی۔

''رضیع خاتون! میں نے تمھیں ایک بار کہا تھا نا کہ میں نے تم سے کچھ امید وابستہ کر رکھی ہے۔''

''جی یاد ہے'' رضیع خاتون نے کہا۔

''تو اب وہ مشکل وقت آ گیا ہے کہ جس سے نکلنے میں تم ہی میری مدد کر سکتی ہو۔''

''مجھ ناچیز کے لیے کیا حکم ہے؟''

''صبح آپ لوگ صلاح الدین ایوبی کے پاس جائیں گے اور اس سے صلح کی بات کرو گے۔''

''ہم لوگوں سے مراد کون ہیں؟''

''تمھارے ساتھ والدہ محترمہ اور مراد خاتون''

''انھیں میری نگرانی کے لیے بھیجا جا رہا ہے'' رضیع خاتون نے دوسری بیوی کا نام سن کر کہا۔

''نہیں! مراد خاتون کو یہ سمجھانے کے لیے کہ رضیع خاتون خود اس کے لیے اور ہماری سلطنت کے لیے کس قدر اہم ہے۔''

''مجھے جانے سے انکار نہیں لیکن کیا یہ وفد خواتین پر مشتمل ہوگا؟''

''ہاں، ایسے ہی ہوگا'' عزالدین نے ہارے ہوئے جواری کے لہجے میں کہا۔

''عالی جاہ کو تو یہ گوارا نہ تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ عزالدین مسعود کے امور سلطنت پر کوئی عورت حاوی ہے۔'' رضیع خاتون نے شادی کے بعد کی پہلی ملاقات میں عزالدین مسعود کے کہے ہوئے الفاظ یاد دلاتے ہوئے طنز بھرے انداز میں کہا۔''آج آپ علی الاعلان خاندان زنگی کی خواتین کو اتنی اہم سفارت پر بھیج رہے ہیں۔''

''ہاں! ڈوبتے کو تنکے کا سہارا لینا پڑتا ہے۔''

جس کے پاس وزیروں اور مشیروں کی صورت میں بڑے بڑے شہتیروں کے سہارے موجود ہوں، اسے تنکے کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے۔''

''وہ شہتیر نہیں، وہ ایسے تیر ہیں جو خطا ہو چکے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی اب تمھارے علاوہ کسی کی بات پر اعتماد نہیں کرے گا۔''

مجھے جانے سے انکار نہیں ہے، لیکن میری بھی ایک شرط ہے'' رضیع خاتون نے کہا۔

''وہ کیا؟'' عزالدین نے حیرانی سے پوچھا۔

''صرف یہ کہ جب صلاح الدین ایوبی بیت المقدس کی مہم پر روانہ ہو تو مجھے اور میری بیٹی کو اس کے ہمراہ دمشق میں رکھا ہوا وہ منبر ساتھ لے جانے کی اجازت ہو جو سلطان عادل نے اس لیے تیار کروایا تھا کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد اس منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں سے خطاب کرے۔ ان کی اس خواہش کی تکمیل ہمارے ذمے ایک قرض ہے۔''

''رضیع خاتون میں سمجھتا تھا کہ اب تم نے دن میں خواب دیکھنے بند کر دیے ہوں گے۔ بیت المقدس کی فتح ایک خواب ہے جسے صلاح الدین ایوبی لوگوں کو استعمال کرنے کے لیے دکھاتا پھر رہا ہے۔ صلیبی بہت طاقت ور ہیں''

''صلیبی طاقت ور نہیں، مسلمانوں کے انتشار نے انھیں طاقتور بنا دیا ہے۔ سلطان عادل مرحوم کے پاؤں کی زنجیر بھی مسلمانوں کے امراء تھے اور صلاح الدین ایوبی کے لیے بھی۔ اب جب کہ یہ زنجیر ٹوٹ رہی ہے، مجھے یقین ہے کہ قبلہ اوّل پھر سے مسلمانوں کے سجدوں سے آباد ہوگا۔'' رضیع خاتون نے یقین سے سرشار لہجے میں کہا۔

''اگر سلطان عادل جیسا حکمران بیت المقدس صلیبیوں سے نہ چھڑوا سکا تو ایک غلام زادے کی کیا حیثیت ہے۔''

''یہ ضروری نہیں کہ ہر کام زعیم اوّل کے ہاتھوں ہی انجام پائے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اسی ارض مقدس کو فتح کرنے کا حکم دیا تھا لیکن غلام فطرت قوم کے کم ہمت اور دنیا پرست امراء نے اپنے نبی سے کہا کہ ہم اس زمین میں ہرگز داخل نہ ہوں گے کیونکہ وہاں تو بڑی جبار قوم رہتی ہے۔ لہٰذا اللہ نے نبی کی موجودگی کے باوجود انھیں میدان تیہہ میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد...... چالیس سال گزرنے کے بعد...... جب غلامی کی خوگر پرانی نسل مرکھپ گئی اور آزادی سے آشنا نئی نسل اٹھ کھڑی ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون جو نبی بھی نہیں تھے، کی سربراہی میں ارضِ مقدس کو فتح کر لیا۔''

''مجھے تمھارے کسی مطالبے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' عزالدین کے لہجے میں آمادگی اور خود سپردگی موجود تھی۔

عزالدین مسعود جانتا تھا کہ اس کی مسلسل عہد شکنیوں کے باعث سلطان ایوبی اس سے

کسی معاہدے کا اعتبار نہیں کرے گا۔اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ خاندان زنگی سے سلطان ایوبی کی جذباتی وابستگی کا سہارا پکڑے۔ چنانچہ اس نے اپنی بوڑھی والدہ اور دونوں بیویوں کو صلح کی درخواست دے کر سلطان ایوبی کی طرف روانہ کیا۔ بادشاہوں کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو کہ جب مردوں کی بجائے عورتوں نے سفارت کے فرائض انجام دیے ہوں۔ سلطان ایوبی نے خاندان زنگی کی معزز خواتین کا بے حد احترام کیا۔

''محترم رضیع خاتون! تم سے بہتر کون جانتا ہے کہ میں نے خاندان زنگی کے وقار کی بحالی کو ہمیشہ خود پر ترجیح دی، اور اس مشن پر انھیں کھڑا کرنے کی کوشش کی جس پر سلطانِ عادل مرحوم مجھے کھڑا کر کے گئے تھے۔لیکن استکبار نفس کے اسیر خاندانِ زنگی کے امراء نے اتحاد ملت کی میری تمام کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔اور ان صلیبیوں سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے رہے جن کے خلاف سلطان زنگی مرحوم ساری زندگی جہاد کرتے رہے۔خود تمھارے بیٹے کو خاندانِ زنگی کے ان امراء نے صلیبیوں کا دریوزہ گر بنا دیا۔

ملک الصالح پر بھی جب تمام راستے بند ہو گئے تو اس نے اپنی معصوم بہن شمس النساء کو میرے پاس بھیج دیا۔خاندانِ زنگی کی اس نشانی کو دیکھ کر میں نے پھر سے ملک الصالح کو حکمران رہنے دیا۔لیکن اس کے بعد بھی مرنے تک وہ صلیبیوں کے ہاتھوں میں ہی کھیلتا رہا۔اب آپ لوگوں کو بھی وقت گزاری کے لیے میری طرف بھیج دیا گیا ہے۔ میں آپ سب کا دل سے احترام کرتا ہوں۔لیکن یاد رکھیے کہ فرمان رسول کی رُو سے مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔اس لیے میں بصد احترام آپ سے معذرت خواہ ہوں۔''

عزالدین مسعود کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سلطان ایوبی نے رضیع خاتون کے وفد کی صلح کی درخواست کو بھی تسلیم نہ کیا۔عزالدین مسعود سلطان ایوبی کے انکار کے پیچھے کوئی اور ہی خونریز منظر دیکھ رہا تھا۔اس لیے اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنا دوسرا وفد خلیفہ بغداد کی طرف

اس اپیل کے ساتھ بھیجا کہ وہ ان کے اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان صلح کروا دے۔

آخر کار خلیفہ بغداد کی سفارش اور مداخلت سے سلطان ایوبی عزالدین کے وفد کے ساتھ مذاکرات پر آمادہ ہو گیا۔ پھر طویل مذاکرات کے بعد سلطان ایوبی اور عزالدین مسعود کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کے مطابق پورا شمالی الجزیرہ اور کردستان صلاح الدین ایوبی کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ دریائے فرات اور دجلہ کا درمیانی علاقہ عزالدین مسعود کے پاس رہنے دیا گیا۔ جہاں اب عزالدین مسعود صلاح الدین ایوبی کے ماتحت کارندے کی حیثیت رکھتا تھا۔ عزالدین مسعود نے سلطان ایوبی کے اقتدار کو کلی طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ خطبات جمعہ وعیدین اور سکوں میں سلطان ایوبی کا نام شامل کر لیا گیا۔



اس سے پہلے حران کے حکمران کوکبری، حاکم کیفا نورالدین، امیر اربیل بدرالدین اور حاکم الجزیرہ سنجر شاہ زنگی سلطان ایوبی کی اطاعت اختیار کر چکے تھے۔ حلب کے زیر نگیں آنے کے بعد سلطان ایوبی ایشیائے کوچک کا سب سے بڑا حکمران بن چکا تھا۔ اب اس معاہدے نے اسے مزید طاقت ور کر دیا تھا۔ دو تین سال کے اندر اندر اکثر مسلمان امراء نے اس کی اطاعت اختیار کر لی۔ سیاسی صورت حال کی اس تبدیلی نے صلیبی ریاستوں کے لیے ایک لمحۂ فکریہ پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ سات صلیبی حکمرانوں نے بڑی صلیب صلیب الصلبوت پر متحد ہو کر سلطان ایوبی کے مقابلے کی قسم کھائی۔

۴ر جولائی ۱۱۸۷ء کے روز حطین کے میدان میں سلطان ایوبی کے ساتھ صلیبیوں کا مقابلہ ہوا دن بھر جنگ جاری رہی اور شام تک سپاہیوں کے علاوہ چھ صلیبی بادشاہ قیدی کی حیثیت سے سلطان ایوبی کے سامنے موجود تھے۔ سلطان ایوبی نے کرک کے شہزادہ ارناط کے سوا باقیوں کی جان بخشی کر دی۔ ارناط چونکہ حضور ﷺ کی شان میں علی الاعلان گستاخیاں کرتا تھا اس لیے صلاح الدین ایوبی نے اپنے ہاتھ سے اس کے قتل کرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

چنانچہ سلطان ایوبی نے اسے اپنے ہاتھوں قتل کیا۔

۸ر جولائی ۱۱۸۷ء کو فلسطین کا شہر عکرہ فتح کیا اور اس کے بعد بیت المقدس (یروشلم) سے جانب مشرق چالیس میل کے فاصلے پر عسقلان پر چڑھائی کی۔ ۲ر ستمبر ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے عسقلان کا محاصرہ کرلیا اور ۱۹ر ستمبر کو اس پر قبضہ کرلیا۔ اب سلطان ایوبی کے اور بیت المقدس کے درمیان کوئی بڑی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی۔ وہ بیت المقدس جس پر صلیبی ۱۵ر جولائی ۱۰۹۹ء (۲۳ شعبان ۴۹۲ ہجری) کو قابض ہوئے اور ان کے اس قبضے میں مسلمان حکمرانوں کا شرمناک کردار شامل تھا۔

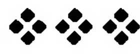
شہزاء کی ریاست کے امیر نے صلیبیوں کی فوج کو روکنا تو دور کی بات الٹا اس نے اسے رسد اور گائیڈ فراہم کیے، حماۃ اور طرابلس کے مسلمان امراء نے صلیبیوں کا راستہ روکنے کی بجائے انھیں تحائف پیش کیے تھے، انھوں نے اپنی اپنی ریاستوں کو بچانے کے لیے صلیبیوں کو بیت المقدس تک پہنچنے کے لیے ہر سہولت فراہم کی تھی۔ صلیبیوں نے اس شہر میں داخل ہو کر کسی بوڑھے اور بچے کو زندہ نہ چھوڑا۔ لڑکیوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بنایا۔ مسجدوں کو بدکاری کے اڈے بنا دیا گیا اور بے انتہا لوٹ مار کی گئی۔ تقریباً اٹھاسی سال سے بیت المقدس کے مسلمان کسمپرسی کے ساتھ غلامانہ زندگی گزار رہے تھے۔

۲۰ر ستمبر ۱۱۸۷ء کی شام کو صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا۔ اور بالآخر ۲ر اکتوبر ۱۱۸۷ء (۲۷ر رجب ۵۸۳) بروز جمعہ سلطان ایوبی شہر مقدس میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اور یہ وہی رات تھی جب رسول اللہ مکہ سے بیت المقدس آئے اور پھر یہاں نبیوں کی امامت کروانے کے بعد اللہ کے حضور معراج پر تشریف لے گئے۔

سلطان ایوبی جب شہر میں داخل ہوا تو دیگر عمائدین کے علاوہ نورالدین زنگی کی بیٹی شمس النساء اور بیوہ رضیع خاتون اس کے ہمراہ تھیں۔ وہ دمشق سے اس منبر کو اپنے ساتھ لائی تھیں جو

نورالدین زنگی نے مسجد اقصیٰ میں رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔ اس کی زندگی میں تو اس کی خواہش پوری نہ ہوئی لیکن صلاح الدین ایوبی نے اس کے اس خواب کو تعبیر بخش دی۔

دونوں ماں بیٹیوں کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے اور سلطان ایوبی اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا کہ میں نے محاذ جنگ کے مورچوں کو کنٹرول کیا تو رضیع خاتون نے گھروں اور شہروں کے مورچوں پر جنگ لڑ کر میرے کام کو آسان کر دیا۔ اللہ ایسی عظیم خاتون پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین



ڈاکٹر اختر حسین عزمی کی اپنے منفرد انداز میں

منشورات سے شائع کردہ دیگر کتب



فرزندِ حرم

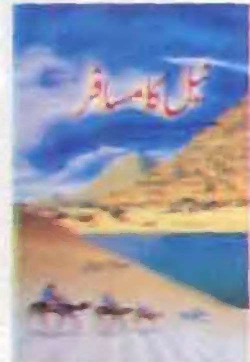
امام شافعیؒ کا علمی سفر

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی



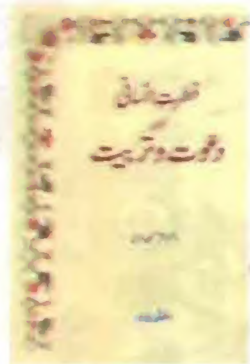
عظمتِ کردار

تاریخ اسلام کے ۸ سنہرے اوراق



نیل کا مسافر

اخوان المسلمون کے رہنما
امام حسن البنا شہید
کی زندگی کی دلچسپ کہانی



فطرتِ انسانی
اور
دعوت و تربیت

قرآن و سیرت ﷺ کی روشنی میں
دعوت و تربیت کے موضوع پر
ایک منفرد تحریر

۵ کتب کا سیٹ، زیادہ تعداد میں لینے پر خصوصی رعایت



خرم مراد اور دیگر اکابر علماء کے کتب و کتابچوں کے لیے رابطہ کریں


منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790

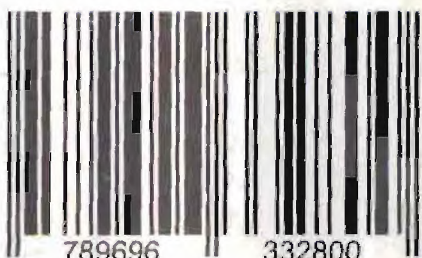

042-35419520-24 - 35434909


042-35434907

SMS ur Address:

0332-003 4909, 0320-543 4909


manshurat@gmail.com / @hotmail.com / @yahoo.com



04246